



انتخابِ طلسم ہوش رُبا



محمد حسن عسکری

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ



انتخاب طلسم ہوش رُبا

سنہ اشاعت ۱۹۸۵
تعداد ۱۰۰۰
قیمت ۱۶ سولہ روپے



محمد حسن عسکری

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

میتیش چندر سرپوانسٹو، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرز آفسیٹ پریس گورکھپور
سے چھپوا کر اکادمی کے دفتر قیصر باغ، لکھنؤ سے شائع کی۔

پیش لفظ

اردو میں طبع زاد، دوسری زبانوں سے ماخوذ اور مترجم شری اور منظوم داستانوں کی خاصی مضبوط روایت رہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہی داستانیں آگے چل کر اردو میں افسانہ اور ناول نگاری کا محرک بنیں۔

عہد شاہی میں داستانیں سننے اور سنانے کا رواج عام تھا۔ خواص و عوام میں داستانوں کو یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ حتیٰ کہ شاہی درباروں میں اور رؤسا کے یہاں داستان سنانے کے لیے باکمال فن کار ملازم رکھے جاتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ داستان گوئی نے ایک فن کی حیثیت اختیار کر لی تھی، بیسویں صدی کے ربع اول بلکہ اس کے کچھ بعد تک بھی کہیں کہیں لوگ اپنے چاروں طرف کچھ افراد کو اکٹھا کیے داستان سناتے نظر آتے تھے۔ اب داستان گوئی کا فن تقریباً ختم ہو چکا ہے، البتہ گھروں میں بڑی بوڑھیاں خاص زبان اور لہجے میں بچوں کو کہانیاں سناتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کہانیوں کو داستانوں ہی کے باقیات الصالحات میں شمار کرنا چاہیے۔

زبانی داستان گوئی کے فن پر زوال آنے سے پہلے ہی داستانیں لکھی بھی جانے لگی تھیں۔ مدت تک الف لیلیٰ، طلسم ہوش رُبا، بوستان خیال وغیرہ پڑھ کر سامعین کو انوکھی دنیاؤں کی سیر کرائی جاتی رہی۔ اب اس کا رواج بھی ختم ہو چکا ہے۔ فی الوقت داستانی ادب کا مطالعہ اپنے طور پر لطف اندوز ہونے یا نصابی ضروریات تک محدود ہو گیا ہے۔

اردو کی داستانوں میں "طلسم ہوش رُبا" سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہوئی۔ متعدد حصوں میں منقسم یہ داستان ہزاروں صفحات کو محیط ہے۔ آج کی مصروف زندگی میں، جب تک "طلسم ہوش رُبا" کا خصوصی مطالعہ مطمح نظر نہ ہو، اتنی طویل داستان کو اول سے آخر تک پڑھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں رہی ہے۔ اس لیے اس کے ایک مختصر مگر نمائندہ انتخاب کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے جس سے پڑھنے والوں کو اردو کی اس مہتمم بالشان تصنیف کے مندرجات اور اسلوب کا اندازہ ہو سکے۔ اسی غرض سے مشہور نقاد محمد حسن عسکری مرحوم نے "طلسم ہوش رُبا" کی تلخیص کی تھی جسے چھوٹے سائز پر نسخہ ٹائپ میں چھاپا گیا تھا۔ یہ کتاب برسوں پہلے شائع ہوئی تھی اور اب مدت سے بازار میں دستیاب نہیں ہے۔

اتر پردیش اردو اکادمی کے پیش نظر اردو کے کلاسیکی ادب کی اشاعت کا بھی مقصد ہے اور اس سلسلے میں اکادمی کی جانب سے متعدد کتابیں شائع بھی کی جا چکی ہیں۔ زیر نظر انتخاب "طلسم ہوش رُبا" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح یہ کتاب بھی قبول عام حاصل کرے گی۔

محمد رضا انصاری

چیرمین

اتر پردیش اردو اکادمی
لکھنؤ، ۱۶ مارچ ۱۹۸۵ء

فہرست

۹۷	اس نگر میں	۳	پیش لفظ
۹۸	جن جائے انھیں لجاے	۷	گئے تھے نماز بخشنا نے رونے لگے پڑے
۱۰۲	چلو میں آؤ	۱۷	روتا ہے کیا؟
۱۱۲	پگ آگے پت رہے	۲۱	بھو بیٹیاں یہ کیا جانیں
۱۱۵	کوند آ	۲۸	دیاشہ نے ترتیب اک خانہ باغ
۱۱۵	وہ دھانوں کی بھری وہ سروں کا روپ	۳۲	تواپرات
۱۱۶	اچھے گھر بیجانہ دیا	۳۵	بندی ایسی ہوئی ہے ادا ماتی
۱۲۱	برکت ہی برکت	۴۹	بکٹ کہانی
۱۲۲	احتیاج است احتیاج است احتیاج	۴۹	ہٹو بچو
۱۲۲	طریق بے طریق	۷۰	آکھوں گا ٹھکیت
۱۲۵	چاند تاروں کا کھیت	۷۲	جادو برحق کرنے والا کافر
۱۲۸	پال پال جی کا کال	۷۴	گنگنٹے کی ضرور
۱۳۹	چڑی اور دودو	۷۸	کیا بتائیں کیا کیا دیکھا
۱۴۵	عروس البلاد	۸۸	ہمیں کیا کام عمر جاوداں سے
۱۴۷	گل و بلبل میں جو باتیں ہیں ذرا اگر ماگرم	۹۰	ہم تو سفر کرتے ہیں
۱۵۲	ڈیرے	۹۲	پڑاؤ
۱۵۳	حکم حاکم	۹۴	گھرنہ سہی گھاٹ
۱۵۳	بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلا بھی	۹۵	جل ٹھنڈے
۱۶۰	بڑھی گھوڑی	۹۵	اربعہ عناصر
۱۶۰	آفت کی پڑیا	۹۷	سنیچر

۲۴۵	اشرف المخلوقات	۱۶۱	واکے بچھڑت پھٹے حیا
۲۴۶	چھوچھکا	۱۶۹	سوت کے نام تو سوتیا آتم بھی نہیں لیتی
۲۴۶	سادہ پرکار	۱۸۱	رنگ میں بھنگ
۲۴۹	گنور دل	۱۸۳	نہلے پر دہلا
۲۵۱	کرطم دھم	۱۸۴	سات دریا کے فراہم کئے ہوں گے موتی
۲۵۲	بے طرح اور طرح دار	۱۸۴	جس میں کھائیں اسی میں پھید کریں
۲۶۳	اک ٹیڑھ سادگی میں	۱۹۱	شغل بے کاراں
۲۶۹	جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا	۱۹۵	دو پھول تو ایک کانٹا
۲۸۰	لکر کی خیر	۲۰۳	ہتے پر ٹوک دیا
۲۸۰	تکلف برطرف	۲۰۵	آڑی تر چھی
۲۸۱	چل پوں، ہم چج	۲۱۰	سابھے کی بانڈی
۲۸۲	آؤ پروں لڑیں	۲۱۳	دھینکا مشتی
۲۸۳	اضافیت	۲۱۹	نامردوں کی دور بلا
۲۸۴	اس کے پڑھنے سے بہنوں کا بھلا ہوگا	۲۲۳	کبوتری
۲۸۴	شفق	۲۲۴	پیٹ سے پیر نکالے
۲۸۵	بے لگام	۲۲۶	یہ بھی اک اپنا ہوا باندھتے ہیں
۲۸۶	فطرت	۲۲۶	یہ بھی ہوتی چلی ہے آوارہ
۲۸۶	دارالاسلام	۲۲۹	مزیداریاں
۲۸۶	جھٹکی	۲۳۴	اللہ رے جھمکڑا
۲۸۷	روکھی سوکھی	۲۳۶	آتے ہی جڑی پہلی ملاقات میں چھڑی
۲۸۷	پرے میں زردے	۲۴۱	بولی ٹھولی

گئے تھے نماز بخشوانے روزے گلے پڑے

(۱۱)

بادشاہ نے دربار برخواست کیا۔ سردار اپنے اپنے خیموں میں بہر آسائش و آرام آئے۔ نور الدین بھی آکر اپنی بارگاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ ان کو اس ہمائے اوج عاشقی، ہجران کشیدہ، رنجور، مکہ مخمور نے دیکھا، دل بیتاب کو تاب نہ آئی، کینزوں سے کہا: ”تم درہ کوہ میں جا کر ٹھہرو، میں آتی ہوں۔“ لوندیاں حسب الارشاد اس طرف گئیں، اور یہ شاہین صید گاہ محبت و الفت اپنے طاؤس کو پھیر کر قریب بارگاہ شاہزادہ اُتری اور سامنے آکر پکاری کہ ”اے بے وفا! رسم و راہ الفت یہی ہے کہ ہم آوارہ دشت و دیار پھریں اور تجھے خبر نہ ہو کہ بقتضائے

در اندرون من خستہ دل نہ اغم کیست
کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
مرا بکار جہاں ہرگز التفات نہ بود
رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست“

یہ صدا سن کر شاہزادے نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، ایک اختر آسمان دل رُبائی، گوہر دریائے آشنائی، گل گلزار ناز کی بلبل شاخسار دلبری، یوسف جمال، زلیخا خصال، ماہ کی صورت، چکور کی سیرت، بلی کی سچ، بھنوں کی دھج، شمع کارنگ، پروانے ہنگ، بزم کی آرائش، پہلو کی زیبائش، نیند کی کھونے والی، پٹ کر سونے والی کو ملاحظہ کیا۔ کہ سرگرم گفتار ہے ایسی حسین، شوخ و چنچل کو دیکھا کہ بے صبر اور بے تاب ہو گیا، ہوش و حواس، عیش و راحت سب بھولا کہ:

بوٹا سا قد قیامت عالم زلف چہرے پر آفت عالم
راستی قد کی اک قیامت تھی کم سنی اس پر اور آفت تھی
حسن لاثانی ایک عالم میں پھول ساتن عرق کے شبنم میں

باے رے وہ پنجا کھچا مکھڑا تمنا یا وہ چاند سا مکھڑا
 صدقے آرائش اور نثار بناؤ اس بگڑنے میں بھی ہزار بناؤ
 سر بہ سر زلفت کے وہ بال اُچھے گیسوے خم بہ خم کمال اُچھے
 قابل دید اس پری کا حال شکل معشوق جیسے صبح وصال
 گو کہ سرمہ ہی تھا نہ غارہ تھا پر محبت کا یہ تقاضا تھا
 دل سے ہو جائے نثار اس پر غرض آتے تھے لاکھ پیار اس پر
 شاہزادہ والا منزلت دلدادہ اور شیفۃ ہو کر قریب اس گل فام کے آیا بلکہ نے
 مسکرا کر منہ پھیر کر کہا: "چلو اب منہ دیکھی محبت نہ جتاؤ۔ میں ایسے بے مروت سے بات
 نہیں کرتی۔ یہ فرما کر اور پھر کر دوانہ ہوئی۔
 یہ کشتہ خنجر ناز و مجروح شمشیر انداز بے تاب دے قرار ہو کر پکارا کہ اے
 مسکن گزین خاطر عاشق حزیں:

تڑپتا ہے مریض ہجر کیوں کر دیکھتے جاؤ
 اجی دم توڑنے کی سیر دم بھر دیکھتے جاؤ
 دم رخصت زرا حسرت کے تیور دیکھتے جاؤ
 نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
 ہمارے پاس سے جاؤ تو مڑ کر دیکھتے جاؤ
 اے دلدار و اے مایہ ناز، یہ کیا مجھ ناشاد پر عتاب ہے کہ آپ ہی تو پری
 کی طرح سایہ ڈال کر دیوانہ بنایا اور پھر نظر پھیر لی۔
 شاہزادہ یہ کہتا ہوا اور شعر عاشقانہ پڑھتا اس کے پیچھے جاتا تھا، لیکن وہ
 بہت پُرفتن کچھ جواب نہ دیتی تھی، یہاں تک کہ لشکر سے نکل کر ایک درہ کوہ میں جب
 پہنچی وہاں ٹھہر گئی۔ شاہزادہ قریب پہنچا۔
 مخمور نے تیوری چڑھا کر کہا: "کہو صاحب، کیا ہے؟ کیوں مجھ کم بخت کا
 پیچھا پکڑا ہے؟ لو اچھا، میں ٹھہری ہوں۔ کیا کہتے ہو؟"
 شاہزادے نے کہا: "واللہ اے جان زار کی تسکین، میرا تو یہ حال ہے کہ
 گرام عاشقی ترے نزدیک ننگ ہے کرے نہ قتل مجھ کو عبث پھر درنگ ہے

اس خانہ خراب کو لے جاؤں میں کدھر دل پر تو یہ فضا ہے بیاباں بھی تنگ ہے
 تیری درشتیوں کو سمجھتا ہوں آشتی تجھ کو تو میرے ساتھ عبث عزم جنگ ہے
 کرتا ہے اس قدر تو خفا درد کو عبث ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی تنگ ہے
 یہ کہہ کر اشک سے رخسار کو تر کیا۔ مخمور شاہزادے کے رونے سے بے چین ہو گئی
 اور ہنس کر اپنے دست نازک سے آنسو پونچھنے لگی اور کہا: ”مجھ خانماں آوارہ سے محبت
 کرنا، دل لگانا اچھا نہیں کہ شہنشاہ ظلم افراسیاب کے پھندے سے میرا نکلنا محال
 ہے۔ اس وقت ہم راہ ساحروں کے حیلہ کر کے تمہارے دیکھنے کو چلی آئی تھی۔“
 شاہزادے نے کہا: ”کیا تم بھی ساحرہ ہو؟“
 اس نے کہا: ”ہاں“

یہ سنا تھا کہ نور الدین سن ہو گئے۔ اُن کے چپ ہونے سے مخمور سمجھ گئی کہ
 تجھے ساحرہ جو انھوں نے سنا ہے تو تیرے حسن و جمال کو عارضی بہ زور سحر بنا ہوا
 جان کر یہ خاموش ہوئے یہ تصور کر کے ہنسی اور لب لعلیں سے گہرا فشاں ہوئی کہ
 ”اے دلبر دغا باز و اے عاشق جاں نواز! میں مثل ان ساحرہوں کے نہیں ہوں کہ
 جن کا سن و سال دو دو برس کا ہوتا ہے اور وہ سحر سے صورت اپنی جوانوں کی بناتی
 ہیں، میرا سن چودہ سال کا ہے۔“

شہزادہ اس تقریر کو سن کر دل میں شاد ہوا۔ لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ اگر میری
 ساحرہ کے ساتھ اپنے بیٹوں اور پوتوں کے عقد کرنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں،
 پس اس سے وصال ہونا غیر ممکن ہے، اور تیری طبیعت اس پر آئی ہے، دیکھیے
 مقدر میں کیا لکھی رسوائی ہے۔ یہ سوچ کر یا تو چہرے پر سُرخ آئی تھی یا پھر وہ غنچہ
 دہن مرجھا کر زرد ہو گیا۔

مخمور سوچی کہ شہزادے کو تیرے کم سن ہونے کا حال سن کر فرحت حاصل
 ہوئی تھی مگر اب پھر کچھ فکر لاحق ہوئی ہے۔ از بسکہ یہ عاشق ہے، شاہزادے
 کے خفا رہنے سے دل اس کا خفا ہوا اور ہاتھ گردن میں ڈال کر اپنا دوشالہ
 سر سے اتار کر فرش کیا اور شہزادے کو بٹھلایا۔ لگی منت اور خوشامد کرے کہ
 ”کچھ صاحب ہم سے کیوں خفا ہوئے؟ کیا باعث ہے؟“

دل بھر آتا ہے خدا کی قسم
کچھ خفا ہو تو ہم سے فرماؤ
میں سنوں تو میرا قصور ہے کیا؟
رنج تکلیف ہم کناری ہے
کون کہتا ہے تم گلہ نہ کرو
ہم کو قائل کرو لو و ہم سے
خوش ہو رنج فراق دور ہوا
خود مقرر ہونے میں خطا پر ہم
ناز بردار ہی پہ کرتے ہیں ناز
رنج فرقت کا ذکر زائد ہے
ہم ہیں معشوق، تم کو زیب نہ تھا
روٹھنے کا سبب بھی ہم سمجھے
آپ ہم کو اگر سنائیں گے

بہت اس وقت ضبط کرتے ہیں ہم
لو ہمیں پیٹو اب نہ شرمناؤ
سبب رنجش حضور ہے کیا؟
یا خطا اور کچھ ہماری ہے
بے تکلف کہو، حیا نہ کرو
مثل کیسو اُلجھ پڑو ہم سے
عذر کرتے ہیں لو قصور ہوا
ناحق اس درجہ آپ ہیں برہم
سب اٹھاتے ہیں عاشق جاننا
اس سے کیا جی، خدا تو شاہد ہے
ہم سے کرنا تمہیں فریب نہ تھا
یہ رکھائی، یہ ضد، یہ دم سمجھے
دیکھو پھر ہم بھی روٹھ جائیں گے

اس طرح اپنے عاشق کو لپٹ کر منایا کہ شہزادے کو آئندہ کا خیال ماضی، سب
رنج و غم بھولا، بے اختیار ہنس پڑا۔ ملکہ نے تیوری چڑھائی، ردکھی صورت بنا کر، گلے
سے بائیں نکال کر الگ سر کی۔ شہزادہ اس سے لپٹ گیا اور کہا: "اے آرام دل
بے قرار! میں تجھ سے خفا نہ تھا، بلکہ یہ سوچتا تھا کہ دادا میرے امیر جب تجھ کو ساحرہ
سنیں گے تو میرے ساتھ نکاح نہ کریں گے۔"

محمور نے ہنس کر کہا: "چہ خوش! آپ نکاح کی فکر ابھی سے کرنے لگے!
اے صاحب منہ بنواؤ، ہوش میں آؤ، عقل کے ناخن لو۔ کجا میں اور کجا تم! کیسا
نکاح اور کہاں کا بیاہ۔ اس اک نظرے خوش گزرے ہم نے نہیں دیکھا، تم نے
ہمیں دیکھ لیا اور آگے سب جھگڑا ہے۔ مجھے اور بات سے نفرت ہے۔"

شہزادے نے کہا: "دیکھئے اس کی سند نہیں، یہ انکار اچھا نہیں۔"
محمور نے کہا: "اور تو میں کچھ جانتی نہیں، لیکن دل سے راغب یہ طرف
دین اسلام ہوں۔ انشاء اللہ بعد فتح طلسم سحر ساحر کی سے تو بہ کروں گی۔ آج کل

طلسم میں مجھے مدد عمر و کی کرنا ہے اور نیچہ افراسیاب سے نکلنا ہے، نہیں تو ابھی مسلمان ہو جاتی۔“

شہزادے کو اطمینان ہوا کہ جب یہ مدد خواجہ کی کرے گی اور بہ دل مسلمان ہوگی تو امیر جلد دے حسن خدمت اور فاقت مسلمانان کی وجہ سے خوشنود ہو کر میرے ساتھ زکاح کرنے میں تامل نہ کریں گے۔ یہ سمجھ کر آغوش محبت کھول کر اس پروردہ مہد ناز و کج ادالی کو سینے سے پٹالیا، دل کھول کر پیار کیا۔
مخمور نے کہا: چلیے، چلیے، آپ وہی ہیں جو ابھی طوطے کی ایسی نگاہ پھرتے تھے۔ منہ سے نہ بولتے تھے۔ ہمیں آٹھ آٹھ آنسو رلایا، اور آپ کے تیور پر میل نہ آیا۔ اب لگے جھوٹ موٹ کا عشق جتاتے۔“

شہزادہ منتیں کرنے لگا، ہنگامہ راز و نیاز گرم ہوا۔

(۲)

ملکہ نے شاہ زادے سے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا: ”لیجئے خدا حافظ و ناصر۔ اب عرصہ بہت ہوا ہے، میری راہ شاہ طلسم دیکھتا ہوگا۔ جب اور ساحر پہنچیں گے اور میں نہ ہوں گی تو نہایت خرابی ہوگی۔“ یہ کہہ کر اٹھی۔ شاہ زادہ اس کے جانے سے ابدیدہ ہوا۔ پھر تو مخمور بھی رونے لگی، اور اس وقت عاشق اور مشوق کا عجیب حال تھا کہ

تہقہ لب پہ بن گیا نالا خوں بہا آنکھوں سے تو دھو ڈالا
دل کو سو بیچ و تاب ہونے لگے شد توں سے عذاب ہونے لگے
دل تو اُٹا مگر رہے خاموش تھم گئے اشک آکے بر سر جوش
قصہ کوتاہ دونوں روتے، یہ ادھر، وہ طلسم کی طرف روانہ ہوئی مخمور چلنے دقت کہتی گئی کہ

”کرم مجھ پہ رکھنا ذرا میری جان
میں دل چھوڑے جاتی ہوں اپنا یہاں“

(۳)

مخمور..... اندر باغ سیب کے گئی۔ اور شاہ طلسم کو مجرا کر کے نگل

پڑ بیٹھی۔ خمار نے اس کی بلائیں لیں، اور گلے سے لگایا، چہرا اُترا پایا۔ کہا: ”کیوں، بہن، تمہارا جی کیسا ہے؟“

مخمر نے کہا: ”اچھی ہوں۔ تم جانو راہ کی تھکی ماندی آئی ہوں، اور میں سچ کہوں، مجھے راہ چلنے کی عادت بھی نہیں۔ تغیر حواس اور مزاج کی یہی وجہ ہے۔“
مخمر یہ کہہ ہی رہی تھی کہ نظار نے آکر افراسیاب کو تسلیم کی اور کل سرگزشت عمرو کے رہا ہو جانے اور حضار کے مارے جانے اور لقا کے پیام دینے کی بیان کی۔
افراسیاب نے جواب دیا: ”مجھے سب خبر ہے۔“ یہ کہہ کر بغضب تمام پکارا:
”اے مخمر، ادھر آ۔“

مخمر گھبرا کر تھرائی ہوئی سامنے آئی۔ شاہ نے خطاب کیا کہ ”کیوں او بے حیا! تو جب خدمت خداوند میں گئی تھی تو پہلے ہر سمت اپنے یار کو ڈھونڈتی پھری۔ آخر جب مسلمانوں سے لڑائی شروع ہوئی تو علاحدہ جا کر کھڑی ہوئی، اور سحر کرتی تھی تاکہ مسلمانوں پر سحر تاثیر نہ کرے، اور انجام کار یہ ہے کہ چلتے وقت درہ کوہ میں اپنے یار کو لٹاکر لائی اور خوب رنگ رلیاں منائیں۔ سچ کہہ یہ کیا ماجرا تھا؟“

واضح ہو کہ جب مخمر طلسم سے واسطے لقا کے پاس جانے کے ہم شبیہ افراسیاب سے اجازت خواہ ہوئی تھی تو اس کو مظنہ یہ گزرا کہ ایک بار یہ لقا کے پاس ہوا آئی ہے دو بارہ آپ سے درخواست کر کے یہ کس لیے جاتی ہے۔ اس گمان کے آتے ہی شاہ جاوداں نے مخفی ایک پتلا سحر کا اس کے ہمراہ کر دیا تاکہ جو کچھ وہاں یہ کرے اس سے وہ پتلا مجھے خبردار کرے۔ جس وقت مخمر شاہزادہ نور الدہر کو پہاڑ کے درے میں لے گئی اور باتیں کرنے لگی۔ پتلے نے سحر کے افراسیاب کو اس کے آنے سے پہلے آکر خبر دی۔۔۔۔۔

خلاصہ کلام، جب مخمر پر اس نے زجر و توبیخ کی تو وہ رونے لگی اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگی کہ ”کینزہ تو سحر مسلمانوں کے بچنے کے لیے کرتی تھی اور نہ کسی کی جویا تھی۔ ماں، اتنی خطا مجھ سے بے شک ہوئی کہ جب میں وہاں سے پھری ہوں تو ایک جگہ لشکر حمزہ میں بہت سے آدمی کھڑے تھے۔ ان کو دیکھنے گئی۔ ان میں سے ایک جوان

حسین مجھے خوب صورت عورت دیکھ کر دوڑا۔ میں بھاگی اور درہ کوہ میں جا کر چھپی۔ وہ بھی پیچھے پیچھے وہاں آیا اور میرے حال کا مستفسر ہوا۔ میں بہ غصہ اپنی کیفیت بیان کر کے آمادہ ہوئی کہ سحر سے اسے گرفتار کروں، وہ بھاگ کر لشکر میں چلا گیا۔ میں طلسم میں چلی آئی۔ اب غنایت بے غایت خسروانہ حضور سے امیدوار ہوں کہ اتنی خطا میری معاف فرمائے۔“

افراسیاب گویا ہوا کہ ”دیکھ تیرا جھوٹ سچ ابھی ظاہر ہوا جاتا ہے۔“ یہ کہہ کر اس کے بازو کی طرف بے نگاہہ قہر دیکھا۔ مخمور کے بازوؤں پر اس کے زمرہ کے بندھے تھے اور ان پر تصویریں تھیں، ایسی کہ جیسے نگینے پر نقش وغیرہ کندہ ہوتے ہیں۔ بس شاہ کے گھوڑے سے دونوں بازوؤں کے اگلے کھل کر گر پڑے اور افراسیاب پکارا کہ ”اے تیلیو، تم بتاؤ کہ یہ کس سے باتیں کرتی تھی اور کس کا دم محبت بھرتی تھی؟“ دو تیلیاں گویا اس کے حق میں کراٹا کا تبین تھیں کہ جو کچھ مخمور نے وہاں کیا تھا وہ سب بیان کرنے لگیں، اور کہنے لگیں ”اے شہنشاہ! یہ اس مرد دوسے کے سامنے اپنا عشق جتانے کو روٹی تھیں۔“

افراسیاب ہنسا اور پکارا کہ ”اے فحجہ، سنا تو نے کہ تیلیوں نے کیا کہا؟“ مخمور نے عرض کیا کہ ”میں لاکھوں ساحر جو جنگ میں مارے گئے، ان کے لیے روٹی تھی۔“ یہ کہہ کر قدم شاہ پر گر پڑی کہ خطا میری معاف فرمائے۔ افراسیاب نے کہا ”شو کوڑے ماروں گا جب معاف کروں گا۔“ کہہ کر دستک دی کہ زمین سے دو ساحر بد ہیئت، کریمہ منظر، تازیانے لیے نکلے، اور طرہ زلف محبوب پر مار پڑنے لگی، جسم نازنین سے فوارے خون کے چھوٹے لگے، پیرہن سب تازہ ہوا، جلیناد شوار ہوا۔ آخر غش کھا کر گر پڑی، رات بیٹھ گئے۔

اس وقت خمار بڑی بہن اس کی سامنے شہنشاہ کے آئی، اور گویا دوئی کہ ”اے شہنشاہ! آپ کے جو مزاج میں آتا ہے وہ کرتے ہیں، ہماری کسی لی آبرو اور عزت کچھ نہیں سمجھتے۔“

افراسیاب نے کہا: ”تیلیاں سارا ماجرا بیان کرتی ہیں، اور تو جھٹی

کو الزام دیتی ہے۔“

خمار نے کہا: خدا جانے تیلیاں مال زادیاں کیا بکتی ہیں، آپ میری بچی کی جان لیجئے گا۔“ اور مخمور کے اوپر روتی ہوئی گری۔

شاہِ طلسم نے تازیانے والوں کو منع کیا کہ اب زرد کو ب نہ کرو۔ وہ حکم پاتے ہی زمین میں سما گئے۔ افراسیاب نے کہا: ”اے خمار میں نے اس لیے اس کو سزا دی کہ اوروں کو عبرت ہو۔ ورنہ مجھے کیا؟ چاہے کوئی کسی پر عاشق ہو یا اس کا دشمن بنے، مگر میرے دشمنوں سے لطف و مدار نہ کرے۔“

خمار نے کہا: ”ہم کنیزوں کی مجال ہے جو خلاف حکم شاہ کوئی امر کریں؟ یہ کہہ کر مخمور کو گود میں اٹھا کر باہر باغ کے آئی، اور بہ در سحر تخت تیار کر کے سوار ہو کر چلی۔ بعد لمحے کے اسی شہر اور عمارت اور باغ میں جہاں عمر و کنیز بنا ہوا موجود تھا پہنچی۔

اس وقت مخمور کو بھی ہوش آیا۔ خمار نے پوچھا کہ ”بہن، تمہیں سچ بتاؤ کیا کیا؟“

مخمور نے جواب دیا کہ ”افراسیاب بھڑوے کی شامت آئی ہے جو ہمارا جی چاہا وہ ہم نے کیا کیا میں کسی کی لونڈی باندی ہوں؟ وہ اپنا دیا ہوا ملک و مال دھڑھوڑے۔ میں اب شریک جان و مال سے عمر و کی ہوں۔“ خمار نے اپنے کلمات سن کر بہت سمجھایا کہ ”بہن، شاہ سے بگاڑ کر ہم کہاں رہیں گے؟ مثل چلی آتی ہے کہ دریا میں رہنا اور مگر مجھ سے پر۔“

مخمور نے کہا: ”بی اپنے کام سے لگو، یہ سمجھانا تہ کر رکھو۔ وہ مسخرا میرا کیا کرے گا؟ آج تک بہار کا اس نے کیا بنا لیا؟ کڑے سے سب دیتے ہیں۔ میں شہزادی ہوں، کوئی پاجی نہیں جو مار کھا کر پھکی ہو رہوں۔ اے تو میں اپنی ذات کی اشراف اور اپنے نام کی مخمور نہیں جو اس موئے کے اپنے شہزادے کے ہاتھ سے دھڑے نہ اڑواؤں۔ ہاں جب تک میں یہاں ہوں اس وقت تک مجھ کو اور اس کے بس میں ہوں، چاہے اور زرد کو ب نہ کرے۔“

خمار نے کہا: ”تم جانو تمہارا کام جانے تمہیں غصہ بے ڈھب سوار

ہے۔ یہ کہہ کر خمار رخصت ہو کر روانہ ہوئی۔

(۴)

[افراسیاب آکر مخمور کے ایک دفعہ پھر کوڑے لگواتا ہے]

کنیزیں اور ہم رازیں، انیسیں وغیرہ مخمور کے پاس آئیں اور اس کا عالم دیکھ کر رونے لگیں۔ پلنگ پر مردے کی طرح ٹٹا دیا اور گرد اس ماہ سہر عاشقی کے سب نے غلغلا کیا، کوئی بیٹی سے شکر کرنے لگی، کوئی شوگر گرہ مچانے لگی۔ کسی نے چہرہ بے نظیر کی پٹریں چٹرائیں لیں، کوئی بے قرار ہوئی۔ کسی نے گایاں شاہ طلسم کو دیں کہ "اس بھڑوے افراسیاب نے، ہے اس نازنین کی جوانی پر بھی رحم نہ کیا، اس جلاد سے کیوں کر اس کا پٹنا دیکھا گیا؟ کوئی ملکہ کا منہ پکڑ کر کہتی تھی کہ "میں وادی کچھ منہ سے تو بولی۔ اے ملکہ اس تیری جندری کا صبر بڑے افراسیاب کی جان پر پڑے، جس نے تجھے زخمی کیا، اور مرنے کے قریب پہنچایا، کھٹیا سے لگایا۔ افسوس نصیب نے تجھے کس قصائی کے پائے ڈالا؟"

ایک نے کہا: "اے لوگو، میں یہ جیران ہوں کہ اس جواناں مرگ افراسیاب کا ہماری ملکہ نے کیا ڈھالا بگاڑا تھا، یہی نہ کہ ایک شخص پر جی آگیا، پھر اس میں میری جان، اس کا کیا اجارہ؟ اور اس مقدمے میں وہ تو کیا، جن کی عرش پر جھولتی ہے، ہر وقت تلوار سے جن کی خون ٹپکتا ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتے تو بھلا یہ بھڑوا کیا کرے گا؟ وہ اپنی جو ردا کی تو خیر دیکھے کہ ہر طرف ہنڈائی مارتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو دودل راضی تو کیا کرے گا قاضی؟"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک مخمور نے دو ایک ہچکیاں لیں اور ہاتھ پاؤں ٹپکنے لگی۔ جیسے کوئی دم توڑتا ہے۔ یہ کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت سارا محل تلے اوپر ہو گیا، اور ایک کھرا مچ گیا سب چھوٹے بڑے پھپھار میں کھانے لگے، اور گرد ملکہ کے پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ:

ہاے افسوس کیا یہ آہ ہوا ہاے سب گھر کا گھر تباہ ہوا
کیا کیا ہاے درد کا چارہ بے اجل تو نہ لے ملک مار
کھائی تھی جس نے بھول کر نہ تھری اس سے میری رستا پر پڑی

کوڑے ایسے لگائے ہیں اس کے پیچھے پر پڑ گئے نشان جس کے
 ہائے کوڑوں کا درد مان گئی ہائے افسوس اس کی جان گئی
 غم سے غم کی کریں فریاد سرسبز کر دیا ہمیں ناشاد
 قصہ مختصر کسی نے مریم سحر ملکہ کے لگا کر اور کسی نے ٹانگے دے
 کیوڑا اور فدا کہانت کا عرق خلق میں ٹیکایا کچھ اس رنجور کو افاقہ
 ہوا۔

روتا ہے کیا؟

(۱)

مخمور پر ایک تو مار پڑی ہے، اور دوسرے یاد اپنے گل عذار کی ہی
دل سے لگی ہے۔ بیتاب اور بے قرار، مثل عنذ لیب زار بال شوق کھولے
نالہ و شیون کرتی چمنستان میں آئی اور چوتراہ بلوریں پر جو وسط باغ میں بنا
تھا، فرش مکتف بچھا تھا، وہاں آکر بیٹھی کہ خاطر مضطر نشی باب ہو لیکن سیر
گلزار نے اور زیادہ ہوا اے عشق بڑھائی، وہ گل بدن بے کلی سے گھبرائی۔
جب یاد قامت یار آئی، صورت سردار دکھائی۔ چشم نرگس کو دید و حیراں
نہجھی، زلف سنبل کو کیسوے پریشاں سمجھی، نخل ماتم میں نظر آیا، گل کو اپنے تخت
جلر سے مشابہ پایا۔ باد صبا کو صرصر حادثہ روزگار پایا، لالے نے داغ دل دکھا
سبزہ رنگ آئینہ نہر تھا، جان بلبل پر عیاد کا قہر تھا، گھٹا غم و اندوہ کی ہر طرف
چھائی تھی، گلشن دہر کو تار یک جان کرو حشت تنہائی تھی، گھبرا کر کہتی تھی

کہ

”صرصر حادثہ اس باغ میں کیا چلتی تھی
شاخ میوؤں کے عوض آبلوں سے پھلتی ہے
آتش گل سے گلستاں کی ہوا جہلتی ہے
برق آفت سر اشجار سے کیا چلتی ہے!
داغ سینے کے ہیں جو پھولوں کے پتارے ہیں
زخموں کی نہریں ہیں اور خون کے فوارے ہیں
گردِ خاطر گلچیں ہے ہر اک غنچہ گل
باغبانوں کے لیے دام ملا ہے سنبل
رگ گل نیش ہے ہر رگ جانِ بلبل
راست بازوں سے اٹھی رسم محبت بالکل

رد آسب خزاں میں عجب ایجا دکیا
سرو نے فاختہ کو صدقے میں آزاد کیا

اے مخمور یہ گل خنداں نہیں ہیں، زخم خنداں اور غواں خون غلطاں ہے
سرو سرو چراغاں ہے، ہر شاخ خنجر عریاں ہے، موج بھر شمشیر براں ہے، جامہ
گل خون میں تر تر ہے، طفل غنچہ بے شیر مادر ہے، نازخ بچیس رنج سرا سر ہے،
شمشاد پر قمری رنجور ہے، یاد ابر منظور ہے، سو سن سیاہ پوش ہے، زکس مخمور
بادہ الم سے بے ہوش ہے، قصہ مختصر وہ نیریں عذار، بادل خار خار و سینہ
فکار یاد محبوب گل اندام میں اسی طرح بے قرار بھی آخر

دل کے واشد سے بے توقع ہو ہر شجر کتے بہت سارے
دیکھ گلشن کو ناامیدانہ دُخ کیا اس نے جانب خانہ
یعنی وہاں سے اٹھ کر بارہ درمی میں آکر یلنگ پر گری اجڑات عشق کی
تپ چڑھی، دین و دنیا کی خبر نہ رہی، سارا دن مثل مردے کے پڑی رہی۔ آخر
اس کے دو دآہ سے عالم میں تاریکی چھائی اور شب ہجر کالی بلاسی چشم عاشقا
میں نظر آئی کہ

شب فرقت اسی کو کہتے ہیں لوگ آفت اسی کو کہتے ہیں
جان لینا ہے کام اسی شب کا شام غوبت ہے نام اسی شب کا
جان بچتی نہیں یہ ہے وہ شب شب بیمار ہے اسی کا لقب
ہے بلا سے فراق یا رہی ہے شب اول مزار رہی
یہی ظالم بسر نہیں ہوتی اسی شب کی سحر نہیں ہوتی
چند کنیزوں نے سارے مکان میں روشنی کی اور رقا صوں کو بلوایا
ناکہ ملکہ کا دل بھلے، رنج و غم بھولے۔ اور چند پرستاریں آکر پاؤں ہاتھ دبا
لگیں، اور بہ منت ملکہ کو جگانے لگیں کہ "داری آج کیا صدمہ و ملال ہے
دشمنوں کا کیا حال ہے؟ ہم حضور کی بلا لے کر مر جائیں، ناشاد اور نامراد دنیا
سے گزر جائیں۔ کچھ ہم سے تو ارشاد فرمائیے، دل پر جو گزرتی ہو بتائیے کہ اس
کی تدبیر کریں۔ اگر کسی پر دل آیا ہو تو اس کو تسخیر کریں۔"

ان باتوں کی صدا جب کان میں اس جو ہر کان خوبی کے پہنچا، چشم
 حیراں وا کی خواب و صل یار دیکھ رہی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی نہ وہ یار تھا، نہ
 وہ بوس و کنار تھا، بلکہ زمانہ شب تار تھا۔ گھبرا کر بکاری :-
 "سب عمر جاگ کر تری حسرت میں کھوئی ہے
 او موت کیا تو مر گئی، کس نیند سوئی ہے
 مجھ سخت جاں کو موت نہ آئے گی حشر تک
 اب حیات سے مری مٹی بھگوئی ہے
 رور و کے بھی کئی نہ شب تار جس یار
 بھاری ہوئی ہے جوں جوں ملی یہ بھگوئی ہے"

(۲۱)

مفارقت مطلوب سے سخت گھبرائی، جان لب پر آئی۔ ہزار طرح کا دل
 میں خیال آیا کہ شاہ طلسم جب عمر و لچکی دینے کا حال سنے گا تو کیا کچھ ستم برپا
 ہوگا، تو گرفتار ہوگی، سارے طلسم میں رسوائی بڑھے گی، آفت میں جان بڑھ
 گی۔ خیر، اسے مخمور عشق کے کارن جو نہ ہو وہ تھوڑا ہے رپاؤں بھی خانہ زنجیر
 میں جانے کے مشتاق ہیں، کان بیڑیوں کا غل سنا چاہتے ہیں، ہاتھوں کو
 شغل گریباں دری ہے، رسوائی تو اس کام میں دھری ہے، جتنی بے عزتی
 ہو عین عزت ہے، دریوانگی اور برہنہ پانی عاشق کے لیے مقام فخر اور
 سعادت ہے کہ

غیر بدنامی ہمیں کیا چاہیے الفت میں نام
 بے نشان ہو جائیے بس یہ نشان درکار ہے
 زینت بدتر مرگ سے ہے گرنہ ہووے وصل یار
 ورنہ جی تن کو مرے نے تن کو جاں درکار ہے
 ہووے شادانی گلشن کب بغیر از آب جو
 سینہ بزداغ کو اشک رواں درکار ہے
 سب طرح سے بہتر اپنے حق میں ہے دل بسکی

جوں دہان غم یہاں کس کو زباں درکار ہے
 اسی سوچ میں کبھی بارہ دری میں پلنگڑی پر مردے کی طرح پڑی رہتی، اور گاہے
 گلشن میں بے تابانہ جاتی، تڑپتی اور بیلاتی، غم کو زباں پر لاتی، دکر یہ
 سناتی ہے

”گر دل نہ یہ بتلا کسی پر ہوتا
 میں کا ہے تو اس طرح سے مضطر ہوتا
 کم بخت یہ دل تو مری چھاتی کا ہے، جم
 کاش اس کے عوض بغل میں تپسہ ہوتا

بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

(۱)

بیسراں (ایک جادوگر جسے عمو عیار کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا ہے) تلاش عرو میں پیک نگاہ کو ہر طرف دوڑانے لگا۔ اتفاقاً روزگار سے کنیز ملکہ بہار جادو پر کہ نام اس کا محبوب پری پھرہ جادو ہے، یہ عاشق ہے اور جب بہار طلسم باطن میں رہتی تھی، شاہ کی طبیعت تھی، اسی زمانے سے یہ عشق رکھتا ہے اور کنیز بھی اس پر فریفتہ ہے، مگر بوجہ خوف ملکہ بہار کے اس سے مل نہیں سکتی ہے، اور بے سراں بھی بہ سبب اس شرم کے کہ کنیز کو ملکہ بہار سے مانگنا باعث ننگ و عار ہے، کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ محبوب پری پھرہ جادو ستون بارگاہ کی آڑ میں کھڑی ہے، مگر مجھے دیکھ کر ہنستی ہے، بناؤ سنگا کیے ہے، مہی لگائے، لکھوٹا جمائے ہے، ہاتھوں میں پور پور چھلے ہیں، منہ پر زلفوں کے ساتھ پٹے چھوٹے ہیں، کنگھی چوٹی سے درست، بندی ماتھے پر دیے، چھاتیاں ابھارے دکھارہی ہے، یہ عالم معلوم ہوتا ہے کہ

بگ بھبھوکا، پیٹ ملائم اور گچوں میں چلتی ہے
سینے سے لے ناف تک اک صندل کی سی تختی ہے

اور اس وقت اپنے عاشق کو دیکھ کر اس نے اٹھلانا شروع کیا کبھی چھپ جاتی ہے اور کبھی سامنے آکر، شور مچا کر، منہ بنا کر سر ہلاتی ہے کبھی ٹمک کر بیٹھ جاتی ہے اور کبھی چھلانگ مار کر ادھر سے ادھر پھرتی ہے کبھی گریباں کھول دیتی ہے، اور سینے پر سے دوپٹہ ہٹاتی ہے، چھاتیاں دکھاتی اور گاہے اپنچل الٹ کر سر پر ڈالتی ہے، اور منہ عاشق سے چھپاتی ہے۔ ان اداؤں کو دیکھ کر بیسراں مر مر گیا، اور دل سے کہتا تھا:

رفتار میں یہ کسی کے انداز کہاں

باتوں میں کسی کے ایسی آواز کہاں

خوبی ہے تمہیں یہ خستم، بتوں کی !
یہ عشوہ کہاں کسی میں، یہ ناز کہاں

ادھر تو یہ محو جمال کینز تھا، اور کینز بھی سمجھی کہ مدت کے بعد تیرا چاہنے والا آیا ہے، باہر بارگاہ کے چل کر دود و باتیں کیے، یہاں ملکہ بہار کے روبرو دال نہ گلے کی، یہ سوچ کر، ٹالا بالابتا، ادھر جا ادھر آ، شدہ شدہ دربار گاہ پر پہنچ کر، اس طرف اسے دیکھ کر پیچھے پھری کہ دیکھو مطلوب بھی آتا، یا نہیں۔ جب کسی کو آتے نہ دیکھا، کھنکاری اور آپ سے آپ "ادنیٰ" کر کے بارگاہ سے نکل گئی۔ بیسراں نے جو آواز اس کی سنی، سمجھا کہ درپردہ مجھے بلاتی ہے، یہ بھی نکل آیا، اور پاس کینز کے پہنچ کر گویا ہوا کہ "کیوں صاحب! مزاج اچھا ہے؟"

اس نے جواب دیا کہ "دعا کرتی ہوں۔ تم اچھے رہے کیوں کر آئے؟"
اس نے کہا "آیا تو میں عمرو کے گرفتار کرنے کو ہوں، مگر تمہارے فراق میں بھی بے چین تھا، اور خواہش دیدار رکھتا تھا کہ
واٹھ ہم اے صنم نہ بھولیں گے تمہیں
جب تک یہ ہے دم میں دم نہ بھولیں گے تمہیں
یا دآپ کی ایک دم فرا موشیں نہیں
تم بھولو تو بھولو ہم نہ بھولیں گے تمہیں

اے محبوب عاشق نواز، جب بہار شہنشاہ سے منخرن ہوئی تھی
اس وقت تم میرے پاس چلی آئی ہو تیں، اور تمہاری بی بی کو کیا ضرور تھا
کہ عمرو کی شریک ہو میں؟"

محبوب نے کہا۔ میرے سامنے کچھ ان کو کہنا نہیں کہ وہ میری مالک
ہیں۔ اور میں کیا مستانی تھی جو تمہاری ہو رہی تھی، اپنی بی بی کو چھوڑ دیتی؟
مردوں کی بات کا اعتبار کیا؟ مجھے میری محبت ذرا بھی ہوتی تو آج تک میرے
پاس نہ آتا! اب لگا باتیں بنانے۔"

بے سراں بولا کہ "جان من! جیسے تم پرانی تابوچ دار تھیں ویسے ہی میں بھی
تھا۔ غیر لشکر میں کیوں کرتا؟ مگر فرقت میں میرا یہ حال تھا کہ

بے چین جو درد دل سے ہم ہوتے ہیں
سراپنا ٹپک ٹپک کے جی کھوتے ہیں
لے شام تا سحر ترے بن کھسے ہیں
سب سوتے ہیں ہم پڑے روتے ہیں

اے یار بے وفاب شکوہ و شکایت موقوف کر کے ذرا سامنے درہ کوہ
میں چل کر صحبت آرا ہو کہ دل مضطرب میرا تسلی یاب ہو۔"

محبوب نے تیوری چڑھا کر کہا کہ "مجھ کو اکیلے میں جانے سے کیا مطلب
ہے؟ تو مسٹنڈا، مستی میں بھرا ہوا ہے، میری عزت میں خلل آجائے گا۔ بس
میں نے تجھ کو دیکھا، تو نے مجھے، زیادہ ہوس نہ کر۔"

بیسراں بولا کہ "اے غم گسار سیم اندام! میرا آنا یہاں پھر کا ہے کو
ہو گا؟ آج کا ملنا غنیمت جان کر میری مراد بر لا۔ گھڑی بھر شراب کباب
کا تنہائی میں شغل ہو، بوس و کنار کی لذت ملے پیاری، آج تو اپنا یہ جی
چاہتا ہے کہ

"بوسے سے جو منہ موڑو تو موڑو اپنا
ہمک پاؤں تو دانا بنے ہمیں دو اپنا
مگر نام سے عاشقی کے تنگ آتا ہے
نو کر چپا کر عنان سلام سمجھو اپنا"

محبوب بولی: چل باتیں نہ بنا۔ مجھے مردوے، دم دھاگے اچھا
نہ بتا۔ میں کم بخت سرکار کے کام کو باہر آئی تھی، یہاں جان غضب میں
پڑ گئی۔"

یہ کہہ کر آگے بڑھی، بیسراں ساتھ ہوا، پیچھے پھر کر مسکرا کر اس سے
کہا: "ارے میں بدنام ہو جاؤں گی۔ تو میرے ساتھ نہ آ۔"
غرض کہ اسی طرح باتیں بناتی ہوئی درہ پہاڑ میں آئی۔ عاشق اس کے

ساتھ آیا۔ باہم اختلاف کرنے لگے۔ محبوب نے دوپٹہ اپنا بچھایا، اور اس جیلے سے گھنپا پاتا اترانے کی راہ سے سب دکھایا کہ مجھے لونڈی نہ جاننا، میں گھنپا پہنے ہوں، اب کبھی اٹھلائی ہے کبھی ٹھنکتی ہے کبھی سر اس کے زانو پر رکھ کر لیٹ جاتی ہے، اور دل سے کہتی ہے: ”آج جو میرے ہے سو راجہ کے نہیں ہے!“
(جلداول)

(۲)

(برق عیار عورت بن کے ناقوس جادو کو ماننے آیا ہے)
برق نے..... بارگاہ میں تخیلہ کرا کے پہلے تو بہت کچھ ناز و انداز کیے کہ ”صاحب تم جو اکیلے میں مجھ کو لے کر بیٹھے ہو تو آخر تمھارے دل میں کیا ہے؟ سامری کی قسم، میں جانتی ہوں جو تیرا ارادہ ہے۔ تو بندی ایسی ادا مانی نہیں کہ غیر مردوے پر پھسل پھرے۔ سنو صاحب! میرا بھی دل، میں سچ کہوں، تم پر آیا تھا۔ لیکن میں نے اپنے دل کو روکا کہ اورے جی ایسے چوٹیوں کے بھرے کباب سے دل لگانا کیا!“

ناقوس نے ان باتوں کے جواب میں بہ منت کہا کہ ”اے جان من! تیرے سوا میں کبھی کسی پر نہ مروں گا، دم الفت کا نہ بھروں گا۔“
اس ماہ پیکر نے ہنس کر کہا کہ ”تیری جر و اتو پا رخ ہاتھ کی موجود ہے! ارے، یہ سب تیری منہ دیکھے کی محبت ہے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ تو بے مروت ہے۔“

ناقوس نے کہا: جانی! جب میں تیرا محل کروں گا تو اپنی بی بی تعسلی بالکل نہ رکھوں گا۔“

یہ سن کر اس ہر جیبیں نے ماتھا کوٹ لیا اور کہا: ”اوئی، سامری، دے تیرے دیدے سے! ارے جو دس بچوں کی کی ہوئی، سامری کا سنجوگ اتارا ہوا دس بیس برادری والے باجے گاجے سے اسے بیاہ کے لائے، تو میرے کارن اس کو چھوڑ دے گا! نا صاحب میں تیرا ساتھ ہرگز نہ کروں گی۔ ارے ایسا بے وفا مرد و اتو نہ مانے میں ہرگز نہ ہو گا!“

یہ باتیں اس طرح منہ بنا کر کہیں کہ ناقوس بے قرار ہو کر لپٹ گیا۔
اس نے کہا: ہاں ہاں۔ دیکھو تو میرے چھوٹے کپڑے کھلے جاتے ہیں۔
مرد دے جو اس میں آ۔

اس نے رکھائی دیکھ کر قدم پر سر رکھ دیا اور منت کرنے لگا۔
اس زہرہ جمال نے کہا: ”اچھا پہلے ایک سحر میں تیار کریں، پھر تیری
مراد بھی پوری کروں گی۔“

(غرض سحر تیار کرنے کے بہانے برق اسے سیسہ گرم کر کے پلا دیتا ہے،
(جلد دوم)

(۳)

رشاہ افرا سیاب ملکہ بہار سے وصل کا طالب ہے۔ تنگ کر رہا ہے۔
برق عیار عورت کی شکل میں مدد کو پہنچتا ہے۔
برق آئینہ سامنے رکھ کر ایک ایسی نازنین عورت کی شکل بنا کہ بہار
سے ہزار درجے حسن میں بہتر تھا، رخ روشن اس کا روئے آفتاب محشر تھا۔
چہرے میں رنگ حسن دادا بھرا، گرمی میں خاطر مشتاقاں کے لیے سوز و ساز دینے
والا، زلف شکن در شکن کے حلقے نافہائے آہوئے حبیب کا دل خون کرتے، آب و
تاب سے ہر ایک عاشق کو دیوانہ بنا کر نیا جنون کرتے، زیر گیسوئے معنبر پیشانی
انور، ابرو تیرہ میں جیسے آفتاب سحر کا نور ظاہر، طبیعت خود بینیوں سے بھری
ستواں ناک مابین رخسار یاد یو ارچمن حسن رنگیں بنی۔ چشم سرمہ آگیں، جادو
تمکین، شاہ جادواں کو فریب دینے چلیں، اسی سے چکر مکر پھرتی۔ رخ پر
غازہ صباحت حقیقت میں کان ملاست لب گل رنگ پر مرجان صدقے،
شرم سے لعل بدخشان ہیرا کھائے، دانتوں کے روبرو بے آبرو موتی ہو جا۔
آواز اس کی شیریں، انداز نظر پر تمکین، باتیں سب بھولی بھولی، دہن تنگ
دیکھ کر خضر کو راہ بھولی، سینہ صاف پر چھاتیوں کی کچیں نمودار، کم سنسی اظہار۔
شکم رشک موج قلزم۔ نور کمر چشم تصور سے بہت دور، لطیفہ گوئی میں
طاق، بذلہ سنجی میں شہرہ آفاق، زیور جواہریں سے جسم مزین، اکھٹا ہوا

اس کا جو بن

اس صورت سے درست ہو کر ایک اور کنیز ملک سے تخت سحر تیار کر کر
سوار ہوا اور کوٹھے پر وہ تخت آکر اترا، صدائے خلخال پا سے نظر بادشاہ و
ملکہ کی اس پر پڑی۔ ملکہ سمجھی کہ یہ کوئی شہزادی طلسم کی ہے۔ بادشاہ کو یہاں آیا
ہو اسن کر ملاقات کو آئی ہے۔ یہ سمجھ کر بغل گیر ہونے اٹھی۔ برق نے پہلے بادشاہ
کو تسلیم کی، پھر بہار کے گلے ملا، اور گویا ہوا کہ ”بہن مدت سے تم کہاں گئی تھیں؟
اللہ، یہ بے مروتی کہ مدتوں صورت بھی نہیں دکھائیں۔“

بہار یہ کلمات سن کر حیران تھی کہ میں اس کو پہچانتی نہیں، اور یہ ایسی بات
کرتی ہے جیسے بڑی اس سے دوستی ہے، لیکن شرط مروت صاف جواب دینے
کی مقتضی نہ ہوئی۔ یہ تو نہ کہہ سکی کہ میں تمہیں جانتی نہیں ہوں، اس کی شکایت
کے جواب میں کچھ عذر و حیلہ کر کے اپنے برابر بٹھایا۔ شاہ جادواں اس کی ادا
کو دیکھ کر فریفتہ ہوا۔ عشق بہار بھولا، اس لیے کہ بہار حسن اصلی دکھتی ہے اور
یہ بناوٹ ہے۔ پھر ملکہ مذکورہ کو وہ چھل بل اور شوخی کہاں آتی ہے جو یہ
عیار جانتے ہیں، شاہ بے تاب ہو کر مستفسر حال ہوا کہ ”اے ملکہ حسینا
جہاں تمہارا نام کیا ہے؟“

اس کا فردا دست نے اس طرح مسکرا کر آنکھوں کے لال لال دورے
دکھا کر نظر کو پھر کر بہ شیریں زبانی جواب دیا کہ ”مجھ کو ارمان جادو کہتے ہیں
قریب ان کے مکان کے رہتی ہوں۔ ان سے معنی بی بہار سے محبت ہو گئی
ہے۔ کبھی کبھی دیکھنے آتی ہوں۔“

شاہ نے فرمایا کہ ”پھر آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔“

اس نے کہا، چہ خوش! مجھے آپ کے پاس بیٹھنے سے واسطہ؟ میرے
کنوار چھل میں جو بٹا لگ گیا تو کیا ہوگا؟ آپ ہزاروں محل کرتے ہیں ایک
رات کا اخلاص، تمام عمر کا جلا پابندی کو نہیں گوارا۔“

شاہ نے یہ کلمہ سن کر ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ اس نے پارہ نے
”ہاں ہاں“ کر کے قریب ٹھسک کر کہا، ”دیکھو، سامری قسم، میری چوڑیا

بھی ٹوٹ گئیں اور کلائی میں بھی موج آگئی۔

یہ کہہ کر ایسا منہ بنایا کہ بادشاہ بے قرار ہو گیا۔ چاہا کہ بوسہ لے لوں، لیکن اس نے ہاتھ سے منہ ہٹا دیا کہ ”لو صاحب یہ بے ہوشی دیکھو! جمشید جانے، مجھے یہ دل لگی اچھی نہیں لگتی بھری محفل میں میری آبرو اتار لی!“

بادشاہ نے گلے سے لگا لیا۔ اس نے ڈھیلے ہاتھ سے ایک طمانچہ منس کر مارا کہ ”خوب تم تو مزے میں آئے کسی کی آبرو پر پانی پھر جائے تمھاری بلا سے! اے صاحب ذرا پچلے بیٹھو۔“

بادشاہ نے بموجب

گلے مل کر کہا اس سے کہ جانی ہمیں بھی ہے ایسا ہر بانی

اس نے بھی گردن شاہ میں ہاتھ ڈال دیے، اور جھجک کر الٹ ہو گئی، کہا ”اوئی، اس زور سے مجھے کھینچا کہ شالوں پر ہاتھ نہ ٹیکتی تو منہ کے بل گر پڑتی۔“

بادشاہ ساحراں نے ہر چند وہ نہیں نہیں کیا کی، مگر پچ کر گود میں بٹھا لیا۔ پھر تو یہ حال ہوا کہ

ہزاروں اس کی اس نے غمتیں کیں

ہواے شوق سے تھا وہ جو مضطر

ہوئی ہر چند وہ برہم گرہاں

لگا شلوار پر جب ہاتھ دھرنے

کہا ”اب شام توں کچھ کو گھیرا

ذرا دم لے کہ دل ٹھیرے ہمارا

بشر کرتے نہیں حیوان کا کام

بادشاہ ان باتوں سے سمجھا کہ یہ بالکل راضی ہے۔ یہ سمجھ کر ملکہ بہار

سے کہا کہ ”یہاں تھلیہ کر دو۔“

ملکہ نے سرائیک کو اشارہ کیا، اور آپ بھی اٹھی۔ اس جو روش نے گود سے بادشاہ کے اٹھ کر اچل ملکہ کا پکڑ لیا کہ ”بہن کہاں جانی ہو؟

ساحر زمین کے اندر سے پیدا ہوا، اور اس نے بھی افسوں پر صا کہ باغ کی
 گھاس جو لگی تھی ہر نوک گیاہ پر پھول یا قوت رنگ کھل گئے، اور گو ہر
 شب چراغ کے تابندہ اور روشن ہوئے، اور حصار باغ کا آئینہ نظر آنے
 لگا کہ جو چیز بیرون باغ تھی سب دکھائی دیتی تھی۔ چار سمت درختوں میں
 قندلیں اور فانوسیں جو اہر کی آویزاں ہو کر ضیاء بخش گلزار بہار ہو گئیں باغ
 کی عمارت کے اندر شیشہ آلات روشن ہوئے۔ روشنی ہو رہی تھی کہ سواہی
 افراسیاب کی آکر پہنچی۔ حیرت نے تعظیم کے مراسم ادا کیے لیکن شہنشاہ باغ
 کے باہر اتر آ، اور ایک ناریل سحر کا سمت باغ پھینکا کہ در باغ یا تو ظاہر نہ
 نہ تھا، مگر اب دکھائی دیا اور پردہ زنبوری شکلا نظر آیا۔ چار بتلیاں
 مثل پریوں کے زمین سے نکلیں اور پردہ در کو اٹھا کر کھڑی ہوئیں شہنشاہ جادو
 نے کچھ پڑھا کہ ہزار پھول ستاروں کی طرح فلک کی طرف سے گرنے لگے، اور
 آب داخل باغ ہوا۔ حیرت کا ہاتھ پکڑ لیا، اور سیر کرتا ہوا چلا۔ جس قدر ساتھ
 کہ ہم راہ آئے تھے ان میں سے معر زمین تو ساتھ رہے، اور باقی باغ کے باہر
 پھیرے۔ یہ گلشن طلسمی کہ جس کا مذکور پہلے بھی ہو چکا ہے کئی کوس کے گرد بنا ہوا
 آج بہ وجہ جشن ہونے کے کمال مزین و آراستہ کیا گیا ہے، ہر روش پر جو اہر
 چھسکا ہوا ہے اور زمانے کے پھول جو اہر کے لگے ہیں، کاسہ ہائے چینی و بلوریں
 دھرے ہیں، بعض ان میں زکس دان، الماس تراش ہے، تاک انکو براہیا
 جوش ہے کہ مے کشوں کو اس کی تلاش ہے۔ خوشیوں پر تہائی کی پھیلیاں پڑھتی
 ہیں۔ کلابتوں کی ڈوریاں کسی ہیں، درختان صنی کے مقابل شجر جو اہر کے
 لگے ہیں، پالوہرن چمنستاں میں گودنے ہیں، سینک ان کے سونے چاندی
 سے منڈھے ہیں جھولیں زردوزی کی اور تہائی کی پڑی ہیں اور درخت تمام باد
 سے منڈھے ہیں اور درخت کے نیچے جو ترے بلور کے بنے ہیں اور نہریں اور
 حوض آب صاف و شفاف سے لبریز ہیں۔ ان میں پھیلیاں رنگ رنگ کی
 تیرتی ہیں۔ تماشہ خیز ہیں۔ منہدی کی ٹیلوں پر عشق بجا لپٹا ہے، مقیش کتر ہوا
 روشنیوں پر پڑا ہے، گیند مقیشی اور سلے درختوں میں لٹکے ہیں۔ سرو کے درخت

قامت رعنائے معشوق کو شرماتے ہیں، ہر سرو کی چوٹی پر طاؤس ناچتے ہیں۔
 اٹھارہ سو باغبانیاں کم سن، جو اہر میں غرق، ذربفت کے لنگے پہنے، لگاتیاں
 باندھے، پیچھے سنہرے روپے لیے روش پڑی بنا رہی ہیں، گہنا گوندھتی ہیں
 ڈالیاں لگاتی ہیں۔ جا بجا رقا صان زہرہ جیسے ناچتی ہیں اور ہنگلے چار طرف
 کو تعمیر ہیں۔ صد ہا گل رخ، یاسمین پیکر کنیزیں حاضر ہیں۔ مردنگ، جھار
 فرشی، کنول رکھے ہیں، دیواروں میں دیوار گئیاں اور آئینے نصب ہیں۔
 پردے مٹلی اور بانائی کار چوبی کام کے بندے ہیں، چلمیں عمدہ چاندی اور
 سونے کی ٹھیلوں پر پڑی ہیں، تخت جو اہر نگار چھپے ہیں، محمودی کی چاندنیاں
 کھینچی ہیں، ہزار ہا سفیناں جو ان، گلاب، کیوڑہ، بید مشک، مشکوں میں
 بھرے چھڑکاؤ کرتی ہیں۔ بیج باغ میں چوتراہ جو اہر کا بنا ہے، نگیرہ روپلی تہائی
 کی جھال کا استادہ ہے، آٹھ سو استادے الماس نگار پر بھرا ہوا ہے ہر ایک
 استادے پر طاؤس جو اہر کا ناچتا ہے، سونے چاندی کی منجھیں، طنائیں، ریشما
 وغیرہ طاہروں کی ہیں، مثل کرن آفتاب کے جھال شعاع ہرزہ ہے نیچے اس
 کے تخت شاہی لگا ہے، مگر جو اہر آمیز ہے۔ نو سو کرسی الماس کی گرد تخت کے
 گسترہ ہیں۔ مسندیں روپلی پر تکلف لگی ہیں جن پر خوبان طلسم یافتہ ہیں
 سفید سفید گلابیاں الماس تراش شراب انگوری سے نلو، سرخ و سبز کشتیوں
 میں چنی ہیں منقلوں میں عود و عنبر کا بخور ہو رہا ہے۔ شمع ہائے مومی کا فوری
 جلتی ہیں۔

شہنشاہ طلسم ملکہ کا ہاتھ پکڑے تخت پر آکر بیٹھا، اور حکم دیا کہ کوئی ساٹھ
 عشرت دکار عیش اکھ نہ رہے، جملہ تماشے میرے روبرو کیے جائیں۔ پھر تو
 ہندو لوں اور جھولوں پر اسی ہزار پری زاد جا بیٹھیں، اور ہنگ بڑھنے لگا،
 اور ملالہک کے گانے لگیں، جھونے کے پڑوں میں جو گھنگھروں سے ان سے
 آواز چھم چھم کی بلند ہوئی، اور شاہ کے روبرو بھی رقا صان قمر پیکر بہ صد ترن
 و آرائش ناچنے لگیں۔ باغ میں مقیش اڑنے لگا، پریاں ایک دوسرے پر
 قفقہ ناک ناک کر لگنے لگیں، پچکاریاں رنگ کی چلنے لگیں، رن، دائرہ، الگو جا

قانون بین، جنگ، جل ترنگ سب طرح کے ساز اور باجے تمام باغ میں بجنے لگے۔ صدائے ارغنون ہر سمت پھیلی۔ شراب کا دور شروع ہوا۔ بغیر گلال اڑنے لگا۔ سرو چراغاں کی بہار اور چاندنی دیکھنے کی کیفیت نہایت لطیف سے آغاز ہوئی۔ باہر باغ کے منزلوں تک ساحر عیش میں مصروف ہو گئے اور داد عیش و نشاط دینے لگے، اور حکم ہوا آتش بازی چھوٹے، بھر دار شاد چربیوں میں آگ لگائی، عقل پر حریخ کی حریخ میں آئی، اناروں کے پھول گنار و سنہری گلزار طلائی کارنگ دکھلانے لگے۔ سبحان اللہ کیا جلسہ انبساط تھا.....

جلے اور جم گھٹے جم گئے، بادہ خوار ڈٹ گئے، خینا گران ناہید سرانے تانیں مارنا شروع کیں، اور مبارک باد گانے لگیں.....

شہنشاہ ساحراں.... حیرت سے بیٹھا اختلاط کر رہا تھا، چھڑ رہا تھا اور بو سے لیتا تھا۔ حیرت بگڑ رہی تھی کہ شہنشاہ آپ سب کے سامنے نہ ستایا کیجئے صاحب، میرے کپڑے سب کے روبرو کھلے جاتے ہیں، بگوڑی میں پسینے پسینے ہوئی جاتی ہوں، اور تمہیں اپنے کام سے کام۔ آئی بانی سے نہیں چوکتے۔“

(جلداول)

(۲)

سب دستی جلد جلد ہونے لگی۔ آئینے قد آرم نصب ہوئے، چھتیں مکلف لگائی گئیں دیوار گیریاں صاف و شفاف درست ہوئیں۔ شیشے، آلات، ہانڈیاں، جھا بے، کنول وغیرہ مزین و مزین طور سے ترتیب کیے۔ فرنگیوں کی دوہری بارہ سلا منے سند کے لگائی، چنگیر، جو کھڑے، گلہ ستے چنے گئے۔ مکان کے کونوں پر کھڑیاں جڑ دیں، تصاویر آئینے کے اندر شاہان دہر کی درست کیں، باغ کے درخت شبنم و باد لے اور زربفت سے منڈھوائے نہروں میں گلاب و کیوڑہ اور بید مشک بھروایا، ہزارے کا فوارہ ہر جگہ چڑھوایا۔ اوٹ پھولوں کے مناسب جگہ پر کھڑے کیے، نازنینان مہر و جمال و ماہ تماشال بہر خدمت گزار مقرر کیں کہ وہ باغ میں ہر طرف کوکار

و بار کرتی پھرتی تھیں کوئی سامان اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اس جگہ موجود نہ ہو۔

(جلد اول)

(۳)

یہ صحرا نزہت آگیاں، نمونہ بہشت بریں ہے۔۔۔۔۔ کنوئیں جابجا پختہ بنے جن کی چاہ میں یہ باؤلی و دانی ہو شیار ڈانوال ڈول پھرے، پٹریاں جگت کی ایسی تحفہ کہ انگور کی تاک جو انھیں جھانک لے تو شرماے۔ ہر طرف نہریں اور چشمے جاری، لب گردانوں پر ان کے گل کاری۔ درخت گل دار، بسیلا، موتیا، نسترن، جوہی، شبو، چنبیلی، فرگس، یاسمن کسی جگہ لالے کے سارے پاتوں رنگ، کسی طرف گل فرنگ کہیں نیو نازگی، ترشادے کی میٹھی میٹھی اور تھیننی بھینی خوشبو کہیں سنبل بازلف پریشاں کہیں سوسن سوزبان سے باغبان قدر کا مدح خواں، ہر تختے میں باد بہاری مستانہ وار لڑکھڑائی پھولیوں کے پھولنے سے اتراتی۔۔۔۔۔ جھیلیں اہرائیں، رفتار معشوق کی ادا دکھائیں۔ گھاس کو بوں تک ہری ہری اگی ہوئی۔ تازگی اور سرسبزی بھری ہوئی۔ ہرن، پاڑھے، چیتل پھرتے، دریائی جانور کلیلیں کرتے وادان کوکلا، ہریل، پا، گویل و ہیر شا مادرختوں پر چھو لاجھو لے، نہال نہال ہو کر جھومتے۔ نہروں کے کنارے قاز، بط، مرغابی، قرقرے پانی میں منقاریں ڈال کر پروں کو بھگوتے اور صاف کرتے، پھریریاں لیتے، پروں کو اپنے چہر چھراتے۔

(جلد اول)

تواپرات

ظلمات (ایک جادوگر) نے حکم دیا کہ خاصہ حاضر کرو تاکہ اکل و شرب سے فارغ ہو کر سحر خوانی میں مصروف ہوں۔ حسب ارشاد بکاویوں نے طعام لذیذ انواع و اقسام کا موجود کیا، اور دسترخوان اطلس رومی کا

بجھایا۔ اس پر گرد ہاے نان کہ مثل قرص قمر کے افق منور تنور سے طالع ہوئی
تھیں رکھیں، اور قفلیاں شیر برنج کی جوا بہتاب کی قفلی کو اپنے روبرو سر دباتی
تھیں جن دیں، نان آفتابی گرم یا گرم پیچہ آفتاب سے گرتی تھیں اور نان ہوا
خاطر کو فتکاں ہوا او ہوس بڑھتیں۔

بعد ترتیب سفر گسری ظلمات مع رفقا کے کھانا کھانے لگا۔ اس وقت
عرو نے خوان کھانے کے اندر قصر کے جاتے دیکھ کر تجویز کیا کہ اس وقت ظلمات
کھانا کھائے گا۔ یہ معلوم کر کے اپنی صورت مثل ایک رکاب دار کے گوشے میں
ٹھہر کر بنائی، یعنی سر اپنا موڑ کر ٹوپی جو گوشہ پہنی، اور لنگی زانو تک کی باندھی۔
پاؤں میں بری نوک کا جوتا پہن کر دوہر کر سے لیٹی، اور تھال ہاتھ پر رکھا،
مرزائی کمر تک کی زیب قامت فرمائی۔ تھال میں سمو سے اور مٹھائی کے جانور
بنے ہوئے لگائے۔ ایک ایک سمو سے کی سو سو پرتیں اس طرح بنائیں کہ ایک
پرت اٹھاؤ سو پرت الگ الگ ہو جائیں اور پھر ملی رہیں۔ تکلف یہ کہ ایک پرت
سلونی دوسری چاشنی دار تیسری ٹھٹی، چوتھی بالکل ترش، اسی طرح سو پرت
کا الگ مرزا اور ذائقہ ولذت ہے۔ اور کھجے اس ترکیب سے ایک سو پرت
کے بنائے کہ ہر پرت میں شیرہ انگور کا بھرا تھا نہایت عمدہ کہ ذائقہ ان سے ٹپکتا
تھا، بوذات اور شاخیں پنجہ نگاریں بختیان چین و چگل کو شرماتی تھیں، اچار و
مرتبہ وہ لذیذ کہ پھانکیں اس کی چشم عشوہ گراں نکمین کو اپنے اوپر لہجھاتی تھیں
در بہشت آب و تاب میں حقیقتاً دریاے بہشت کے جواہرات کھجے
کا کھجے اور سمو سوں وغیرہ پر نقش تھا کہ

بنے ہر ایک سطر شاخ نبات	رقم اس کی اگر کروں میں صفات
طشت ہر فلک سے اچھا تھا	ایسا خوش رنگ تھال ہاتھ میں تھا
بے خریدے نہ چین آئے کبھی	بوزیں برنی کی خوش نم اسی
آنکھ پڑتی تھی جس پہ جو روں کی	در بہشت اس طرح کی عمدہ تھی
دانت میں بھی ذرا نہ وہ چپکے	ایسا پیرا کہ ٹوٹے ہونٹوں سے
نہرہ و مشتری شکر پارے	نکتیاں تھیں دوق کی یا تارے

غرض کہ اس طرح کے پکوان اور مٹھائی آراستہ کر کے سب کو زہرا کو دیکھ
 یہ تدبیر کر کے تھال ہاتھ پر رکھے اندر قصر کے آیا، اور ظلمات کو سلام کرنے
 تھال سامنے رکھ دیا۔ اس نے دیکھا کہ جانور سبز و سرخ تھال میں رکھے ہیں، او
 خوشے انگور کے ایسے ہیں کہ ابھی گویا دالی سے ٹوٹے ہیں، کھجلی کی پرتیں الماس
 کی ظاہر ہوتی ہیں، ایسی آب و تاب رکھتی ہیں۔ یہ دیکھ کر سب ساحر تعریف
 کرنے لگے، اور ظلمات نے پوچھا کہ ”اے رکاب دار، تو کیا، ملکہ حیرت کا ملازم
 ہے۔“

رکاب دار نے عرض کیا کہ ”میں دھین دھو کر اشد میاں کا نوکر ہوں
 اور کسی کا نوکر چا کر نہیں۔ اور مجھے نوکر کون رکھ سکتا ہے؟ میرا سودا غریب کھاتے
 ہیں، اور غریبوں ہی سے ایک دو روپے مجھ کو مل جاتے ہیں۔ امیر کا تو نام ہی
 نام سن لو۔ بہ موجب مثل اونچی دوکان پھیکا پکوان، اور بہ مقتضای

ناہم امیروں سے پڑا ہے پالا

ہر دم کی خوشامد نے غضب میں ڈالا

وہ آپ تو کھالیں تھیں کیا دیں گے سحر

رذاق کوئی اور ہے دینے والا

آج آپ ایسے قدر داں کی بخشش کا شہرہ سن کر اپنی جو روکا گنا گروی کاٹھ
 کر کے مٹھائی وغیرہ بنالایا۔ اب قدر شناسی حضور کے اختیار میں ہے۔“

ظلمات اس تقریر کو سن کر ہنسا، اور کہا ”تو بڑا صاف گو ہے، کیوں نہ
 ہو، اپنے فن میں تو کامل ہے اور کا ملین نازک مزاج، عالی دماغ ہو اگر تے
 ہیں“ یہ کہہ کر کئی شیرفیاں انعام دیں۔

اس نے باقی شیرینی دسترخوان پر جو لوگ بیٹھے تھے ان کو بھی دی، اور
 آپ بھی کھائی ہر طرف سے شور و تحسین و آفریں، نسبت رکاب دار کے بلند ہوا،
 اور رکاب دار جھک جھک کر سلام کرنے لگا اس میں ایک شخص نے کہا
 ”میاں رکاب دار تمھارا نام کیا ہے؟“

رکاب دار نے بتایا کہ ”فدوی کو استاد چرب دست کہتے ہیں، اور

پکارنے کا نام خود دہر دے ہے۔“

یگوں نے کہا ”دونوں نام اسم باسم ہیں۔ کیا کہنا!“
ایک نے کہا ”دیکھیے، یہ مٹھائی کے طائر کیا عمدہ بنائے ہیں۔“
دوسرا بولا کہ ”کیوں میاں چرب دست، ایسا جانور بھی بنا سکتے ہو جو
اڑ سکے؟“

رکاب دار نے کہا، ”جناب آپ کو وہ مرغ بنا کر دکھاؤں جو گھر تک
اڑتا ساتھ جائے۔“

اس کلام پر سب نے قہقہہ لگایا کہ میاں چرب دست بڑے ظریف معلوم
ہوتے ہیں۔

ظلمات نے کہا، ”جو اہر میں تولنے کا آدمی ہے، لیکن ایسا شخص اور
مفلوک رہے۔ افسوس! سچ ہے۔“

اگر بہ ہر سر موت ہنر دو صد باشد
ہنر بکار نیاید چو نجات بد باشد
غرض کہ ایسی ہی باتیں بنا بنا کر وہ سب پکوان اور مٹھائی کھا گئے۔ بعد
فراغ دسترخوان اٹھا، ہاتھ منہ دھو کر سب نے گلو ریاں کھائیں۔ پیچوان
پینے لگے۔

(جلد اول)

بندہ ی ایسی ہوئی ہے اُدائی

(۱)

شہزادے (قاسم) نے دنیا کو فانی سمجھ کر تہیہ کیا کہ آج سامان عشرت
ہر طرح کا ہیا کر کے خوب عیش و نشاط میں بسر کیجیے کہ
بر لب جوئے نشین و گزر یم رہیں۔ اس اشارت ذہن گزراں مارا
اس کیفیت کو دل سے بخویز فرما کر میاں رہ بن عمرو اپنے عیار کو بلا کر ارشاد

کیا کہ "لشکر اسلام جہاں تک اترا ہوا ہے اس کی حد سے پانچ کوس بڑھ کر لب دریا خیمہ زلفیتی ہمارے لیے نصب کیا جائے، اور صحرا کے درختوں کو باد سے منڈھوا دو، کوسوں تک روشنی کرادو، اور باب نشاط حاضر ہو کر بجا کریں، آج جنگل میں ہم سیر شب ماہ دکھیں گے۔ خاطر حزیں کو شاد و خرم کریں گے۔" اس حکم کو سنتے ہی سیارہ نے انتظام کیا، ہزار ہا آدمی دوڑ پڑا۔ لشکر کی حد سے دور ہٹ کر دامن کوہ میں جنگل کو خار و خاشاک سے صاف کر دیا اور ایک کوہ پر سکوہ کا دامن جو نہایت وسیع اور فرح افزا تھا تجویز کر کے خیمہ ستادہ کیا۔۔۔۔۔ ایسے مقام دل کش میں آرام گاہ شہزادہ عشرت پناہ آنا کی، اسباب شاہانہ سیارہ نے ہتیا کیا۔۔۔۔۔ نہروں میں کنول بتوں کے روشن کر کے چھوڑ دیے، اور درختوں کو باد سے منڈھا، جھاڑ فرشی قد آدم ستادہ کیے، فرش شاہانہ لب نہر بچھایا۔ کنارے ہر چو بٹار کے سرو چراغاں کیا۔ مے خانہ ایک جانب سجایا، اور ایک سمت پینک جو اہر کا شہزادے کا لگایا۔ وہ و شان گل اندام آکر جمع ہوئے، اور دشت میں گائیاں دوپٹے کی باندھ کر چھلی چھلیا کھلتے تھے۔ مور نکھیاں اور بجرے چمنوں میں پڑ گئے۔۔۔۔۔ جل ترنگ ان پر بچنے لگا۔ اور ماتھنوں نے کہ جو ہنگے جو اہر کار پہنے تھیں، اور کڑے مگر دھان ہاتھوں میں رکھتی تھیں بجزوں کو کھینا شروع کیا، اور ہر سمت ناح کنارے کنارے ہونے لگا مقیش کترا ہوا اڑایا جاتا تھا، تاکہ فلک سے ٹوٹ کر گویا زمین پر کرتے تھے، مقشے اور رنگ کی پچاریاں چلتی تھیں۔۔۔۔۔

جب یہ جلسہ عشرت پیر جمع ہو چکا تو شہزادے کو اطلاع دی، قاسم لباس رنگیں پہن کر اور آرائش اپنی زرد گوہر سے فرما کر زینت بخش انجن ہوا، مسند چاہریں پر لب نہر آکر بیٹھا۔ سامنے رقاصان زہرہ صفت ناچنے لگے، اور اشعار عاشقانہ گانے لگے۔ ہوا کے بندھ جانے سے کیا سماں بندھا۔ وہ سنائے کا عالم اور صحرا کی فضا فرش زمردیں، سبزہ زنگاری پر چاندنی کا چھٹکنا اور کھیت کرنا عجب لطف دکھاتا تھا۔

زمین فرط صفا سے اور عکس سیارگاں سے فلک اطلس بن گئی ہے۔ پھولوں
کی خوشبو سے زمانہ ہلکتا تھا۔ ایسے وقت میں مہ رخوں نے اونچے سروں میں
لہک کر جو پھاگ گایا تو ناہید فلک کو دیوانہ بنایا۔۔۔۔

ساقی رنگیں لباس نے پیمانہ شراب ہوش ربا، برباد کن اساس تو بہ
دینا شروع کیا۔ دماغ بادہ ناب سے شہزادے کا گرم ہوا۔ خیال آیا کہ اس
وقت کوئی معشوق ہر دیدار اگر پہلو میں ہوتا تو بہتر تھا کہ

چمن ہے، ابر ہے، کھندی ہوا چلتی ہے، دریا ہے

فقط اک تیری جا اے ساقی گلغام باقی ہے

اس تصور کے آتے ہی عجب اتفاق ہوا۔ یعنی یہاں سے کچھ دور پر
قریب سرحد طلسم ہوش ربا ایک پہاڑ ہے کہ نام اس کا زگس کوہ ہے۔ اور
حوانی کوہ میں ایک شہر آباد ہے، اور قلعہ مستحکم بنا ہے، حاکم شہر کا زنا بلاقن
جادو نام مصاحب خاص افراسیاب شاہ جادواں ہے اور ہمیشہ دربار
افراسیاب میں اندر طلسم ہوش ربا کے رہتا ہے۔۔۔۔ اس لیے زوجہ اس کی
ملکہ خنظل جادو سریر جہاں بانی پر بھی ہے، اور انتظام سلطنت کرتی ہے
اور ایک دختر اس کی ہے کہ حسینان جہاں کو حسن اس کا غیرت دلاتا ہے، او
یوسف مصری کو غلام بناتا ہے۔ یاد میں اس کی لعبتان روزگار، زلیخا کردادا
سودے کا حلل سر بازار خریدتے ہیں۔ اور مجنون و لیلیٰ دارادھر ادھر صحرا
بہ صحرا پھرتے ہیں۔ نام اس رشک گلزار کا ملکہ زگسی چشم ہے۔ مثل ماہ سپر
کے سرخ السیر دہتی ہے یعنی کوہ، دشت و بحر کی سیر کرتی ہے آج کی شب منع
کنیزان خورشید اور وزیر رادی سوگند جادو سے تخت سحر تیار کر اگر سیرکناں
اپنے باغ سے روانہ ہوئی اتفاق سے اس طرف پہنچی کہ جہاں قاسم نے جلسہ
کیا ہے، سامان عشرت ہیا ہے۔ صدائے ارغنون اور صوت قانون اور
حسن بتاں اور مشعل چراغاں کی کیفیت دیکھ کر چاہا کہ اس جلسے میں جا کر
بہ تفصیل جملہ سامان مشاہدہ کروں۔

لیکن سوگند نے منع کیا کہ ”اے ملکہ، غیر صحبت میں جانا اچھا نہیں،

لازم ہے کہ سامنے اس جشن کے آپ بھی اتریں ٹھہریے اور میں بہ زور سحر فرش
 شام نہ اور اسباب ملو کا نہ حاضر کروں۔ ناچ دیکھیے، انجن ارے انبساط ہو جائے۔
 جو کوئی اس محفل خلد مشاغل کا بانی ہو گا وہ یقین ہے کہ آپ کا حال دریافت
 کرے، اور حضور کے جلسے کی طرف آئے، پھر اس وقت پیام و سلام ہو کر
 سارا حال منکشف ہو جائے گا، اور جہاں آپ جاتی ہیں وہ خود آئے گا۔
 ملکہ نے یہ کلام سن کر وزیر زادی کی راے کو پسند کیا، اور سوگند نے تخت
 زمین پر اتار کر ایک مقام پاکیزہ و مصفا پسند کر کے ایسا سحر پڑھا کہ وہ مقام
 پر خار رشک لالہ زار بنا، اور گلستان عشرت پر اتیار ہوا۔۔۔۔۔ جب اس
 سامان عشرت اتھا اور جائے فرحت افزا کی درستی اور انتظام ہو چکا، لب نہر
 وہ سر و خراماں مسد پر زریں جلوہ کناں ہوئی، اور کنیزیں سارے کر بجانے
 لگیں، غزل ہائے عاشقانہ گانے لگیں کہ

وہ بے کس ہوں نہیں ہے کوئی میرے غم گساروں میں
 رہا اک دل سودہ بھی ہے تمہارے جاں نثاروں میں
 ترا ابھرا ہوا جو بن یہ ان کو گد گداتا ہے
 کہ بوٹے جاتے ہیں مارے سنہی کے پھول ہاروں میں
 نظر ہے آئینے پر مانگتے ہیں عکس سے بوسے
 وہ خود اپنے در دولت پہ ہیں امیر وادوں میں
 رہے ہم زخمیوں کی قبر میں یارب کوئی روزن
 مزے مر کر بھی اٹھیں چساندنی آئے مزاروں میں
 امیران سے نہ بچتی دخت رزائیکھوں میں پی جاتے
 جوانی کا گزر شاید نہیں پرہیز گاروں میں

قاسم کے سمع ہمایوں میں گانے کی صدا آئی۔ مسد سے اٹھ کر میدان
 میں آئے۔ از بس کہ چاندنی بھیلی ہوئی تھی، دور اک جلسہ مہ جبینوں کا نظر
 آیا۔ عقل حیران ہوئی کہ الہی یہ پریاں ہیں یا حوران جناب ہیں، یہ کیسا عشرت
 کا سامان ہے۔ آخر دل نے کہا اس جلسے کو قریب سے دیکھیے یہ سوچ کر اسی

سمت کا راستہ لیا، جب نزدیک اس انجمن رشک دہ انجم کے پہنچا یہ عالم نظر آیا کہ

سا منے اک نگار کو پایا بوستاں میں بہار کو پایا
بلور کا اک چہو ترہ خوب اک حوض بھی اس کے آگے محبوب
اس پہ تخت اور تخت پہ حور یعنی اک نازنین مغرور
گرد حلقہ کیے کنیریں سب چاند کے گرد جس طرح کوکب
باغ کی سیر کوئی کرتی ہے کوئی انگیا میں پھول دھرتی ہے
کوئی گل رو ہے محو گل بازی کوئی دکھلا رہی ہے طنازی
گل بدن اک کھڑی ہر زیر شجر ہے لب نہر اک بری پیکر
کوئی جھولے پہ بھی گاتی ہے کوئی طنز سر لگاتی ہے
کہیں کوئی بجا رہی ہے ستار خوش گلو کوئی گارہی ہی ملار
ذائقہ دل میں سب کی سب ہم سن جھانکنے تاکنے کے ان کے دن
بے حجت بات وہ نہ کرتی تھیں اپنی چالاکیوں پہ مرتی تھیں
ان کا مارا نہ مانگتا پانی سچ تو یوں ہے جوانی دیوانی
بیچ میں ان کے ہے وہ ماہ لقا حور پر یاں ہوں حق دل کذا
نازنین، نوجواں خیس، کم سن مار رکھنے کے عاشقوں کے دن
فکرت دہر قسامت رعنا چال دم بھر میں حشر کر دے با
الایحق اس صنم زیبا صورت کی شکل کو دیکھ کر کیوں کر کسی دل کو قرار ہے
کہ جس کے عکس رخسار نے روشنی طلیعہ سحر کر دی ہو، اور جس کے رنگ زلف
تاب دار نے عالیہ فروش شام کی ظلام سے مدد کی ہو۔ سپہر مینائی نے نظیر
اس کا سوا ہے آئینہ ہر کے اور کہیں نہ دیکھا تھا اور نقش بند خیال نے مثال
بے نظیر کو اس کے سوائے عالم خواب کے اور کہیں نہ پایا تھا.....
قاسم بیک نگاہ اس رشک ماہ پر شیفہ ہوا، اور بہ آواز بلند پکار
کر اس رباعی کو پڑھا کہ
ہم نچیوں کر نہ آہ و نالے کرتے ہی رہے

دکھ پر دکھ کس طرح نہ بھرتے ہی رہیں
 اتنے ہی لیے جہاں میں جرات تھم تو
 جیتے ہیں کہ تا کسی پہ مرتے ہی رہیں
 اس صدر کو چند کینز ان ملکہ نے سنا، اور آئینہ رخسار شہزادہ
 عالی تبار کو دیکھ کر اپنے تئیں حیران کار بنایا، لیکن بہ راہ ناز و انداز ان
 شوخ چشموں نے دو پٹے سے منہ چھپایا اور "اوئی اوئی" کر کے سامنے
 سے بھاگیں، اور اپنی ہم جولیوں سے اٹھلا اٹھلا کر ہاتھ ماتھے پر رکھ کر، انگلی
 دانتوں میں داب کر گویا ہوئیں کہ

ملک قاسم کی اس جا پا کے آہٹ
 لگیں دکھلائے سب واں چلبلاہٹ
 خجالت کے سینے میں کوئی غسرق
 جھجک کر بن گئی آنکھوں سے جوں برق
 کوئی بولی: "بھلا لازم یہ کب ہے؟
 یہ کیسا دن دہاڑے ہو غضب ہے!
 نہ جس سے واسطہ، نہ جان پہچان
 وہ آیا بن بلائے کھر میں مہمان
 ڈھٹائی دیکھ کر اس نوجوان کی
 میں اپنے دل میں یہ حیراں ہوں باجی
 یہ ہے کون، اپنے دل میں کیا ہے سمجھا؟
 جو اس جگہ میں تنہا اس طرف آ
 کھڑا ہے کھوڑتا ایسا نڈر ہو
 ذرا اس کے کلیجے کو تو دیکھو!
 کوئی بولی: "ہوئی ہے عتس کچھ گم
 زمانے میں نہ کھس آنا کہیں تم!
 اجی نخرے کی خوبی، داہ جی و او!"

قیامت گرم ہو، افسدہ اللہ؟

اس گفتگو کو سوگند وزیرزادی نے سن کر کنیزوں کو گھر کا کہہ کر اے
 مستانیو یہ کس سے ایسی باتیں کرتی ہو؟

لوٹدیوں نے عرض کیا۔ ”دیکھئے یہ سامنے کون کھڑا ہے، اوئی مردوا
 کیسا ڈھیٹ ہے کہ کس سے بھی نہیں ہٹتا۔“

قاسم یہ باتیں سن کر ہنس کر گویا ہوا کہ
 ”ہم چاہیں تو در توڑ کے درانہ در آئیں
 پردہ لیے بھی رہے دیوار تھپارا“

سوگند نے کہا ”کیا کہنا، آپ ایسے ہی ہیں۔ مگر یہاں کوئی ادراتی نہیں
 ہے۔ یہ باتیں کسی اور جگہ جا کر کیجیے۔ ہم پر ہر بانی رکھیے۔“

خلاصہ کلام اس تکرار کے ہونے سے ملکہ نے بھی آواز سنی، اور بولی کہ
 ”ارے یہ کیا ہے جو سب ایک جگہ غول باندھے کھڑی ہو، اور جھپتی ہو۔“

ایک کنیز نے جواب دیا کہ ”حضور یہاں مردوا گھس آیا ہے۔“

ملکہ بھی اٹھی کہ میں تو چل کر دیکھوں، اور وہاں آئی کہ جہاں شہزادہ کھڑا
 تھا۔ ملکہ کی نظر اس کے جمال جو رتمثال پر جوڑی اک تیرکمان خانہ عشق کا
 کھایا، اور اس شہ سوار حسن کے ناوک مژگاں کا اپنے دل وحشی کو نشانہ
 بنایا، خنجر جانتاں ابروان پر خم نے حلال کیا، اور تیغ ادا و ناز نے ایک ہی وا
 میں تسمیہ بھی لگانہ رکھا، عقل و ہوش کا فیصلہ کر دیا۔ دیکھا کہ ایک محبوب لاثانی
 جس کی آنکھیں جوانی ہے، آفتاب رخسار ہے، گلشن خوبی کا گل پر بہا رہے،
 اگر مردم چشم شب تار ایک میں رخسار روشن اس کے دیکھیں تو یقین کریں کہ
 صبح صادق تنق افق مشرق سے طالع ہوئی ہے، اور اگر دیدہ روزگار پردہ
 شب دیو میں اس پر نظر کرے تو نے شک جانے کہ آفتاب جہاں تاب
 کی روشنی پھیلی ہے۔ عارض گلگوں مثل گل سیراب، اور خطر رخسار مثل سنبل
 کے پرچ و تاب یہ معلوم ہوتا تھا کہ نقاش حکمت نے دائرہ عنبر پر کار قدرت
 سے صفحہ عذار پر کھینچا ہے، یا کشت کاری دہقان فطرت سے سبزہ کنارے

آب حیات کے اگائے

ملکہ تھراگری، غنیش کرگئی اور شہزادے کا بھی یہی نقشہ ہوا۔ سوگند نے دونوں کو گلاب و کیوڑہ چھڑک کر ہوشیار کیا۔ جب آنکھ شہزادے کی کھلی ملکہ بھی ہوشیار ہو کر پاس کھڑی تھی۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا۔ ملکہ نے شرمارا سر جھکایا آخر دونوں خراماں خراماں آکر مسند پر بیٹھے۔

لیکن وہاں جب سیارہ نے دیکھا کہ سارا جلسہ جمع ہے، لیکن شہزادہ نہیں ہے ہر سمت نگراں ہوا۔ کچھ دور پر چند بیویوں کو صحبت آرا دیکھ کر یہ بھی اسی سمت چلا۔ قریب پہنچ کر شہزادے کو پاس ایک مہجین کے پیٹھے پایا، اور وزیر زادی کو اس پر ہی کی مصروف انتظام دیکھا۔ سیارہ اس پر عاشق ہوا۔ اور پاس اپنے شہزادے کے آکر پہنچا۔

سوگند نے جو اس کی صورت کو دیکھا اذ بسکہ یہ بیٹا مڑو کا ہے اور خواجہ کا حلیہ اکثر بیان کیا گیا ہے، اس وجہ سے اس کی بھی صورت ویسی ہی دہلی اور لائونٹل موش و صحرائی کے ہے، سوگند نے قہقہہ مارا اور خوب منہنی ملکہ سے کہا "حضور ذرا پیچے آپ کے سر پر بن مانس آکر کھڑا ہوا ہے" سیارہ نے کہا: "مجھے تو سب میل اور جنگل کے درختوں پر سے پھتینا اتر کر بیٹھی نظر آتی ہیں۔"

اس کلمے پر سب نے قہقہہ لگایا، اور شہزادے نے سیارہ کو بھلایا۔

شریک بزم کیا۔ اسی صبح ملکہ نے سوگند کے اشارے سے شہزادے کو جام مئے ارغواں بھر کر دیا۔ شہزادے نے ارشاد فرمایا کہ "گل بوستان خوبی و اختر سپہر محبوبی تم شمع کس انجمن دل افروز کی ہو؟ اپنا نام نامی ظاہر کرو۔ اور اپنے دین دائین کا پتہ بتاؤ۔ اگر مذہب اسلام رکھتی ہو گی تو ہم یہ شراب نہیں گے اور نہیں تو ہم کہاں اور تم کہاں؟"

ملکہ نے یہ کلام شہزادہ عالی مقام سن کر کہا: "آپ اپنا نام بتائیے مجھے تو تمام عالم جانتا ہے کہ ملکہ نرگسی چشم ہوں۔" اور تمام کیفیت اپنی

شہزادے نے جب سارا حال سنا فرمایا کہ ”مجھے قاسم بن علم شاہ بن حمزہ صاحب قراں کہتے ہیں، اور ہم لوگ غیر ملت و مذہب والے انسان سے محبت نہیں کرتے۔ اگر ہماری دوستی درکار ہے تو سحر سے توبہ کرو اور تقا و دیگر خداوندان باطل پر لعنت بھیجو، کیونکہ یہ سب مخلوق ہیں اور خالق وہی ایک وحدہ لا شریک ہے۔“

حمد الہی کو شہزادے نے اس طرح بدستیاری خاصہ زباں لوح سینہ ملکہ پر ترقیم فرمایا کہ سیاہی باطل پرستی کی ورق خاطر سے دھو گئی۔ نام معبود حقیقی سن کر مسرور ہو گئی شہزادے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر بولی کہ ”صاحب تم خفا نہ ہو۔ میں سحر تو بالکل نہیں جانتی ہوں۔ لیکن تقا اور جیشید وغیرہ کو مانتی ہوں۔ آج سے ان موٹدی کاٹوں پر بھی لعنت کروں گی۔“

شہزادے نے جب اس کو راضی پایا، کلمہ طیبہ بتایا۔ ملکہ کلمہ پڑھ کر مع کنیزوں اور سوگند کے مسلمان ہوئی۔ پھر تو شہزادے نے جام بادہ احمر ملکہ کے ہاتھ سے لے کر پیا۔

دور جام دادم، پے در پے چلنے لگا، اور سوگند کو سیارہ نے چھیرنا شروع کیا، اور کہنے لگا کہ ”اے ملکہ، آپ کی وزیرزادی مجھ کو اشارے سے ہلاتی ہے کہ پہاڑ کے درے میں چل کر ہم تم ہم آغوش ہوں۔“

سوگند نے جو یہ کلام سنے سیارہ پر ایک دو ہتھ مارا کہ ”موے مر جیا، جن خدا تجھے غارت کرے، جھوٹے، نو صاحب، بھلا ایسی میری کیا کھاٹ کٹی تھی جو اس سے اشارے کرتی۔ میں تو اس سے لوطا بھی نہ اٹھواؤں۔ موائے اپنے جو صلے نکالتا ہے۔ ارمان پورے کرتا ہے۔ جو انا مرگ تو اسی ہوس میں رہے گا، میں کبھی تھوگوں گی بھی نہیں۔“

سیارہ نے کہا: ”منہ سے یہ باتیں سب کے سنانے کو کرتی ہو اور اپنے ہاتھ سینے سے لپٹا کر اشارہ کرتی ہو کہ یوں گلے سے لگاؤں گی۔“

اتفاق سے اس وقت سوگند کے ہاتھ سینے سے لپٹے تھے اس کے کہنے

سے اس نے ہاتھ ہٹائے۔ ساری محفل اس حرکت پر مارے منہی کے بوٹ گئی،
اور سیارہ نے سب کی آنکھ بچا کر چمکی لے لی۔ سوگند پھر کو سننے لگی۔
سیارہ نے کہا: ”دیکھیے میں بولنا نہیں چاہتا ہوں۔ یہ رنڈی بڑی متا
ہے میں جو اس کے اشاروں کو نہیں مانتا ہوں، اور اس کو پسند نہیں کرتا تو یہ مجھے
کو کستی ہے۔“

خلاصہ کلام ایسا اس کو ستایا کہ رو دی اور کھسیانی ہو کر ماتھا کوٹ لیا کہ
”ہائے اللہ، میں کیا کروں!“ اور ملکہ سے کہا: ”حضور اللہ کی قسم منع کیجیے نہیں
ہزاروں بھوک سنا کر ایسے تیسے کو رکھ دوں گی۔ یہ دل لگی اپنی ماں بہن سے
کرے۔ اپنے دل میں سمجھا کیا ہے؟“

شہزادے نے سیارہ کو منع کیا، جب وہ چپ ہو رہا، سوگند اس کا طرف
دیکھ کر منہی، اور منہ چڑا کر دوپٹے کی آڑ کر لی۔

سیارہ نے ملکہ سے کہا: ”حضور آپ نے دیکھا؟“
ملکہ نے کہا: سچ تو ہے رنڈی، تو آپ اشارے کرتی ہے، اور کھلی جاتی
ہے۔ اس بچارے کا نام بدنام کرتی ہے۔“

غرض کہ اس مذاق میں رات تھوڑی رہی، اور ہر ایک مست و بے خود
ہو گیا۔ شہزادے نے سیارہ سے کہا: ”آج تم کچھ گاؤ، دل بہلاؤ۔“

سیارہ نے ساندے کر ایسا بجا یا اور ایسا گایا کہ اہل انجمن کو دیوانہ بنایا۔
وہ گچھلی رات کا سماں، چاندنی شبنم کے گرنے سے خوب صاف ہو گئی تھی،
روشنی جھللا کر گل ہو گئی تھی، کہیں کہیں جو چراغ جلتا تھا وہ بھی بارخ زرد لہرا
رہا تھا۔ چکور چاند پر دوڑتے تھے۔ پہاڑ پر طاؤس زلیں ناچتے تھے، تدر و
کھساری کے تھقے بلند تھے، نازنینوں کے جسم میں بھولیوں کی ہلک آتی تھی
رات بھر کے نشے کا خمار تھا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے نشے کے پڑے تھے۔
نیند کا خمار تھا۔ جھائیاں لیتے تھے۔ پروانوں کے پر لگن میں شمع دانوں کے ڈھیر
تھے۔ فرش میں جھول پڑ گیا تھا۔ اس وقت ملکہ اور شہزادے میں باہم بوس و
کنار شروع ہوا، اور سوگند سے سیارہ مختلط تھا، کینز میں رو بہ رو سے ہٹ گئی

تھیں۔ شیدائے یک دگر باہم لپٹے تھے.....
 ماتھے کی افشاں اور لبوں کی مستی چھوٹ گئی، چوہیاں مسک گئیں، پانچامے
 میں چرسیں پڑ گئیں، سوائے وصل ہونے کے کوئی دقیقہ اٹھ نہ رہا۔ پھر ذرا ہر ایک
 کو ہوش آیا۔ سیارہ کو سامنے طلب فرمایا۔ سو گند بھی خلوت سے سامنے ملکہ کے
 آنی دیکھا تو بال سر کے کھلے ہیں، رخسار پر نشان بوسوں کے ہیں، کرتی اوپر چڑھ گئی ہے
 پانچے چھوٹے ہوئے چھپے زمین پر گھسٹتے چلے آتے ہیں، آنکھیں ندامت سے نیچی
 ہیں۔ عرض کہ اسی طرح جب یہ دونوں دوبہر وائے شہزادے نے فرمایا کہ ہاں
 اے سیارہ!"

اس نے پھر گانا شروع کیا..... آخر اس ہنگامہ عشرت میں اور جھلست
 میں وہ رات تمام ہوئی..... عاشق و معشوق کی جدائی کا زمانہ آیا۔
 وہ نور کا ٹرکا، جانوروں کا آشیانوں سے اترنا، اور سورج کی کرن کاٹنا
 سے پھوٹنا درختوں کے سبز سبز پتوں پر سنہرا پن آنا یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید بہار
 نے طلائی زیور زیب قامت فرمایا ہے، چشموں کے کنارے مرغابی و سرخاب و
 بوتیاں و قاز و کلنگ ہوا سے ٹوٹ کر گرتے تھے، غوطہ بازی و کلیں کرتے تھے۔
 اور ہر قسم کے طائر اشجار پر بہار میں بیٹھ کر زم زمہ سرائی کرتے تھے۔ بیل شوریدہ
 کا شور تھا..... ایسے وقت پر بہار میں اور سامان فرحت انتہا میں معشوق
 کا جدا ہونا ہائے کیا غضب کا سامنا تھا کہ

ہم کو نہ کوئی سنائے اس کا جانا ہے اپنی تو موت ہائے اس کا جانا
 آمد ہی بہ جس کے جی چلا جاتا تھا اب دیکھیے کیا دکھائے اس کا جانا
 ملکہ اور شہزادہ دونوں مل کر رونے لگے۔ قاسم نے کہا: "اے ملکہ کبھی بھی
 مزار پر ہم غریبوں کے بھی آنا، اور دو پھول چڑھا کر غنچہ دل کھلا جانا۔"
 ملکہ نے کہا: "اے مونس جاں نواز، میں آج رات کو پھر اسی مقام پر
 آؤں گی۔ پھر سنگ مفارقت سینے پر رکھ کر ہم دونوں بسر کریں، شام موصلت
 کی راہ دیکھیں.....
 ملکہ روتی ہوئی تخت پر بیٹھ کر مع کنیزوں کے روانہ ہوئی۔ لیکن جانے وقت

بہ چشم اشکیا روہ بے قرار یہ کہتی تھی کہ

آتشِ جو غم کی جو دل جلا خاک ہوا اور جل کے جگر بھی اب مرا خاک ہوا
جوں شمع ملا نہ کچھ بجز سوزِ فراق حاصل ہیں عاشقی میں کیا خاک ہوا
قاسم نے بہ منت کہا "اے شمع محفلِ خوبی دے رونق بزمِ محبوبی، آج کی شہ
ضرور اپنے جمالِ نورانی سے چشمِ تیرہ عاشق زار کو منور کرنا، اور اگر آنے میں ذرا بھی
تغافل ہوگا تو بہ مقتضائے

گر شکل نہ اپنی تو دکھا جاوے گا تو مجھ کو غمِ فراق کھا جاوے گا
ایسا ہی بچم غم ہے تو تن سے مرے گھبرا گھبرا کے بھی چلا جاوے گا

(۲)

دلقا کو شکست دینے کے بعد قاسم شام کو پھر محفل جاتا ہے، اور ملکہ کے
انتظار میں بے چین ادھر سے ادھر ہلتا ہے۔

وہ جو..... یادِ خنجرِ ابرو سے دلدارِ دل میں لے کر روانہ ہوئی کچھ
عرصے میں اپنے باغ میں کہ جو بیرونِ قلعہ زکس کوہ ہے پہنچی، لیکن کئی روز سے
اپنی ماں کے پاس نہ گئی تھی۔ اس باعث سے خنظل جادو اس کے دیکھنے کو باغ میں
رات سے آئی ہوئی تھی۔ اس وقت ملکہ کو جو اس نے آتے دیکھا، ملکہ نے بہ ادب
تمام سلام کیا۔ ماں نے اس کو بہ غضبِ عتاب و خطاب کیا کہ "افوہ! چھو کری
خوب اب تو ہوائی دیدہ ہوئی ہے، رات رات بھر غائب رہتی ہے۔ نہ گھر کا
خیال نہ کچھ دین و دنیا کی فکر۔ دس دس روز باغ میں اکیلے رہنا، اور ہر جگہ
مارے مارے پھرنا۔ سچ بتاؤ کہاں گئی تھی؟"

ملکہ نے یہ کلمات نصیحت آگے سن کر جواب دیا کہ "امی جان کے سر کی قسم
میں کوئی کوس بھر پر ایک صحرا میں چاندنی کی بہار دیکھتے دیکھتے سو گئی، اب کچھ صبح کو
کھلی نہیں تو رات ہی کو چلی آتی۔"

خنظل اس عذر کو سن کر خاموش تو ہو رہی لیکن طور لڑکی کے بڑے ڈھب
دیکھے کہ رنگ چہرے کا قفق ہے، بچی کھچی معلوم ہوتی ہے، پیر کیس ڈالتی ہے پڑتا
کیس ہے۔ رات ہی بھر میں چھائیاں ابھرائی ہیں جیسے کسی مرد کا ہاتھ لگا ہے

دیدہ ہوئی ہے، آنکھ کا پانی مر گیا ہے، چار طرف آنکھیں چکر مکر چلتی جاتی ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کو ڈھونڈتی ہیں یہ کیفیت سمجھ بوجھ کے کنیزوں سے علاحدہ جا کر دھمکا کر ڈرا کر، دم دلا سا دے کر پوچھا کہ ”سچ بتاؤ ملکہ کہاں گئی تھی۔“

کنیزیں سب رفیق ملکہ کی تھیں۔ وہ لگتیں قسمیں کھانے کہ ”ہمیں اپنے دیدہ کی قسم، شہزادی سوائے حنظل کی سیر دیکھنے کے اور کہیں نہیں گئیں۔“

حنظل سمجھی کہ یہ سب چربانک ہیں، ایسی باتیں نہ بتائیں گی، لیکن کچھ دال میں کالا ہے۔ آج سے اپنی لڑکی کو کہیں جانے نہ دینا چاہیئے۔ اس کا کچھ سوچ کر بیٹی کو اپنے گلے سے لگایا اور کہا ”بابا میں تمہارے بھلے کو گنتی ہوں۔ منگنی تمہاری ہو گئی ہے، اب تم پر اے گھر کی ہو، دو ٹھٹھا تمہارا جو سنے گا تو کیا کہے گا؟ گھر سے کہیں جایا نہ کرو یہیں سیر تماشا کیا کم ہے۔ جو چاہو وہ سب سامری کی عنایت سے موجود ہو جائے۔ بیٹیا میں نے تو کبھی تجھ پر تانس کی نہیں۔ ڈھیلی رستی چھوٹے رکاب پر اب دنیا کی باتیں سن سن کر ہول آتی ہے، دیکھو نا! مہ جہیں نے کیسا نام شہنشاہ ساحراں کا روشن کیا ہے! اس پر عاشق ہو کر اپنے تئیں ستیا ناس کیا سلطنت چھوڑی، چین عیش تجا، دین و ایمان برباد کیا، مجھے دھڑکا ہے کہ شکر مسلمانوں کا یہاں سے قریب اترا ہوا ہے اور وہ لوگ نگوڑے خوب صورت بہت ہیں، پھر تم جانو جو انی تو دیوانی، ایسا نہ ہو پاؤں کہیں اونچ نیچ پڑے تو میری رسوائی کیسی ہو۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ جب تک یہ موئے سلمان یہاں سے دفان نہ ہو پس تم کہیں جایا نہ کرو۔ بیٹا تم کو کرنا کیا؟ نام خدا تم خود سمجھ دار ہو۔ ان باتوں کو کرہ میں باندھو۔“

ملکہ یہ کلام سن کر رونے لگی۔ اور کہا ”خوب گھم گھم میں آپ نے مجھے بدکا بنایا۔ میرے جانے کی جلن تو سب کو تھی، یہی ہر ایک کو مولا تھا کہ ہے بے ملکہ اس طرح برا جتنی پھرتی ہے، آخر دشمنوں کی مراد پوری ہوئی۔ اب تو وہ کھلی کے چراغ جلائیں کہ میرے مدعی قید ہوئے۔ یا سامری، جو میرا برا چاہتے ہوں ان کا دونوں جہان میں منہ کالا ہو اور جو میری لگائی بچھائی کرے وہ اپنی جوان جوانی سے جائے۔ دیدہ کھٹنوں کے آگے آئے۔ اپنی اولاد سے پائے۔ وہ بھی قید ہو۔

موسے کے پاؤں میں ہتھکڑیاں پڑیں۔ دنیا سے کھینچا جائے، اس کے گھر میں مری کے جھا جھنکارا ہمیشہ کرے، اس کی بھتی پکے، جو مجھے بدنام کرے، بدکار بتائے، ایک اس کا نام لیوا اور پانی کا دیوانہ رہے۔

غرض جب ملکہ نے دوپٹہ اٹھا کر، گود بھیل کر کو سنا شروع کیا۔ حنظل نے اس کو گھر کا کہ "چل چپ! ٹر ٹر چلی جاتی ہے۔ خبردار، اب کہیں قدم نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔"

ملکہ اس کے غصے کی آنکھ دیکھ کر چپ ہو گئی، اور دیدار معشوق کے دیکھنے سے ناامید ہوئی۔ دریا آنکھ سے اشکوں کا اٹھا، سرشک غم نے طوفان برپا کیا۔ وہ رات کا مرہاجو دل میں سمایا تھا اور پہلے پہل دل لگایا تھا، عنان تو سن صبر و قرار ہاتھ سے چھوٹ گئی کہ

سماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا مرادل میں سارا سمایا ہوا
اٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب نہ ہو وصل تو دل کو ہو اضطراب
نئی بات کا لطف پانا غضب وہ پہلے پہل دل لگانا غضب

ماں سے کہا: "چاہے میری جان جانے یا رہے، مجھے تو سیر کا لپکا ہے، گھر میں گھٹ کر تو نہ بیٹھوں گی۔ سیر کو ضرور جاؤں گی۔ یہی نہ ایک جان ہے، چاہے خدا لے چاہے بندہ۔ آپ مجھے کاٹ بھی ڈالے گا تو میں بغیر جائے نہ رہوں گی۔ اور جن لوگوں نے آپ کو بھڑکایا ہے انھیں میں خوب جانتی ہوں۔ پھر اچھا، کیا ہوگا؟ میں انھیں دن رات پھر کر جلاؤں گی۔ یو صاحب، یکا یک جو میں بیٹھوں تو لوگ کہیں گے کہ زکسی چشم کہیں کسی کے ساتھ پکڑی گئی، ماں نے دبوں دبوں کر کے عیب کو چھپایا، مگر بیٹی کو نکلنے نہیں دیتی ہے۔"

یہ کہہ کر رونے لگی، اشکوں سے منہ دھونے لگی، ماں کی محبت، آخر رحم آگیا، اور ایک آدھ بڑی بوڑھی انیس بول اٹھی کہ "ہاں بی بی سچ تو ہے۔ اب لڑکی کا لہو پانی ایک کرنا بے کار ہے پہلے تو اس کو چسکا اکیلے دکیلے رہنے کا، ہر کہیں پھر کا ڈال دیا۔ آج روکے سے کیا ہوگا؟ یہی نہ کہ کوئی آزار دشمنوں کو لگ جائے گا، اور کوئی مرض اٹھ کھڑا ہوگا۔ مثل مشہور ہے، اگر بہ کشتن روز اول۔"

یہ تقریر سن کر حنظل بولی کہ ”اچھا یہ سیر کو جب جایا کرے تو ملکہ حمامہ جادو اپنی دایہ کیساتھ لے لیا کرے، اور حمامہ کو بلا کر حکم دیا کہ ”آج سے لڑکی تمہارے سپرد ہے جہاں کہیں جائے سائے کی طرح اس کے ساتھ رہنا۔ خبردار اکیلا نہ چھوڑنا، نہیں میں بری طرح پیش آؤں گی۔“

یہ جو ملکہ نے سنا اپنا حال بتا ہ کیا، اور جواب دیا کہ ”مجھ سے یہ قید فرنگ نہ اٹھی ہے اور نہ اٹھے گی۔“ یو صاحب، دائی مجھ پر گرد راہ ہوں گی، میں تو ماں کا دباؤ سہتی نہیں، دائی جو میرے ساتھ رہیں گی اور ہر بات میں پٹ پٹ بولیں گی، پھر مجھے کہاں تاب ہوگی، میں بھی کچھ کہوں گی تو نگوڑ ماری بدنام ہوں گی۔ اس سے میں درگزی، پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ ایسی بے اعتبار میں ہو کہ دائی کیلے لیے پھروں، بھاڑ میں جائے سیر چوٹے میں جائے تماشہ، میں اپنی جان دوں گی، کہیں نہ جاؤں گی، اور جاؤں گی تو اس بڑھیا نگوڑی کو نہ لے جاؤں گی۔“

ماں نے جو یہ باتیں سنیں تو کہا ”اگر تو اکیلی جائے گی تو مار مار کے تیرا کچھ کر نکالوں گی۔ یو، موٹی مجھ سے بھی خیرے بگھارنے لگی۔ ایسی خود مختار ٹھہری کہ کوئی بڑا بوڑھا واقف کار اس کے ساتھ نہ رہے۔ خواہ تیرے لیے کچھ ہی کیوں نہ ہو، تو جیسے یا مرے، مگر دایہ ضرور ساتھ رہے گی۔“

قصہ کوتاہ، ملکہ نے لاکھ لاکھ زور مارا کہ اکیلے جانا ملے، مگر ممکن نہ ہوا۔ اور دایہ کے لیے ایک صحیحی میں اس کی ماں نے بنگ بھجوا دیا۔ وہ حفاظت کے لیے وہاں فروکش ہوئی، اور حنظل وہاں سے قلعے میں چلی گئی۔

اب ملکہ کو بالکل ملنے سے محبوب کے پاس ہو گئی، اور وہ باغ اس کو زندہ خانے سے بدتر ہو گیا۔ بے قرار ہو کر حین میں سب سے الگ جا کر ٹہلنے لگی....

یہی اندوہ والہ سو گند پر مفارقت سیارہ میں طاری تھا.... اسی بے تابی میں ملکہ کے پاس آئی، اور اس کو رنجیدہ دل، کبیدہ دیکھ کر گرد پھری، تصدق ہوئی۔ اور عرض کیا کہ ”حضور، دن تھوڑا باقی ہے۔ حمام کیجیے، پوشاک بدلے، اپنی آرائش و زیبائش میں مصروف ہو جیے۔“

ملکہ نے آہ سرد بھر کر فرمایا کہ ”ہ“

صورتِ انگرہ میں جڑ سوختن کیا چاہیے
 تن پہ غیر اندھا خاک اپنے پیرہن کیا چاہیے
 رنج ہے راحت سے بہتر دے دریاں خوب
 ہم ہیں عاشق ہم کو جڑ رنج و محن کیا چاہیے
 سوگند نے کہا: "حضور، آپ چلنے کی تیاری تو فرمائیے۔ خداوند کریم کوئی
 صورت معشوق سے ملنے کی بھی پیدا کر دے گا۔ میں آپ کو جس طرح بنے گاے چلیں
 گی۔"

ملکہ اس کلام سے مثل گل کے شگفتہ خاطر ہوئی، جان تازہ قالب میں آئی
 اور گویا ہوئی کہ

"خرم آں روز کز بس منزل ویراں بردم
 راحت جاں طلبم و زینے جاناں بردم"
 سوگند نے کہا: "اے ملکہ، اس دائی کو قریب شام شراب میں بے ہوشی
 پلا دیجیے اور غافل کر کے چلیے۔ صبح نہ ہونے پائے کہ پھر آئیے، کوئی کانوں کان
 واقف نہ ہوگا۔ ہمارا آپ کا مقصد پورا آئے گا۔"
 ملکہ یہ تدبیر معلوم کر کے پھر کنگھی، اور کہا: "واہ واہ، صد آفریں کیا
 خوب تدبیر سوچی۔" پس اسی وقت حمام گرم کرا کے ہنادھو کر باہر آئی۔
 جب خوب آراستہ ہو چکی، کنیزوں سے فرمایا: "آج ہم کہیں نہ جائیں
 گے، ہمیں جلسہ جمائیں گے۔ شراب و کباب لاؤ، درباب نشاط کو بلاؤ، اور
 دایہ ماں سے کہو یہاں آکر بیٹھیں میرا پرہ دیں، ایسا نہ ہو میں کسی یار کو بلا
 لوں۔"

حسب ارشاد جملہ سامان ہیا ہو گیا۔ اور دایہ بھی پاس آکر بیٹھی سوگند
 نے شراب میں خوب بے ہوشی ملا دی اور جام بھر کر ملکہ کو دیا۔ ملکہ نے کہا:
 دایہ اماں، پہلے تم پیو۔ دائی نے اس کے اصرار کرنے سے شراب پی۔ ملکہ نے
 متواتر کئی سا غولہ دیے کہ ٹانگوں میں سر ڈال کر اسی جگہ پڑ رہی، بے ہوش
 ہو گئی.....

تخت سحر سوگند نے تیار کیا، مع چند کنیزوں کے سوار ہو کر راہ خانہ محبوب کی لی۔۔۔۔۔ بعد کچھ عرصے کے اپنے مشتاق کے پاس بخت رسا نے پہنچایا۔ وہی صحرا نظر آیا جہاں غزال دیہ محبت مسکن گزیریں تھا۔ تخت سے اتر کر اٹھلاتی، پاؤں کی چھال سے مزدہ آمد سناتی آگے بڑھی۔

شہزادہ قاسم تو دیر سے اس کا منتظر ہر سمت ٹھلتا پھرتا تھا۔ اس سر اپانا کو آتا دیکھ کر مضطربانہ دوڑا، اور یہ زبان پر لایا۔

کسے ایسے قیامت زنا چلن بھاتے ہیں صاحب کے
زانی آفتیں تاز و داد ڈھاتے ہیں صاحب کے
خلاف وضع ہے، پامال چلاتے ہیں صاحب کے
قدم انداز سے باہر پوے جاتے ہیں صاحب کے

ستم رفتار میں کرتی ہے ٹھوکر دیکھتے جاؤ

غرض کہ جب قریب اس سرورواں کے پہنچا گود میں اٹھالیا۔ ملکہ نے بھی رخسار پر رخسار رکھ دیا۔ آخر الامر مند برب نہر بٹھایا۔ ادھر سیارہ نے اپنے مطلوب کو گلے سے لگایا، اور شکرانہ معبود خفیفی کا ادا کیا۔ ملکہ نے سب حال رو کر اپنا بیان کیا کہ ”آج تم سے ملنے کی کسی طرح امید نہ تھی خدا سوگند کا بھلا کرے جس نے دایہ کے بے ہوش کرنے کی تدبیر نکالی، اور اللہ نے پھر تمہاری صورت دکھائی۔“

قاسم نے کہا: ”اے جان جان، اب تم یہاں سے نہ جانا۔ میں تمہارے والدین سے سمجھ لوں گا۔“

سوگند نے کہا: ”جیسا موقع ہو گا دیکھ لیا جائے گا۔ اب داد عیش و خرمی دو۔ رات تھوڑی ہے، دو باتیں منہسی خوشی کی کر لو۔“

قاسم نے ارباب نشاط کو حکم دیا، گانا ہونے لگا، جام شراب گردش میں آیا۔ ٹانگوں کی قینچیاں بندھ گئیں، بوس و کنار شروع ہوا۔ دونوں مست و لایعقل ہو کر جام محبت سے سرشار لڑکھڑاتے پلنگ پر آکر گرے، اور سیارہ اپنی معشوقہ کو علاحدہ لے گیا۔ شیدائے یک و گر باہم عشرت پذیر ہو گئے۔

مرادیں برائیں، آرزوئیں پوری ہوئیں۔

بہم س کے بیٹھے ہیں وہ رشک نہ
قرآن مہر ہے اک جگہ
پسینہ پسینہ ہو اسب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یا سمن
لبوں سے ملے لب، دہن دہن
دلوت ملے دل بدن سے بدن
لگی آنکھ سے آنکھ خوش حال ہو
گھٹیں حسرتیں دل کی پامال ہو
لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ
چلے ناز و غمزے کے آہن میں ہاتھ
آخر بعد لذت بوس و کنار گلے میں بانہیں ڈال کر وہ سرشار ہو گئے لیکن
بہ مصداق

ہزار افسوس پھر یہ چرخ پر زور کرے گا مشتری کو ماہ سے دو
حفظ ملکہ کی ماں، بدگمان ہو کر تو گئی تھی، دایہ کے چھوڑ جانے پر کفایت
نہ ہوئی۔ وہ پہر رات گئے قلعہ زکس کوہ سے ملکہ کے باغ میں آئی، کچھ تر گئیں،
قلما قیناں، اور وہ بیگنیاں پہرے چوکی کے لیے حاضر تھیں۔ باقی باغ میں سنا
تھا۔ اس نے پہرے کے لوگوں سے استفسار کیا کہ "ملکہ کہاں ہے؟"
انھوں نے عرض کیا کہ "وہ شام سے کہیں تشریف لے گئی ہیں۔"
اس نے کہا، "دائی ساتھ ہے یا نہیں؟"

انھوں نے جواب دیا کہ "وہ بارہ دری میں سوتی ہیں۔"
حفظ نے بارہ دری میں آکر ہر چند دایہ کو جھنجھوڑا کہ یہ بیدار ہو، مگر وہ نہ
اٹھی۔ اس وقت تو اس نے ملازموں سے کہا۔ "ارے روشنی تو لاؤ، کہیں دائی
کو نہ ہر دے کر تو نہیں سلا دیا ہے۔"

لوگ شمع جلا کر لائے حفظ نے دیکھا کہ سانس تو دایہ کی ہے لیکن بے
ہوش ہے۔ کپڑا پانی سے تر کر کے اس کے دماغ پر رکھا کہ چھینک آئی، اور ہوش
ہوئی۔

حفظ نے غصے سے کہا۔ "خوب تو حفاظت چھو کر سی کی کرتی ہے؟"
دائی نے کہا۔ "بی بیٹھو، جو اس میں آؤ۔ تمھاری چھو کر سی ہی ایسی ہو تو
کوئی کیا کرے۔ دل کی لگی بری ہوتی ہے۔ وہ مجھے سنگھار دے کر جاتی تو عجب

نہ تھا۔ میں ایسی نگہبانی سے باز آئی۔ تم اپنی لڑکی کی خبر لو۔“
 حنظل یہ باتیں سن کر بہ غیظ و غضب تمام ڈھونڈنے چلی۔ اور بہ زور و جہد
 اس قدر بلند ہوئی کہ تمام دنیا پیش نگاہ تھی۔ آخر ایک طرف کثرت سے مشعل و
 چراغاں روشن دیکھے، یقین واثق ہوا کہ وہ شوخ دیدہ بھی ہمیں ہوگی۔ یہ تجویز
 کر کے اس جگہ اپنے تئیں پہنچایا عجیب معاملہ نظر آیا کہ تین جنگل اوٹ پھولوں کے
 کھڑے ہیں، اور ملازم کسی شخص کے پرے پر ہیں، اوٹ کے اس طرف چھپرٹ
 م صاع بچھا ہے، گرد اگر داس کے قریب گلاب کیوڑے کے منہ کھلے رکھے ہیں،
 نخلی ہوا کے رخ پر دھرے ہیں، اور ملکہ سر بازو پر ایک مہ پارہ نوجوان کے رکھے
 پیاری نخل میں منہ ڈالے، اس کا ہاتھ اس کے سینے پر، اس کا ہاتھ اس کی چھاتی
 پر پڑے سو رہے ہیں، اور ملکہ کے پائے چڑھ گئے ہیں، رانیں کھلی ہیں، پنڈلی سے
 پنڈلی نکلتی ہوئی ہے کہ

دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب گل تکے تھے آفتاب و مہتاب
 بند اس کی وہ چشم ز گسی تھی چھاتی کچھ کچھ کھسکی ہوئی تھی
 سمٹی تھی جو محرم اس قمر کی بر جوں یہ سے چاندنی تھی سر کی
 لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں

یہ کیفیت دیکھتے ہی شعلہ غضب اور زیادہ بھڑکا اور ایسا سحر پڑھا کہ
 ہوا کھنڈی چلی جس قدر کہ پاسان تھے بے ہوش ہو گئے، اور یہ تفرقہ انداز
 طالب و مطلوب قریب پلنگ کے آئی۔ ملکہ کو صورت ہو اس گل بدن سے
 جدا کیا۔ ایک نعرہ مارا کہ ”او گیسو بریدہ، ننگ خاندان، یہ کیا غضب تو نے
 کیا کہ قفل عصمت کلید فاجری سے ڈالیا؟“.....

حنظل..... کمر میں ملکہ کے پیچہ دے کر اڑی..... سو گندہیلوے سیاہ
 سے اٹھ کر دوڑی۔ حنظل نے جو اس کو آتے دیکھا، کچھ بال اپنے سر کے نوح کر اس کی
 جانب پھینکے کہ وہ زنجیر آتش بن کر اس اسیر دام زلف کے دست و پامیں پٹے
 حنظل اس کو بھی پھینچ کر اڑاتی ہوئی چلی، اور سو گندہ شکتی جاتی تھی، مگر سیارہ
 سے کہتی جاتی تھی کہ ”دیدار ما و شما بہ قیامت افتاد“ اور ملکہ قاسم کو پکار کر سناتی

تھی کہ ”اے شہریار، خدا حافظ و ناصر! اپنے دل نازک پر میرے مرنے کی خبر سن کر کچھ صدمہ ملاں نہ کرنا۔ تمہیں حفظ و حمایت میں پروردگار کی دیا۔ اللہ نگہبان۔ ہم آغوش قبر میں سونے جاتے ہیں اور حسرت تمہارے دیدار کی دم نزع دل میں رکھتے ہیں کہ

دھادو ذرا پھر مدخ اپنا ہیں مری جان اللہ کو سونپا تمہیں
چلے ہم تو دنیا سے ناشاد ہاے نہ کچھ رنج اس کا ترے دل پہ آئے
ملکہ دل گیر کو جب حنظل گرفتار کر کے لائی، قلعے میں اس لیے نہ گئی کہ اس
آوارگی سے خور و بزرگ آگاہ ہوگا۔ منگنی ہوئی ہے، لڑکی بدنام ہو جائے گی۔
معرض باغ میں لا کر پہنچایا اور ملکہ کو کئی طمانچے زور زور لگاے۔ بہ غصہ بچا رہی
بیٹی کی طرف کیا نظر رہ جھلا کے کہا کہ اے خام پارہ!
حرمت میں لگایا داغ تو نے لٹوائی بہار باغ تو نے
تھمتا نہیں غصہ تھا منے سے چل دور ہو میرے سامنے سے

سوگند کو بھی مارا، اور کہا، ”ماں زادی، تو نے میری لڑکی کو خراب کیا!“
سوگند اور ملکہ اس وقت تو خاموش ہو رہیں۔ لیکن کچھ دیر کے بعد حنظل
نے ملکہ کو سمجھانا شروع کیا کہ ”خیر آج تو میں طرح دیتی ہوں۔ درگزر کرتی ہوں۔ اب
اگر تجھے کہیں جاتے سنوں گی حلال ہی کر ڈالوں گی، خبردار کبھی بھولے سے بھی
ایسی حرکت نہ کرنا!“

یہ کلام ترجم کے سن کر سوگند کو جواب دینے کی جسارت ہوئی۔ اور رو کر
حنظل کے پاؤں پر گری، عرض کیا کہ ”پہلے حضور دو باتیں میری سن لیں پھر جو چاہیں
وہ کریں۔ ہم آپ کے بس میں ہیں۔“
حنظل بولی کہ ”کہہ، کیا کہتی ہے؟“

اس نے کہا، ”ہونے والی بات، بدنامی تقدیر میں لکھی ہو تو کوئی کیا کرے
اور میں کم بخت ناشاد ملکہ سے کہتی تھی کہ حضور نہ جائیے۔ میرا کہنا نہ مانا، اپنے
ساتھ مجھے بھی رسوا کیا۔ سینے حضور اصل بات یہ ہے کہ ملکہ جو سیر کو گئیں۔ قسم
پوتا حمزہ کا صحر میں صحت آرا تھا۔ اس نے ملکہ کو اپنا برابر والا سمجھ کر بہ منت شریک
بزم کیا، اور کہا اس میں عیب کچھ نہیں۔ کیا ایسا ہوتا نہیں ہے کہ شاہ و شہریار

اور جا کر منہ پر مٹھیں، اس نے شراب اپنے ہاتھ سے شہزادی سمجھ کر پلائی، نارج مل کر
 دیکھا کس۔ اس وقت ملکہ کے سر میں درد ہوا، فرمایا کہ میں اب جا کر آرام کروں گی۔
 قاسم نے پھر بہ راہ عجز کہا کہ ہمیں میرے پلنگ پر لیٹے لیٹے نارج دیکھیے، پھر چلی جائے
 گا۔۔۔۔۔ ملکہ۔۔۔۔۔ جا کر۔۔۔۔۔ لیٹیں اور لیٹتے ہی سو گئیں۔ میں نامراد بھی پڑی
 رہی، جگانا مناسب نہ جانا۔ ادھر قاسم بھی ملکہ کے پاس جا لیٹا، اور سو گیا۔ اس
 وقت آپ جا کر پہنچیں، اور گرفتار کر لائیں۔ اور ننگے کھڑے ہونے کو میں خود حامی
 ہوں، جو ان کی نیند، سویا سویا برابر۔ ملکہ کا اس میں کچھ قصور نہیں۔۔۔۔۔ اگر وہ نے
 پیٹنے کو دونوں کے کہو تو ملکہ کا ابھی سن کیا ہے، رو کر دوٹی مانگتی ہیں سمجھیں کہ
 ماں نے مجھے غیر مرد پاس دیکھا ہے۔ اب مار ڈالیں گی مارے ڈر کے اس کی منتیں
 کرنے لگیں کہ شاید یہ بچالے۔ اور ادھر وہ یہ سمجھا کہ ملکہ کو نہیں معاف کون پکڑے یہ
 جاتا ہے۔ اور یہ میری جہان عزیز ہے۔ اپنے دل میں کیا کہے گی کہ اس سے کچھ نہ ہو سکا
 اس سبب سے وہ بھی جرع و نزاع کرنے لگا۔ اور اگر آپ کو میری باتوں کا اور کہنے کا یقین
 نہ ہو تو ملاحظہ فرمائیے کہ ملکہ کا شیشہ عصمت سنگ شرارت سے قاسم کے شکست
 نہیں ہوا۔ اور مسلمان حرام نہیں کرتے اسی سے ان کو خدا نے نوازا ہے۔
 یہ تقریب حنظل نے ہی۔ ملکہ کو ہر طرح سے دیکھا، بہ خوبی محفوظ پایا، سو گند
 کے کہنے کا یقین آیا کہ بے شک جو اس نے بیان کیا ہے۔ یہی کیفیت واقع یہ ہو گئی
 ہے، اور نہ آگ اور خس یک جا ہو تو ممکن نہیں کہ نہ جلے۔ اس وقت بہ ظاہر تو غصے
 کی نگاہ رکھی مگر ملکہ کو عتاب کرنے سے باز رہی، اور چند عورتیں اپنی جانب
 سے بہر حفاظت تعین کر کے چاہا کہ آپ قلعے میں جائے۔ پھر سوچی کہ کل جاؤں گی
 آج کے دن وہ کہ اس کا رنگ ڈھنگ دیکھ لوں غرض کہ یہ بھی وہیں فروکش
 ہوئی اور ملکہ اپنی جگہ ٹھنچی ہیں۔ ماں سے علاحدہ پلنگ پر جا کر لیٹی، لیکن نیند
 کیسی اور سونا کہاں کا، دل پہلو میں دل دار کو ڈھونڈتا تھا، تنہائی میں کلیجہ
 منہ کو آتا تھا۔ مانند ماہی بے آب کے وہ گوہر غلطان قلمز مہبت میں تڑپتی،
 ان سرد بھر کر یہ پڑھتی تھی کہ

دم تری اُلفت پوشیدہ کے بھرنے والے

دل جلے سینہ جلے اُون نہیں کرنے والے
 آخری وقت تھا پورا نہ کیا وعدہ وصل
 آپ آتے ہی رہے، مر گئے مرنے والے
 اب خنجر کو بھی قاتل نے مجھے ترسایا
 نہ دیے حلق سے دو گھونٹ اترنے والے
 پھر بہا ر آئی ہے پھر سہم کو جنوں ہوتا ہے
 کیا دن آئے ہیں فراغت سے گزرنے والے
 آسمان پر جو ستارے نکل آئے تو امیر
 یاد آئے مجھے داغ اپنے ابھرنے والے

(۳)

(سیارہ سے قاسم کی بے قراری نہیں دیکھی جاتی، اور وہ کسی نہ کسی
 ڈھب سے نہ کسی حتم کو چرالانے کے رادے سے روانہ ہوتا ہے۔ راستے میں
 ایک ساحر ملتا ہے،

سیارہ آپ بھی صورت ساحر کی بنا تھا۔ اس سے بڑھ کر صاحب سلامت
 کی اور پوچھا کہ ”بھائی کہاں چلے؟“
 اس نے کہا: ”ملکہ حنظل کے پاس جاتا ہوں، اس لیے کہ نہ وہ اپنی رڑ
 کی شادی کرتی ہے نہ جواب دیتی ہے۔ اور لڑکی کو سنا ہے کہ وہ سیریں کرتی
 پھرتی ہے۔ میں نے اپنی رڑ کے کو بھی منگنی کر کے بھنسا یا ہے۔ آج فیصلہ
 کروں گا“

(ساحر اڑتا ہوا قلعے کی طرف جاتا ہے اور سیارہ زمین پر چلتا ہوا)
 وہ ساحر کہ نام اس کا ظالم جادو ہے..... جب نزدیک باغ پہنچا
 بہ دور سحر ایک طاؤس سحر کو حنظل پاس بھیجا کہ میرے آنے سے اس کو مطلع کرے۔
 طاؤس نے جا کر خبر دی۔ حنظل سمجھی کی آمد سن کر گھبرائی، کس لیے کہ اگر وہ یہاں
 آئے گا، دختر میری اسی جگہ ہے، محل خانے کا واسطہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کچھ حال
 اس کی بد چلنی کا سن لے۔ اس باعث سے خود بہ رسم تعظیم بیرون باغ آئی

باہم تپاک کریں، اور ایک جگہ مل کر بیٹھیں۔ یہ کلام اس کا ملکہ نے پسند فرمایا، اور اثنائے ادا میں غلام سے ملی باتیں کرتی ہوئی اس کو اندر قلعے کے لئے گئی۔ اتفاقاً بہتر پرٹھایا، شراب و کباب کی صلاح کی، ناچ ہونے کا حکم دیا، جلسہ جمایا بعد امورات کے سبب آنے کا پوچھا۔

اس نے کہا: "بیٹی تمہاری نوجوان گلی گلی ماری ماری پھرتی ہے، اور تم شادی نہیں کرتی۔ آج ہاں نہیں کا مجھے جواب دو۔"

متنظر یہ تقریر سن کر سمجھی کہ اس کو شاید ملکہ کی آوارگی کی خبر ہو گئی۔ پس ترق کر بولی کہ جو کوئی اس کو بد کہتا ہے وہ جھک مارتا ہے۔ ... جی میری سیدھی بات تو کرنا جانتی نہیں وہ نگوڑی آشنائی کیا جانے! اور سنو صاحب! جو مجھے شادی کرنا ہے تو وہ خرابوں کی خراب ہے۔ گون ہو تو کرو، نہیں میں گلے تو لگا نہیں۔ کچھ پھلیاں تو ہیں نہیں جو سڑی جاتی ہیں۔ جب تم لوگوں نے میری بلیر کی خاک لے ڈالی تب میں نے منگنی کی۔ اور اب یہ باتیں ہیں مگر اب بھی کچھ بندی کو ایسی پروا نہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میری لڑکی کو کوئی نہ پوچھے گا، اور نہ پوچھے تو بلا سے نہ پوچھے۔ اس کو کسی بات کی کمی ہے۔ یہ کہہ کر کو سنا شروع کیا کہ یا سامری جس طرح میری بچی کو لوگوں نے بدنام کیا ہے ان کی کنواریوں کے آگے آئے۔ ان کی بھی بڑی یوں ہی بکھانی جائیگا۔

غرض کہ ایسا کچھ اس آڈے ہاتھوں لیا کہ کچھ کہتے بن نہ پڑا۔ اتنا تو کہا کہ "میں کب کہتا ہوں کہ ملکہ خراب ہے۔ لیکن شادی کب کر دو گی؟"

اس نے کہا "کروں گی کیوں نہیں؟ اس کا باپ شاہ افراسیاب کے پاس سے آئے تو تیار ہی کروں۔ بیٹی میری دو ہا جو تو ہے نہیں، سبھی ارمان مکان ہے۔ کنو، چھل اتارنا ہے، گھبراؤ نہیں، میں خطا اس کے باپ کو لکھتی ہوں اور جلدی سامان کرتی ہوں۔"

یہ گفتگو سن کر غلام رخصت ہوا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ "آج کہاں جاؤ گے؟ کل چلے جانا" اور سامان دعوت ہٹا کیا گیا۔ مگر ملکہ کی حفاظت کے لیے ایک ساحرہ کو مخفی جانب باغ بھیجا کہ "رات کو تحفظ بہ خوبی کرنا، کہیں جانے نہ دینا" میں ابھی ہوں، همان کی خاطر داری میں ہوں، نہیں خود چلتی۔ تو یہاں سے

جا، اور خالص دان میرا لے جا۔ اگر ملکہ پوچھیں کہ کیوں آئی ہو تو کہنا آپ کی ماں
نے گھوڑیاں بھیجی ہیں۔ یہ ثابت اس کو نہ ہو کہ میرا پہرہ دینے یہ آئی ہیں۔“
(راستے میں ساحرہ کو سیارہ بے ہوش کر دیتا ہے، اور اس کی سی صورت
بنا کے باغ میں جا پہنچتا ہے)

کنیزیں سیارہ کو دیکھ کر بولیں کہ ”اے زینت بزم جادو کہاں
آئیں؟“

اس نے کہا: ”بہیو میں پان لے کر آئی ہوں۔“ اور پاس جا کر چپکے سے
کہا: ”ملکہ نے تو خوب گل کھلایا ہے۔ اڑی اڑی طاق مٹھی۔ ان کا سسرایہ
خبر سن کر آیا ہے۔ مجھے ان کی ماں نے یہیں ٹھہرنے کو بھیجا ہے۔ صاحب زادی
ہیں کہاں؟ ذرا میں تو دیکھوں کہ اپنا کیا حال بنایا ہے۔ اور مجھے بھی ڈر معلوم
ہوتا ہے کہ کہیں میرے پہرے سے نہ نکل جائے جو میری ناک چوٹی کٹے بسامری
آبرورکھیں۔“

یہ تقریر سن کر سب عورتوں نے کہا: ”ملکہ وہ سامنے بارہ درمی میں لینگ
پر مردہ سی پڑی ہیں۔ بہن، خوب ہوا جو تم آئیں۔ ہم بھی ڈر رہے تھے کہ ایسا نہ
ہو کہیں جائے تو ہم پر آفت آئے۔ اب تم جانو تمھارا کام جانے۔ ہم وہاں
جائیں گے بھی نہیں۔“

یہ کہہ کر سب کنارے ہوئیں، اور سیارہ اندر بارہ درمی کے آیا اور
آہستہ در کی آڑ میں ٹھہر کر جا ہا کہ سنوں ملکہ کیا کہتی ہے۔ دیکھا کہ سوگند لینگ
کی پٹی کے نیچے بیٹھی ہے، اور ملکہ اس سے چپکے چپکے کہہ رہی ہے کہ ”کیوں سوگند
اس وقت قاسم کیا کرتے ہوں گے؟“

اس نے جواب دیا کہ ”آپ کی محبت کا دم بھرتے ہوں گے۔“
ملکہ نے کہا: ”نہیں معلوم میرے پکڑ آنے کے بعد ان کے دل پر کیا گزری
ہوگی۔ ہاے کوئی انھیں تسکین دینے والا بھی نہ ہوگا۔ کہیں ایسا تو نہ ہو اپنی
جان دے دیں۔ افسوس، کس کو ان تکٹ بھجوں، اور ان کی خیر و عافیت
منگو اؤں۔“ یہ کہہ کر زار زار روئی۔

سیارہ اس حال کو ملکہ کے دیکھ کر کڑھا، اور پاؤں کی آہٹ دی۔ ملکہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، اور اس کو آتے جان کر چپ ہو رہی۔ اور سوگند نے بھی ادھر نظر کی۔ اس سے اشارے سے کہا کہ میرے پاس آؤ۔ سوگند ٹھہرائی کہ دیکھیے کہ یہ کیا کہے گی، مگر یہ ناچاری اٹھ آئی۔

سیارہ اس کو بارہ درمی کے ایک کونے میں ہاتھ پکڑ کر لایا۔ پہلے تو اس کو تسخر کی داد سے بوکھلایا کہ "کیوں دی، تو نے خوب ملکہ کو بدراہ کیا۔ یاروں کی بغل میں لے جا کر سلایا۔"

سوگند یہ بات سن کر ڈر گئی، اور لگی کانپنے اور قسمیں کھائیں کہ "میں نہیں جانتی۔ کیسے یار؟ تم کیا کہتی ہو؟"

اس نے کہا میں سب جانتی ہوں۔ پہلی رات کو تیغہ سحر دے کر ساحروں کو قتل کرایا، دوسری رات کو ساتھ سوئی۔"

سوگند یہ باتیں سن کر بہت خائف و لرزاں ہوئی۔ سیارہ نے کہا: "اگر تو میرے گلے سے لگ جائے تو میں تجھے قاسم پاس لے چلوں۔"

سوگند اس کے گلے سے عورت جان کر لپٹی۔ اس نے خوب پٹایا، پیار کیا۔ سوگند نے کہا: "بتاؤ! کیوں کر ہیں وہ چلوگی؟"

اس وقت اس نے کہا: "میں سیارہ ہوں۔"

سوگند جھجک کر تیوریاں چڑھا کر، برا بھلا کہتی آغوش سے تڑپ کر نکلی، اور جا کر ملکہ پاس چکی بیٹھ رہی۔

شہزادی نے پوچھا کہ "کیا تھا؟ کہاں گئی تھی؟"

اس نے کہا: "میری بلا جانے! موئے آسیب کی خاصیت رکھتے ہیں جہاں دیکھو وہاں موجود۔"

شہزادی نے کہا: "اری کون ہے؟ کیا بکتی ہے؟"

سوگند بولی: "وہی مواتا نیتا عیار ہے قاسم کا، اور کون ہے؟"

سیارہ ملکہ کو بے ہوش کر کے کندھے پر لاد لیتا ہے، سوگند جادو سے کنیزوں کو سلا دیتی ہے۔ اس طرح یہ تینوں قاسم سے پھڑا ملتے ہیں، اور وہی

رنگ ریاں شروع ہو جاتی ہیں،

(دوسری طرف کمیزیں جا کر خنظل کو ملکہ کے غائب ہونے کی خبر دیتی ہیں)
خنظل سمجھتی ہے کہ سامنے اس خبر کو سن کر چپ ہو گئی، رنگ چہرے کا زرد
ہو گیا، کاٹو تو خون نہیں، ہزاروں گھڑے اپنی پڑ گیا۔ مگر کرتی کیا، سر جھکا کر
رونے لگی۔

ظالم نے کہا: "انھیں دنوں کو میں جھینکتا تھا، کیوں؟ دیکھا، خیر اب تمہیں
کیا کہوں، اس کیسو بریدہ کو سزا دینے جاتا ہوں۔"

ظالم اڑتا ہوا جاتا ہے، اور قاسم کی محفل سے زکسی جادو کو اٹھاتا ہے
ظالم نے اس: یہ سلاسل الفت ملکہ پر حسرت کو قلعے میں پہنچایا، خنظل
شرمندہ، ندامت زدہ، برج قلعہ پر گھڑی چشم بہرہ انتظار تھی۔ جب ظالم آیا
اور کچھ بن نہ پڑا، دوڑ کر سیدھی پاؤں پر گری اور کہا: "بھائی! تم نے میری
آبرورکھ لی۔ اب اپنے دامن میں مجھے چھپالو۔ تمہاری امانت ہے، اسی وقت
اس نامراد کا گلا گھونٹ دو۔ سامری کی شمع، میں اف نہ کروں گی۔ مجھے آہ نہ آئے
گی۔" یہ کہہ کر ملکہ کو دو تین تھپڑ مار کر، ایک زنجیر طلائی منگا کر پاؤں میں پہنائی، اور
بہ غصہ و عتاب خطاب کیا کہ: "اے مردار، جو تو پرانے گھر کی نہ ہوتی اور میرا خلیا
ہوتا تو پیسے پر رکھ کر بوٹیاں کاٹتی، اور چیل کوؤں کو بانٹتی۔"

یہ کہہ کر حکم کیا کہ ایوان شاہی میں جو پائیں باغ ہے وہاں لے جا کر اس کو
قید کرو۔ ملازم ملکہ کو لے گئے اور کئی جادوگر نیاں واسطے نگہبانی کے مقرر ہوئیں

.....
رات کو خنظل نے آکر بو بیٹی کا حال دیکھا، محبت مادی سے کلیجہ منہ کو آیا۔

سمجھانے لگی کہ "مرتی ہے کیوں ترک خور و خواب کرتی ہے کیوں

ثابت کچھ اثر ستارے کا ہے اس چاند کو کیا گھن لگا ہے

صورت تری زار ہو گئی ہے گل ہو کے تو خوار ہو گئی ہے

رحمہ اپنی جوانی پر ذرا کر منہ دیکھ تو آئینہ منگا کر

ہے ہے تری عین کس نے دکھائی؟ نا جنس کو چاہتا ہے کوئی؟

مجھ کو کیا ہے تجھ کو بہر حال نہ
تو بہ کا در کیا نہیں بند

بھولے سے بھی کر نہ یاد قہم
پھر گھر وہی تو وہی، وہی ہم

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں؟
تو دامن بلا میں ہے کہ ہم ہیں؟

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے
دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ دیجیے

جھنجھلائی وہ خستہ دل کہ بس بس
تم ایک کہو گی کہ تو میں دس

رنجور جو ہوں تو میں بھی کیا؟
مجبور جو ہوں تو میں بھی کیا؟

مانا میری حالت اب ردی ہو
بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے

بیل اسی رشک گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

سوچی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
ہے بلکہ بہ رنگ زلف کھتی

کچھ روگ جو در پے خلش ہو
درماں کے لیے دوا دوش ہو

بیماری عشق لا دوا ہے
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے

حفظل ناچار برج قلعہ پر چلی گئی۔

ظالم ملکہ کو اٹھالے گیا تو قاسم بے ہوش ہو کر گر پڑا،
سیارہ نے گلاب کیوڑہ چھڑک کر ہوشیار کیا۔ جب آنکھ کھلی تو وہی بیلا

شور مچانا، اور نعرہ مارنا۔ بار بار اضطرابی دل سے یہ لب پہ لانا کہ

انغم اب تو ملا بجائے آرام میں
اک لمحہ نہیں ہائے آرام میں

آتے نہیں خواب میں بھی وہ لوگ نظر
دیکھ سے جنھوں کے آئے آرام میں

سیارہ شہزادے کا گو کہ عیار ہے مگر لنگوٹیا یار ہے جس شہزادی سے ان کے

باپ پیدا ہوئے ہیں، اس کی یہ وزیر زادی سے پیدا ہوا ہے جس طرح عمر و امیر

سے ہنستا ہے، برا بھلا کہہ لیتا ہے، اسی طرح یہ بھی شہزادے سے کیا بلکہ ان کے

باپ سے گستاخ ہے۔ اس وقت بے کسی پر ملکہ اور شہزادے کے دل تو اس کا جلا

مگر غفلت پر ان کی اس کو غصہ آیا گویا ہوا کہ "بس دیکھی بہادری آپ کی یہی دعوٰ

شجاعت تھا! تیغہ لیتے ہی رہے، اٹھایا نہ گیا بہت بھاری تھا۔ اس وقت

لانڈوں کی طرح ٹسوے گھلانا، اوئی اللہ کہہ کر، سر پر ہاتھ دھر کر رونا آتا ہے۔

اس سے وہ بے چاری عورت اچھی تھی جو جان بچ کر تین بار چلی آئی۔ جاؤ میاں تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ ظالم جادو اس کا سسر ہے، جاتے ہی ملکہ کو اپنے بیٹے پاس لے جائے گا۔ کچھ عشق بازی دل لگی نہیں ہے کہ

عشق بازی نام سربازی کا ہے

قاسم کو اس کی باتوں سے غضب طاری ہوا، اور فرمایا: "انشاء اللہ بزرگس کو دین گھس کر ایسی تلواریں ماروں گا کہ یہ ساحران غدار یاد ہی تو کریں گے۔ دریا خون بہا دوں گا۔ گھوڑا میرا جلد حاضر کر"

سارہ طعنے دینے کو تو آندھی تھھا، اب بربادی کا جو شہزادے کی خیال آیا عرض رہا ہوا کہ "آپ ٹھیرے میں جاتا ہوں۔"

قاسم نے کہا: "اب ٹھیرنا کجا کہ

عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل

وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو"

قاسم حنظل کے قلعے پر فوج کشی کرتا ہے۔ ظالم جادو اور ملکہ کی دایہ حسد

جادو مارے جاتے ہیں حنظل اپنی فوج کو قلعے کے اندر بلا لیتی ہے)

قاسم نے جب میدان صاف دیکھا، فرمایا: "آج تو دن تمام ہو چکا ہے کل قلعے پر حملہ کروں گا۔" یہ فرما کر اسی جگہ خمیہ استادہ کرا کر، قلعے کو محصور کر کے اترا۔

مگر دل سے خیال کیا، سب کشت و خون وغیرہ ہوا لیکن دل دار کا کہیں پتہ نہ ملا۔ یہ سوچ کر بے قراریاں کرنے لگا۔ اسی بے تابی میں سارہ کو بلا کر ارشاد

کیا کہ "اب کام ہمارا تمام ہے"

اس نے عرض کیا۔ عشق کا یہی انجام ہے۔ مر جائیے گا تو نام عشق میں

کر جائیے گا۔"

قاسم نے کہا۔ یار بھی ہم سے جدا ہے، اور اجل بھی ہم سے خفا ہے۔ اب

شب فراق ڈرانے کو آتی ہے، چشم سیارگاں سے آنکھیں دکھاتی ہے۔"

سارہ نے حال ابتر شہزادے کا دیکھ کر رحم کھایا، اور جتنا دن باقی تھا

بیٹھا سمجھایا کیا۔

رات کو سیارہ ایک محل دار کو بے ہوش کر کے اور اس کی مٹی شکل بنا کے
قلعے کے اندر جا پہنچتا ہے۔

راہ میں سوچا کہ حنظل برج قلعہ پر آج کل رہتی ہے، وہیں ملکہ بھی ہوگی
یہ سوچ کر اسی جانب چلا۔ جب قریب برج کے پہنچا، ایک کھاری، دھڑ سے
آتی تھی۔ اس نے سلام کر کے کہا: "بی محل دار! کہاں تھیں؟ حضور کئی بار یاد کر
چکیں۔"

سیارہ نے جواب دیا کہ "بی! کیا کہوں؟ خوب ہوا جو میں یہاں نہ تھی،
میں نہیں کٹنا پے میں پکڑی جاتی۔ بھلا سناؤ تو، کیا ماجرا گزرا؟ کچھ حال تو کہو۔"
کھاری نے کہا "بس زبان نہ کھلواؤ۔ وہی مثل ہے، کیا اور کرنے جانا، میں
ہوتی تو کر دکھاتی۔ اے بی! کیا تم بھی ہو؟ شکر لیے یا تو گھر گھرے پڑا ہے،
اور پھر تم مجھ سے پوچھتی ہو کہ کیا ہوا۔"

سیارہ نے کہا: "میرے سر کی قسم ہم کو ہے کہ بے جو نہ بتائے۔ سچ کہو کیا
معاملہ ہے؟"

کھاری نے کہا: "حاشا اللہ، بی بی، میں کانوں پر ہاتھ دھرتی ہوں جبکہ
پاپ اس کا پاپ۔ میں نہیں جانتی کہ ملکہ نے کیا کیا۔ ہاں ہاں، اتنا تو سنا کہ
میں دھکڑے پاس پکڑی گئیں۔ لو، بی بی، یہ شہزادیاں ہیں جن کو محل کیا، کوئی
کوٹا آر بھی نصیب نہ تھا! بیچ میدان میں!"

محل دار نے کہا: "بچی ہے نادان، وہ کیا جانے اور وہ مرد و ابھی ایسا کچھ
دارینہ نہ ہوگا، کسی کا ننھا لاڈ لا ہوگا۔ پھر میدان نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟"

کھاری ترق کر بولی کہ "بی، بیٹھو! ایسی تھی ہیں کہ روٹی کو بوٹی، پانی کو م
کہتی ہیں، منہ سے دودھ کی بو آتی ہے! نو جائے، دس کھلائے۔ شادی ہو
جاتی تو چار بچوں کی ماں ہوتیں۔ اتنا جانتی نہیں کہ آشنائی یوں کرتے ہیں!
یہ نہ جانتی تھیں کہ بیچ میدان میں جو ہم لے کر بیٹھتے ہیں، اس کا انجام کیا ہوگا!
آدمی اپنا اکم اندیشہ تو سوچ لیتا ہے۔ اب اچھا ہوا کہ دوبار پکڑ آئیں؟ کیلے
گھر میں تھکا رہی پہنے پڑی رہتی ہیں۔"

سیارہ نے کہا "منظّل نے اپنے پاس قید کیا ہوگا؟"

کھارمی نے جواب دیا "نہیں، ایوان شاہی میں جو پائیں باغ بنائے وہیں قید ہیں۔ منظر آپ ان کا پردہ دیتیں یاڑائی کا بند و بست کرتیں۔ شاہنشاہی عورت ذات کو جو سب طرف کی تاک رکھتی ہے۔"

سیارہ نے کہا۔ "خیر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں حضور پاس تو ہواؤں۔" یہ کہہ کر آگے چلا۔۔۔۔۔ اندر قصر کے گیا۔ ہر سمت دروازے لگے تھے، بیچ ایوان میں تخت شاہی بچھا تھا، کرسیاں دنگل قرینے سے سجے تھے۔ ایک طرف زنانی ڈیوڑھی پر پردہ زنبوری پڑا تھا۔ ہزار ہا حاجب کھڑا تھا۔ لیکن یہ پردہ اٹھا کر اندر چلا۔ دربان نے پوچھا۔ "کہاں جاؤ گی؟"

اس نے پھر کہا۔ "مونڈی کاٹے اپنے بیگانے کو نہیں پہچانتے۔ محل دار! میں مدت کی آنے جانے والی، آج مجھے بھول گیا!"

سپاہی بولا کہ "محل دار، آج تو تم ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو۔"

ایک شخص بولا "آج جو بن بھی زیادہ ہے!"

محل دار نے کہا۔ "شامتیں آئی ہیں، موئے زبان کا مرانا نکالتے ہیں!" یہ کہہ کر اندر پردے کے جا کر ہاتھ نکال کر انگوٹھا دکھایا کہ ناشدنیو، تم ارمان میں رہو گے اور میں ہمت نہ چڑھوں گی۔"

غرض کہ آگے بڑھا۔ اندر محل کے ایک آدھ نے پوچھا کہ "بی محل دار کیا ہے؟"

کہا۔ "موئے سپاہی ایسا ہنساتے ہیں کہ پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ زیر ناف درد ہونے لگا۔"

خلاصہ کلام، آگے چل کر قلماقینوں، ترکنوں، جہنوں کے عملے کو طے کر کے باورچی خانے سے گزر کر دو دو منہ ہر ایک سے ہنستی، باتیں بناتی پائیں باغ میں آئی۔۔۔۔۔ سیارہ ہر سمت دیکھتا، صحنچوں میں کنیروں، انیسوں جلیسوں کی باتیں سنتا جاتا تھا۔ کوئی کہتی تھی "دیکھیے اس عشق کا انجام کیا ہوتا ہے؟"

دوسری جواب دہ تھی کہ "دو میں ایک کی جان جائے گی، سر کٹے گا،"

با اور کیا ہو گا؟

کوئی انگشت بہ دندان تھی، ہا ہا کرتی تھی۔ کوئی ناک بھوں چڑھائے کہتی تھی کہ ”اتنے سے بت پر اس چھوکری نے یہ آفت ڈھائی کہ مرد و اساتھ لگلائی۔ اماں باوا کی ناک کٹوائی۔ یہ معرکہ ڈال دیا۔“
اسی طرح کوئی پاندان کھولے پان کھاتی تھی، کوئی مٹی لگاتی تھی، کوئی کہانی کہتی تھی کہ ”ایک تھا بادشاہ۔ ہمارا تمھارا خدا بادشاہ۔ کہانی ایسی جھوٹی نہیں، بات ایسی ٹھیک نہیں۔“

یہی کیفیت سیارہ دیکھتا سنتا بارہ درسی تک پہنچا، یہاں تلنگنوں کا پرہ
کھڑا تھا۔ ایک تلنگن پکاری، ”ہو کس ویر؟“
سیارہ نے کہا۔ ”محل دار۔“
تلنگن بولی کہ ”اندر نہ جانا۔“

محل دار نے کہا ”نہ جاؤں گی۔ مجھے کیا پڑی ہے؟ جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ پرے والیوں کا تو راج ہے، اپنا پرایا کچھ پہچانتی نہیں۔ صاحب ہاں کی ماتا، اس نے تو خیر صلا کو بھیجا، گھوڑیاں بھیجیں۔ ہم ہر وقت کے پاس رہنے والے لے کر آئے ہیں۔ یہ کہتی ہیں۔ اندر نہ جانا، میں سچ کہوں جہشید قسم، مجھے آج تک کسی نے روکا نہیں۔ میں جوتی کی نوک پر ایسی نوکری مارتی ہوں۔ کیا تجھے ناک کاٹیوں نے کٹنی مشاطہ مقرر کیا ہے جو جانے کی مناہی کرتی ہیں؟ ملکہ اتنے پرے میں جو آگئی ہے، جانتی ہیں اب ماں بیٹی میں ملاپ نہ ہو گا۔ وہی مثل ہے ماں بیٹیوں میں لڑائی ہوئی، لوگوں نے جانا بیرپڑی۔“

یہ کہہ کر پھر سیارہ چلا۔ دوسری پرے والی نے جو پرے پر تھی اس سے کہا ”اری، جانے دے، سچ ہے، یہ لوگ ناک کا بال ہیں، دودن میں ایک ہو جائیں گے، اور اس وقت نہیں معلوم یہ کیا کیا جا کر لگائے گی۔ ہم تم پرے کے لیے ہیں، کبھی سامنے جانا نصیب نہیں ہوتا، پھر ہماری کون سنے گا؟“

یہ کلام تلنگنی نے سن کر محل دار کو پکارا کہ ”بی محل دار، خفانہ ہو جاؤ، جاؤ، ہم بھی تو حکم کے تابع ہیں، اگر نہ روکتے، ابھی تم بھی الزام دیتیں کہ تم کیا

پہرے پر کھڑی تھیں کہ میں چلی گئی اور کسی نے نہ روکا۔

محل دار نے کہا۔ ”بی بی سچ کہتی ہو، مگر اجنبی کو روکتے ہیں۔“

یہ کہتا ہوا سیارہ اندر بارہ دری کے گیا۔۔۔ ایک طرف پسنگڑی پر ملکہ
نہ بچیر پہنے پڑی کراہتی ہے، اور چار ساحرہ معزز کھڑکی بچھائے پہرہ دینے ملکہ
بیٹھی ہیں۔۔۔۔۔ سیارہ جب آگے بڑھا جادو گر نیوں نے پوچھا، ”بی محل دار
کہاں آئیں؟“

محل دار نے سلام کیا اور کہا۔ ”بی بی، حکم حاکم سے ناچاری ہے، نہیں
یہاں آتے بوٹی کا نپتی ہے۔ تو یہ گلو ریاں حضور نے شہزادی کے لیے بھیجی ہیں
اور فرمایا ہے کہ سمجھا کر ان کو کھلانا کہ بچپن سے ملکہ کو پان پر پان کھانے کی عادت
ہے۔ ایسا نہ ہو ترک عادت سے بیمار ہو جائے۔“ یہ کہہ کر خاص دان سے چار در
کو گلو ریاں نکال کر دیں کہ ”تم بھی کھاؤ، ملکہ سب تھوڑی کھائیں گی۔ رئیس کے
یہاں سارا مال نوکر چکھتے ہیں، آدھے کا تہا سرکار کو ملتا ہے۔ سونے کا خاص دان
بھی اپنے پاس رکھو۔“

جادو گر نیوں کو بے ہوش کر کے سیارہ ملکہ کو اٹھائے جاتا ہے۔ اتنے
میں حنظل آکر اسے گرفتار کر لیتی ہے۔ بہر حال وہ پھر چھوٹ نکلتا ہے۔ قاسم قلعے
پر حملہ کرتا ہے اور ملکہ کے منگیتر طولان کو مار ڈالتا ہے۔

حنظل۔۔۔ روتی ہوئی۔ ”ہاے میرے مرادوں والے دولہا، افسوس،
تو ناشاد دینا سے گیا“ کہتی ہوئی لاش پر آئی، خوب روتی اور پیٹی چلائی کہ
جو گل نہ کھلنے پائے تھے پھول ان کے ہو گئے
مسند سے دولہا اٹھتے ہی تکیے میں سو گئے

ہائے، آئی برات، میرے نوشا کدھر گئے؟ اے میرے غیرت والے باب
میری بیٹی کا راج اور سہاگ کون کرے گا! ہائے وہ جہنم کی رنڈ یا ہو گئی، ہائے
س کی مانگ اجر گئی۔ تم کیسی میٹھی نیند رات بھر کے جاگے پاؤں پھیلائے سو
رہے ہو۔ آج سو دس مرگ سے ہم کنار ہوئے، آغوش بحد میں جا کر لیٹے۔
اب آفت جادو قاسم کے مقابلے پر آتی ہے، اور اسے کپڑے جاتی

ہے۔ سیارہ بھی چھپے چھپے باغ میں پہنچتا ہے)

فی الفور صورت اپنی مالن کی ایسی بنائی۔ پاؤں میں کڑے، انوٹ، بھوسے
پہنے، چنری سرخ اوڑھلی، ہنکے پر سوائی لگائی، زلف عالیہ بیز عنبر آگس کو رخسارہ
رنگیں پر چھوڑا، اور حتم غزالیں کو سرمہ آگس کیا۔ . . . پھولوں کی ٹوکری ہاتھ پر
رکھ کر چھم چھم کرتی در باغ پر آئی۔ . . .

جب آگے بڑھی، باغبانوں نے پوچھا کہ ”تم کون ہو؟“
اس نے کہا کہ ”سرکار کی مالن۔ جتنے خنظل کے ملازم ہیں سب کے پاس ہمیشہ
سے آتی جاتی ہوں۔ آج یہاں مالک آئے ہیں، میرا بھی جی چاہا کہ اس باغ کو دیکھ
آؤں؟“

باغبان بولے کہ ”تم اکیلے میں آیا کرو۔ اس وقت تو جاؤ، مگر یاروں کو نہ
بھولنا۔ ہم تو تمہاری ادا کے دوانے ہیں۔“
ایک نے کہا۔ ”ذرا منہ پھیر کر منس تو دو۔“
دوسرا بولا کہ ”ہنسی اور پھنسی۔“

غرض یہ تو سب آوازے کسنے لگے، مگر باغبانوں کے چودھری کا لڑکا تو
مالن کے سرو قامت کو دیکھ کر قمری کی طرح شوق محبت در گلو ہوا، اور سیب ذقن
پر جان شیریں کھونے لگا۔ اٹھ کر ساتھ چلا، اور کہتا جاتا تھا کہ ”اے جان جہاں،
مجھے اپنے گل رخسار کا بلبل سمجھ کر

دکھا دیں ہم دل پر دل، دل اے یار دیکھو گے؟
عجب ہی سیر سوچھے گی جو یہ گل زار دیکھو گے
لگی ہے آگ سینے میں جگر جل جائے گا غم سے
بہیں گے اشک آنکھوں سے مزہ خوں بار دیکھو گے

یہ کہہ کر نزدیک جا کر ہاتھ پکڑ لیا کہ ”میری جان ہی جاتی ہے۔ ذرا میرے
ساتھ آؤ۔“

مالن نے مسکرا کر کہا کہ ”اپنی بھینا کو بلاؤ! آگ لگاؤں تیری باتوں کو کیا
جلد مزے میں آگیا۔“

باغبان ایسا بے تاب تھا کہ اس کی باتوں کو غرہ و ناز جان کر آغوش میں اٹھا کر جس کو ٹھہری میں کہ آپ رہتا تھا لایا۔ یہاں ایک کونے میں امرود رکھے تھے، ایک میں شریفوں کی پال پڑی تھی، کہیں بیج رکھے تھے، میٹھے کدو ڈھیر تھے، بیج میں کتھری بچھی تھی، اس پر مالن کو بٹھایا۔

سیارہ اور قاسم مل کر آفت جادو کو مار ڈالتے ہیں۔ اب ملکہ کا باپ زنا ر جادو مقابلے پر آتا ہے۔ وہ جادو کے زور سے قاسم اور سیارہ کو پکڑ لے جاتا ہے اور زمین پر جادو کے دوپٹے ان دونوں کے ہم شکل ڈال دیتا ہے۔ مسلمانوں کی فوج سمجھتی ہے کہ یہ دونوں کام آئے۔

امیر اگر جنازے کے ہمراہ ہوئے، اور آنسوؤں سے رونے لگے مگر جو سردا اور تھے انھوں نے شور و اویلا فلک کو پہنچایا جس قدر لشکر کے دکان دار، اہل حرفہ تھے وہ سب روتے تھے اور علم شاہ باپ کو قاسم کے غش پہ غش آتے تھے۔ ایرج نوجوان فرزند قاسم لاش بدر سے لٹا تھا، اور کہتا تھا: "اے والد! مجھ خستہ جگر کے سر پر کون دست شفقت رکھے گا؟"

آخر وہ دونوں لاشیں بارگاہ میں آکر رکھی گئیں، صفت ماتم بچھ گئی۔ یہ خبر محلات امیر میں پہنچی۔ ملکہ خورشید خاوری مادر قاسم یہ کہہ کر کہ "ہائے میری کو کھ جڑ گئی!" فرش خاک پر گری۔ اور زوجہ قاسم ملکہ گیتی افروز، دختر لقانے چوڑیا توڑیں، نتھ اتاری، پچھاڑیں کھانے لگی کہ "ہے ہے، میرا راج سہاگ لٹ گیا۔" پھر تو ملکہ رابعہ زہدیت طلسم پوش اور علم شاہ کے بین کسی سے سننے نہ جاتے تھے۔ جب وہ کہتی تھی کہ "اے میرے کڑیل جوان، بیٹا، تمھاری برات نرگس کوہ سے پھر آئی۔ چاند سی بنو بیاہ کر نہ لائے۔ اے میرے گیسوؤں والے، میرے نازوں کے پالے، تجھے کیسی نیند آگئی؟ کون سی نظر کھا گئی؟" اس وقت بائیس ہزار عورت گرد حلقہ باندھے، دو ہتھ سروسینہ پر لگاتی تھیں، کھرام برپا تھا، پٹس پڑی تھی، درو دیوار، زمین و زمان روتا تھا، ایک ہنگامہ ماتم برپا تھا۔

ایک بولی کہ "ہائے اے بیٹا" اپنی آواز پھر سنا دے ذرا
اک کھڑی آہ سرد بھرتی تھی روتی تھی اور بین کرتی تھی

نخل شاداب نو جوانی ہائے آخستہ برج کامرانی ہائے
 گر پڑا خاک پر قلم ہو کر چس بسا رہی عدم ہو کر
 (جلد اول)

بکٹ کہانی

گمہ دار گاہ کے بکٹ کھڑا تھا۔ گوروں کا گاردا تھا ہوا تھا۔ گرہیں اُنی
 ہوئی شنگی ہاتھوں میں گورے لیے ہر سمت ٹہلتے تھے۔ برگیدہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ کوٹ
 ہتھیاروں کا بندھا تھا۔ سیارہ رومی غول سیاروں کا ساتھ لیے، ہانے عیاری
 کے جسم پر لگائے، بارگاہ کے چار طرف پھرتا تھا۔ اور علاوہ اس کے لشکر میں جس
 سردار کا تالیہ تھا وہ ساٹھ ہزار سوار اپنے ساتھ مسلح و مکمل لیے روند پھرتا، رنگا
 پھونکتا، دینے کی چوکیاں مقرر، چور مشعلیں اور سن ہتا میں روشن، "بیدار باش
 و ناظر باش" کی صدا بلند، ہوشیار ہر سردار اور جہند۔ ہر خیمے میں ہنگامہ عشرت
 برپا۔ کوئی سپاہی بستر پر اپنی رنڈی سے جلجت بولتا۔ کوئی گلہ و شکوہ کرتے کرتے
 لڑنے لگتا۔ کوئی اختلاط میں سرگرم، کہیں گانے بجانے کا چرچا۔ آرائشگی بوم،
 کہیں چوسر ہوتی، گنجفے میں خلال دینے کی شدت، قہقہے مڑتے ہیں۔ داستان
 ہوتی، کوئی شاہ نامہ پڑھ رہا، کوئی اپنے گھر کا ذکر کرتا، کوئی آگے کی فکر کرتا،
 کہ مجھ کو ایسا کچھ کرنا ہے۔

(جلد سوم)

مٹو پکو

خواجہ (عمرو) سوار ہوئے۔ طبل و نقارے بجے۔ صدائے طوق و ایدہ بولی
 باغ سے سوادے آگے بڑھے۔ باد بہاری جلو میں چلی۔ نقارچی زری پوش نقاروں
 کو بجاتے، اس کے پیچھے شتر سوار سانڈیاں اڑاتے، پھر خاص بردار غول باندھے

پلٹنیں اور رسالے باجے جنگی جاتے چلے۔ بعد ان کے طفلان قریب کر لوٹے نکلے
 کے، اور منتقلیہ عود و غبر لیے، عود برکی کا بکٹا ڈالتے، دشت کو رشک دشت
 تار بناتے لڑے۔ پھر تخت سرد کا برآمد ہوا۔ چار سو پری زادیں طلسم کی چنور
 الہام لیے، بکس رانی کرتی ہوئی، اور کئی ہزار خواص پھل پلو کے دوپٹے
 اور مٹھن میں یگانہ دہر، جو اہر کار زیور پہنے، چنگیر دان و عطر دان و گال دان
 وغیرہ ہمدے ہاتھوں میں لیے، کہا ر قدم با قدم تخت اٹھائے اس طرح سے کہ
 مکان نہ ہو رواں ہوئے۔ نقیب آگے آگے صدا ہائے ادب و تباد
 لگاتے تھے۔ ”بڑھے عمر و دولت شیران بہادر!“ کہہ کر لٹکارتے تھے۔

(جلد دوم)

آنکھوں کا ٹھکمیت

(۱)

افریساب نے حیرت سے پوچھا کہ ”تمہارے ملک میں پانچ کٹینیاں رہتی
 تھیں ان کو طلب کیا؟“

حیرت نے بہ موجب ارشاد چوب دار روانہ کیا۔ اس نے کٹینوں کو
 اطلاع دی۔ پانچوں حسب الطلب لباس مکاری زیب بدن کر کے خدمت
 شہنشاہ میں حاضر ہوئیں۔ یہ پانچوں فریب اور دغا بازی میں شیطان کو درس
 دیتی تھیں، اور نیزنگ سازی اور عہدہ پردازی و نقش بازی میں وہم و خیال
 کو سبق ڈھاتی تھیں۔ انھوں نے جب شاہ کو تسلیم کی، اس نے پوچھا
 ”تم کیا کر سکتی ہو؟“

کٹینوں نے جو شاہ کو اپنی جانب مخاطب پایا، اور موقع جسارت
 دیکھا، فوراً قریب تخت آئیں، اور بلاگردان ہوئیں کہ ”ہم تیرے واری اور
 شمار ہو جائیں۔ اور صدقے جائیں۔ ہمارے کام کو آپ کیا پوچھتے ہیں؟
 ہم نے سیکڑوں گھر غارت کر دیے، ناکھوں کو بہلا کر، پھسلا کر بیچ ڈالا،

ہزاروں نسبتیں اور بیاہ کر دیے۔ اور صد ہا طلاقیں دلوادیں۔ آپس میں دو
 شہداءے محبت کے جانی دشمنی کرادی، اور بہت بہو بیٹیاں جن کا دامن تک کسی
 نے نہ دیکھا تھا ان کو نو نو یار کر دیے، اور بڑے بڑے اڑیل ہاجنوں کے گھر
 بھیدتار جوڑوں کو کرایا۔ جہاں ہوا نہ جاسکتی تھی وہاں کا حال بتایا۔ اب دنیا
 میں تو کوئی جغل اور فریب ایسا نہ ہوگا جو ہم کو آتا نہ ہو۔ ہم آگ لگا کے پانی کو
 دوڑتے ہیں۔ دوست رہتے ہیں اور دشمنی کرتے ہیں۔ ہمارے کاٹے کا ہتر
 نہیں۔ کیسے تو زمین میں سما جائیں، اور دینار پشت ماہی تحت الثریٰ سے چرا
 لائیں، اور اگر فرمائیے تو فلک ہمارم پر اپنے سیس پہنچائیں اور ورق آفتاب
 سے سونا اتار لائیں۔ آسمان پھاڑ کر ٹھکلی لگانا ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے
 عرش اعظم ہلنے لگے۔ اس طرح دل ستائیں۔“

شہنشاہ نے یہ تقریر سن کر استفسار فرمایا کہ ”تم میں زیادہ اُستاد کون ہے؟“
 انھوں نے اپنے میں ایک عورت کو بتایا کہ وہ سب سے زیادہ ضعیف
 اور نام اس کا ہوشیار کٹنی ہے۔ اس کو سب نے کہا کہ یہ ہماری بڑی ملکہ،
 شیطان کی خالہ ہے، اور اکثر ہم کو فریب اس نے سکھایا ہے۔۔۔۔۔
 شہنشاہ ساحراں نے صفت ہوشیار کی سن کر ارشاد فرمایا کہ ”مخمو
 سرخ چشم یہاں سے بھاگ کر شکرہ رخ میں گئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ اس کو
 گرفتار کرادے، اور وہاں سے نکال لائے۔۔۔۔۔“

ہوشیار نے مراعات شہنشاہی اپنی نسبت دیکھ کر درجاک مکاری
 دہن سے شجرہ سخن ظاہر کیا کہ ”قربان جاؤں، یہ کون سی بڑی بات ہے
 جس کے لیے سرکار اس قدربالغہ تاکید میں فرماتے ہیں۔ ایسے کام تو میری
 چھوکر یاں کر لیتی ہیں۔۔۔۔۔ مخمو اور عمرو وغیرہ کو باندھ کر اگر حضور میں
 نہ لاؤں تو نام اپنا ہوشیار نہ رکھا۔۔۔۔۔“

(۲)

وہ محتالہ فقیرنی بن کر شکرہ رخ میں آئی۔ ہر طرف خیمہ و مارگاہ کے
 پرمانگنے لگی۔ ایک دن سراپے بارگاہ کے اٹھے تھے، اور نہ رُوح سیرشت

کر رہی تھی، دربار معور تھا کہ اس عجوزہ نے روبرو اگر دعا دی اور سوال کیا۔
 مہ رُخ نے اس کو بارگاہ میں بلایا، اور پوچھا کہ ”بڑھیا، تو کون ہے؟“
 اس نے کہا ”واری، میں سب عریزوں کو کھا گئی۔ اب تنہا عاقبت کے
 بورے اٹھانے کو رہ گئی ہوں، ایک جگہ نوکری کی تھی۔ آپ جانے اپنے مزاج
 میں وہی خوبو، کسی کی بات سمجھنے کی عادت نہیں۔ انھوں نے بھی چھڑا دیا۔ آخر
 بھیک مانگنے لگی۔ بی بی اب بہت آرام سے ہوں۔ دن بھر بھیک مانگنا اور شام
 کو پیر پھیلا کر سو رہنا۔۔۔۔۔“

مہ رُخ نے ارشاد فرمایا کہ ”تو میرے یہاں بقیہ عمر اپنی بسر کر۔ سرکار سے
 کھانا دونوں وقت ملے گا۔ کپڑے دیے جائیں گے۔۔۔ اور کچھ کام تجھ سے
 نہ لیا جائے گا۔“

کتنی بے عنایت دیکھ کر زبان کو صفت و ثنا میں کھولا، اور بہ راہ مکاری
 درج دہن سے گوہر سخن کو میزان بیان میں تولاکہ۔۔۔۔۔ میں بھی یہی امید
 کر کے آئی ہوں۔ مدت العمر سائے عاطفت، پیرایہ دامن دولت حضور میں ہوں
 اور زمرہ مناجاتوں میں شمار کی جاؤں۔“

(عمر و غیار کتنی کو پہچان لیتا ہے، اور آخر وہ عمرو کے ہاتھ سے ماری
 جاتی ہے)

(جلد اول)

جادو برحق کرنے والا کافر

(۱)

آج کی رات ہر سمت اک شور و محشر بپا تھا، کہیں ڈمرو بجتا تھا، کسی جا آہنی
 جھنجھی تھی، سنگھ کھینکتا تھا۔ کوئی چپ بیٹھا دھیان کرتا تھا، کوئی مصروفِ اُشان
 میں کسی نے پکار کر بلائے تھے۔ کوئی مالا جیتا تھا، کوئی چکا بیٹھا تھا کہیں
 بھیروں اور نار سنگھ کی اگیار تھی، کہیں کاوا احمد ابیر کی پکار تھی، کسی نے موہنی کی

پڑھنت پڑھی، کسی نے لونا چاری کی بھینٹ دی، کسی نے بکرا حلال کیا تو کہیں
 سور چڑھا یا گیا۔ کوئی منتر جگاتا تھا، اور کوئی جتر بناتا تھا۔ کچڑیاں اور جھنگے پر پٹے
 پڑے تھے، کہیں انڈے کٹے تھے..... سکل ہوم کا دھواں سپردوار تک
 پیچیدہ ہو کر گھٹتا تھا۔ لونگ کا بخور ہو رہا تھا، شراب کی بوتل ہر کہیں لٹھی تھی،
 زمین ہر جگہ لپی پتی تھی، کسی جاگو کل سلگ رہا تھا۔ جو چو کی سیوا کرتے تھے انھوں
 نے یو بان جلایا تھا، یون تانتے وقت سنائے آتے تھے، ڈفلا بجنے سے ساحر
 گردن ہلاتے تھے، کوئی بیٹھا گرون کا خون اگیاری میں دیتا تھا، کوئی بانیں ہاتھ
 کی چھنگلیا چھیدتا تھا، کوئی جھومتا تھا، چو کھ جلا کر ڈنڈوت کر کے زمین چوتا
 تھا.....

کڑھاء و چڑھ گئے۔ موہن بھوگ کا بھوگ پیروں کو گایا۔ منتر جنت، موہنی اور سوہنی اور سوہنی کی جاپ اور پڑھنت شروع ہوئی۔ کوئی پڑھتا تھا کہ ”کتھا، سپاہی، بنگلہ بان، ران ران، میرے دشمن کو ران۔ شہپال جوگی نے لگائی بارسی، ایک پھول ہنسنے، ایک میں بیربے، جو سو نگھے میرا بچوں اپنا گلا آپ کاٹ مرے۔ تجھ کو قسم لو نا چماری کی، دہائی سامری کی۔ پڑھو منتر، دوائی میں جگایا۔ ایشربا جیا۔ چھو، چھو!“

بیروں کو بھینٹ دے کر قابو میں کیا، چوکیاں بلائیں۔۔۔ ایک دوسرے
نے حریفوں کے نام پر منتر کی جاب کی، جوت کاٹیان اڑایا، مال کی گیسپی پر
ناریل ناری کے ساگ میں لپیٹ کر دیا جلایا۔ کالا بھنگا اور کلہ می اور نیل کنٹھ
کے خون سے جوت اڑایا گیا۔ چراغ کی بوتیر کی۔ مسان کی مٹی، تیلی کے مردے
کی راکھ، مرگھٹ کے ٹھیکرے، مردوں کی ہڈیاں جمع کر کے دستک پڑھنت
کی تیار کی۔ ناریل اور ترنج و نارنج کی الگ مقرر کی۔ جے سامری و جمشید کی
بول کر اگیاری بڑھائی۔ رات بھر کی دھونی راکھ سو رہے۔

(جلد اول)

ہوم ہوتا تھا، جو ت کا دیا جلتا تھا۔ کسی کسی طرف شہیاں و زردشت

کی پیار تھی، کہیں لونا چماری کلیجے کھانے پر تیار تھی۔ مردے کی ہڈیوں کے
 مارے جلتے تھے، تلسی کی پرستش کرتے تھے۔ کھوپری مردے کی سیندور سے
 رنگی رکھی تھی، ایک طرف دھتورے، پھل برگد کے جلتے تھے، ہر منہز نفس
 کے باتیں کرتے تھے۔ گندے خون کے کھنچے تھے، اگیاری پر ہاتھ سینک
 کر منہ پر ملتے تھے۔ خاک اگیاری ہاتھ پر ملتے تھے، بخت دشمن کو خاک سیا
 بتاتے تھے۔ سحر کی لاگیاں تھیں، ڈھو لے جھو متے تھے، پونیں، تراگئی تھیں
 ڈھرو کی صدا سے ہندوے چرخ گھبرایا تھا، سپر اپنے اوپر چڑھایا تھا۔
 (جلد دوم)

گنگنائے کی ضرور

رات کو طشت صاف کرنے کے لیے ہترانی مہ پارہ، ٹوکرا کر پر رکھے
 ہاتھوں میں نوگرہیاں اور پاؤں میں سلی سونے کی پہنے، کان میں پتے، بالیا
 اور جھکے آراستہ کیے، بہ صد ناز و انداز، آنکھ ہر ایک سے ملاتی، اپنی آن بان
 دکھاتی جاتی تھی۔ برق (ایک عیار، عمرو کا سا تھی) نے جو اس کو دیکھا، سوچا
 کہ اندر بایگاہ کے جائے گی، اس کو لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر قریب اس کے
 گیا اور یہ شعر پڑھا۔

”دل میں تھی فرہ جبینوں سے صفائی منظور“

میری قسمت کا ستارہ ہوا جھاڑ و پیدا“

جھاڑو کا نام سن کر ہترانی نے پھر کر دیکھا اور مسکرائی، برق نے کچھ اٹرنیا
 دکھائیں اور منت سے کہا: ”واسطہ سامری کا، ایک بات میری سنتی جاؤ“
 ہترانی لایح میں آکر اس کے پاس آئی، اور کہا: ”میاں تم پہلے وہ جو
 سامنے درخت لگا ہے، اور اس جگہ گوشہ تنہائی ہے، کوئی آتا جاتا نہیں ہے
 وہاں جا کر ٹھہرو، میں آتی ہوں۔ یہاں بات کرنے میں بدنامی ہے۔ برادری
 میں پنچایت سے اٹھ جاؤں گی۔ حقہ پانی بند ہو جائے گا۔“

برق نے کہا: "ہم تیرے عوض ردنی پکائیں گے"

ہترانی بولی کہ "کیا ضرورت ہے؟ جو بات سہل ہو جائے اس کو مشکل کیوں کیجئے۔"

یہ سن کر برق اول تنہائی میں گیا۔ پچھلے ہترانی بھی ٹالا بالادے کر وہیں آئی۔ اس نے اس کو اشرفیاں دیں، اور رخسار پر محبت سے ہاتھ بھرا۔

ہترانی بولی کہ "میں بات سننے آئی ہوں۔ یہ ٹھٹھے باز ہی مجھے اچھی نہیں لگتی۔" یہ کہہ جھاوٹی بتائی اور جلنے لگی۔ برق نے ہاتھ بے ہوشی کا بھرا ہوا تلو منہ پر پھیرا ہی تھا۔ دو قدم آگے بڑھی تھی کہ بے ہوش ہو کر گری۔ اس نے زیو اور پیرہن اس کا اتار کر ایندھ سانسے رکھ کر فیض عیاری جلا کر اس کی ایسی صورت اپنی بنائی بلکہ اور زیادہ اپنے حسن کی بناوٹ کی۔ مانگ سر پر نکالی، گلے میں چھپا کلی پہنی، دو ٹپے کی گاتی اس طرح سر پر باندھی کہ چھاتی کے ابھار پر سب کی نگاہ پڑے۔ رخسار بول کر اٹھانے کے بوجھ سے ایسے تھکا کر سُرخ ہو گئے تھے کہ فی الحقیقت گلاب کو شرماتے تھے۔۔۔۔۔

اس صورت زیبا سے تیار ہو کر بارگاہ کی سمت چلا جس نے نگاہ کی بفر ہو گیا۔ سپاہی شعر عشق انگیز پڑھنے لگے۔ دربان آوازے کستے تھے۔ ایک بولا "بی ہترانی، جو کچھ گرا پڑا وہ یہاں سے بھی اٹھا لو۔"

دوسرے نے کہا: "کیوں تمھاری چوکی کون صاف کرتا ہے؟" ہترانی نے مسکرا کر کہا: "کچھ شامت آئی ہے، مجھ کو دل لگی باز بنایا ہے۔ دیکھو حضور سے آج کہوں گی۔"

یہ کہتی ہوئی اندر درگاہ کے گئی۔ اور جہاں ملازم اور کنیزان ماہ رو کا مجمع دیکھا، ٹوکرا چوکی خانے میں رکھ کر ابٹھی کہ "سامری سلامت رکھے ذرا سی تما کو کھلا دیجئے۔"

ایک کنیز نے پان لگا کر دیا، دو ٹپے سے پکڑ لیا، جھک کر سلام کیا۔

ایک خواص بولی کہ "میری بہو، کچھ گا۔"

ہترانی نے ایک غزل گائی۔ اس میں ایک خواص کو احتیاج کی ضرورت

ہوئی۔ اس نے کہا: ”تو بیٹھی مردار اٹھلاتی ہے، میرا مارے پیشاب کے براہل ہے۔ جلد جا کر کما لے، ٹوکر اٹھا لے تو میں جاؤں۔“

ہترانی نے کہا: ”بی بی خفانہ ہو۔ چلو، چلتی ہوں۔“
یہ کہہ کر اٹھی، پیچھے خواص آفتابہ لیے آئی، ہترانی نے ٹوکر اٹھا دیا اور کہا: ”آؤ۔“ وہ اندر چلے ہی آئی، اس نے جناب بے ہوشی مارا کہ اس کی آواز بھی نہ نکلی، بے ہوش ہو گئی۔ برق نے فوراً پیرہن اس کا اتارا۔ اور اس کو خوب بے ہوش کر کے آپ اس کی ایسی صورت وہیں بیٹھ کر بنا۔ اور ایک قنات کی آڑ میں اس کو لٹا کر، اور اپنے ٹوکرے کو رکھ کر وہاں سے آیا اور جہاں سے وہ کنیز اٹھ کر گئی تھی اسی بستر پر آکر بیٹھا۔ لوگ سمجھے کہ ہترانی چلی گئی ہوگی۔

اس اثنا میں دوسرے درجے میں پلنگہ ہی جو اہرکار آ رہا تھا، اور بیچ میں پردہ پڑا تھا۔ ادھر کنیزیں تھیں۔ اس طرف مصوّر (ایک جادوگر) بیٹھا تھا ایک کنیز کو انھیں میں سے بلایا تھا۔ اس سے اختلاط کر رہا تھا۔ . . .

اسی بارگاہ کے متصل بارگاہ صورت نگار مصوّر کی بیوی کی برپا ہے۔ وہ اس وقت شوہر پاس آئی، اور کنول بہ دارنیوں اور خواصوں کو دربارگاہ پر چھوڑ کر اکیلی پردہ اٹھا کر مصوّر پاس گئی۔ وہ کنیز کے اس وقت بوسے لے رہا تھا، اور کنیز بھی گردن میں ہاتھ ڈالے تھی۔

اس کیفیت کو دیکھ کر صورت نگار پیچھے ہٹی، اور مصوّر گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ کنیز بالوں کو سمیٹتی دوپٹہ اوڑھتی، پلنگ سے اٹھی۔ کہتی تھی کہ ”میاں تم تو ناحق مجھے ہذا نام کرتے ہو۔ میں راضی نہ ہوتی تھی۔ لگوڑ مارا زبردستی جو کوئی نوچا اور کھسوٹی کرے تو کیا کروں!“

لیکن مصوّر نے زور سے اپنی کہا کہ ”اے ملکہ، آپ رک کیوں رہیں؟ آئیے، آئیے!“

صورت نگار نے کہا: کیا کروں آکے؟ تم مزے اڑاؤ، مجھے بلا کر کب کر دگے؟ کم بخت جو میں جانتی کہ یہاں یہ کرشمہ ہو رہا ہے تو کاسے کو آتی؟ پرانے مزے میں کھنڈت ڈالتی۔ اور کنیز سے بولی کہ ”رہ تو، قحبہ، کیا باتیں

بناتی دھکڑے پاس سے اٹھی ہے! اب کیا پوچھنا ہے ہم گھر والی بنیں۔ سرمنڈا کر گدھے پر سوار نہ کیا تو اپنا نام نہ رکھا، لو، موت پرانی لپٹی تو پڑی تھیں، پھر راضی نہیں تھیں!“

یہ کہہ کر جوتی اتار کر دوڑی۔ لوٹدی بڑبڑاتی ہوئی بھاگی کہ ”جیسے ان کے میاں میں تعلق لگے تھے جو کسی نے توڑ لیے!“

اس وقت مصور نے آکر بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا کہ ”صاحب۔ سنو تو، سنو تو غصہ جانے دو۔ اس کی خطا کیا ہے؟ میں نے پاؤں دبانے بلایا تھا، لو، آؤ، بیٹھو۔“ یہ کہہ کر بہمنت بٹھایا۔ صورت نگار بیٹھی تو مگر رنجیدہ، کچھ رکی ہوئی۔ ہر چند مصور نے گد گدایا، مگر بات نہ کی۔ اٹھ کر اپنی بارگاہ کو چلی۔

برق سارا ماجرا کنیز بنا ہوا دیکھ رہا تھا، اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ اپنی بارگاہ میں آئی، وہاں کا سارا غصہ لوٹدیوں پر اپنی اتارا۔ کسی کو گالیاں دیں، کسی کو جوتیاں لگائیں، کسی پر کوڑا ٹھکرا۔ ناحق ناحق خفا ہوئی۔ کسی سے کہا: ”مال زادی چچاں کیسا بھرا ہے کہ سلگتا ہی نہیں!“ کسی سے کہا: ”میں نے تجھے پکارا تھا، جواب تو نے کیوں نہ دیا؟“

غرض خوب بک جھک کر برق جو کنیز بنا ہوا آیا تھا، اس طرف متوجہ ہوئی: ”بی بی دل لگن، تم میاں کو کیوں چھوڑ آئیں؟“ اس نے کہا: ”بی بی، تم پاس ہی بیٹھے دیکھ آئیں۔ مجھ سے اس لوٹدی کا حال سینے کہ کیا کیا کے ناز میاں اٹھاتے ہیں۔“

یہ بات مطلب کی جو اس نے سنی، سب کنیزوں پر خفا تو تھی، ان کو ہٹا دیا، اور ایسی برق کو لے کر بیٹھی باتیں پوچھنے لگی۔

اس نے کہا: ”بی بی، وہ دن رات ٹانگوں میں ٹانگیں ڈال کر پڑی رہتی ہے۔ میاں چلہ کھینچنے کے بہانے اسی کو تو لیے پڑے رہتے ہیں۔“

(برق صورت نگار کو بے ہوش کر کے اس کی شکل بناتا ہے اور اس پلنگ پر لیٹ جاتا ہے،)

مصور نے بعد چلے آنے اپنی زوجہ کے پہلے تو کچھ کنیز کی خاطر داری اور

دل جوئی کی۔ پھر وہاں سے بڑی رات گئے بی بی پاس آیا اور پلنگ پر بیٹھ کر اور
شانہ کچھ کر کھینچا کہ ”ادھر آؤ، منہ سے بولیو، میرا قصور معاف کرو۔“
زدجہ نقلی نے کروٹ لے کر اس کی صورت دیکھ کر منہ چھپایا اور کہا: ”جاؤ“
جاؤ، تم اپنی بیوی سے خوش رہو۔ اسی سے قصور معاف کراؤ۔ مجھ سے کیا سرو
ہے۔“

مصور نے ہاتھ باندھے، منتیں کیں، گلے سے لگایا، قسم کھائی کہ اب میں
کنیز کو بجائے اپنی ماں بہن کے تصور کروں گا۔ اس وقت برق نے سیدھے منہ سے
بات کی، اور بہن کر بولا۔ یہ بی بی کے پاس بیٹھا اور اختلاط کرنے لگا۔
(جلد اول)

کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

عرو۔۔۔ کچھ دن چڑھے میلے کے قریب حد کے پہنچا۔ جہاں کو راستہ
پایا، دس دس ہزار بیس بیس ہزار کے غول ساحروں کے آتے ہوئے نظر
پڑے۔ دکان دار دکانیں لگائے تھے۔ سروں پر گلنار، شفا لوسی، قرمری، رنگ
برنگ کی گٹریاں باندھے۔ دکانیں تمام آئینہ بند تھیں۔ بازار آراستہ ہو رہا تھا
خیام، اور بارگاہیں کہ جن کے وصف کرنے میں زبان قاصر ہے۔۔۔ استادہ
دیکھیں۔ کلس ان کے سنہرے، پہلے نظر کو خیرگی دیتے تھے، گویا ہزاروں آفتاب
نکلے ہوئے تھے۔ لاکھوں پالیں دکانداروں کی نصب تھیں۔ انبویہ خلاق تھا
کہ کوسوں تک تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔۔۔

آگے بڑھ کر صحرا میں غم گیرے کھڑے تھے، اور ایسے ایسے ساحر بیٹھے
تھے۔ نارج ہو رہا تھا۔ وہ فتنہ روزگار، معشوقہ طرح دار، رقا صہ انجن تھی جو
عاشق کی جان کی دشمن تھی، مگر کوڑے کی پچک اور گھٹنا آگے بڑھنا اس طرح کا
تھا کہ عاشق اُف کر رہ جاتے تھے۔ وہ توڑے لینا اور گھوم کر بیٹھ جانا

کوئی مشق ستم گمزی میں تھی کوئی سرگرم دلبری میں تھی
چل رہی تھی کسی سے کوئی چال بن چھری ہو رہا تھا کوئی حلال
مغل گل اک نگار خنداں تھی شکل سنبل کوئی پریشاں تھی
کسی عاشق پہ سرفرازی تھی کسی بیدل سے جبل سازی تھی
جب یہاں سے بھی آگے بڑھا، کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ساز یعنی تار
و بین و چکار اور غیرہ بجاتے ہیں، بایاں ساتھ مل رہا ہے، ٹھیکے میں ادھا بجاتا
ہے۔ نئی نئی تانیں اور اوچپیں لیتے ہیں۔ کوئی کدرا بجاتا ہے، کوئی ملا رکاتا
ہے، کسی کو پیلو اور جو گیا پسند ہے۔ تماشائیوں کا ٹھٹ لگا ہے۔ واہ وا کی صدا
بلند ہے...

جب اور آگے چلا، پالس ساقوں کی تنی دیکھیں۔ نیچے پال کے چوکا تختوں کا
بچھا تھا۔ اس پر چاندنی کافر ش دقالین آراستہ تھا۔ مقابا اور صندوقچہ
دھرا تھا۔ صندوقچے سے لگا ہوا آئینہ حلبی رکھا تھا۔ ساقین ہزاروں بناؤ کے
دلانی سفید اودی گوٹ کی اوڑھے، آگے سے طوق سونے کا دکھانے کو گلا کھڑے،
پائینچے پائچائے کے پیچھے تخت پڑے، ماتھے پر انشاں لگائے، پٹے چھوڑے، بال بنا
لب تخت با ہزاراں ناز و انداز بیٹھی تھیں۔ کان کا زیور جھوم کر جھونکے لیتا تھا،
رخ تابندہ بحر حسن تھا، اس میں اس زیور کا عکس پڑتا۔ یہ ظاہر تھا جیسے کنول
دریا میں تیرتے ہیں یا پھلیاں اور جانور ان آبی پیرتے ہیں۔ ہاتھوں میں کڑے
پڑے، دست حنائی میں پور پور پھلے تھے۔ ایک سمت لگن اور پیلوں میں نیچے
بھیگے تھے۔ سامنے کچھ حقے تیار تازہ کئے رکھے تھے۔ تپائیاں سوراخ دار تھیں۔
چلمیں اس میں گھڑسی تھیں، خریداروں کا ہجوم، کوئی گنڈہ گنڈہ لڑاتا تھا،
کوئی دونی چلم اڑاتا تھا، کوئی جوان اشرفی اور روپیہ دینے والا آکر تخت پر
ساقن کے قریب بیٹھا آنکھ لڑاتا تھا۔ ساقن بھی مسکراتی تھی۔ یہ کیفیت دوناشہ
جاتی تھی۔ ایک طرف سامنے خریدار دعائیں دیتے تھے، کشمیر اور سال جہاں مانگتے
تھے، یار قند پیسے والی چلم کے بھرونے والے اڑاتے تھے۔ کوئی کہتا تھا، "ساقن کے

دم کی خیر۔ آج پیڑ و پر کی ہم کو پلو ایے“ ساتن کہتی تھی: ”بیٹا! اب تو انگیا کے اندر کی پیو، یہ بہت عمدہ ہے!“ دم بدم چلم جا کر دیتی تھی۔ خریداروں میں یہ بحث تھی کہ ایک کہتا تھا، ”سر کرو“ دوسرا کہتا تھا، ”کیا ہم کو پست پینے والا مقرر کیا ہے؟“ اس چلم کو تم سر کرو، اب کی دو آنے کی بھر وائیں گے تو ہم سر کریں گے“ کوئی کہتا تھا: ”اور پھٹک کر بھرا آگ رکھنا“ کوئی کہتا تھا: ”ہماری چلم پر بکل کی آگ دھرنا“ دم پڑنے سے لوہیں۔ بھق بھق اٹھتی تھیں، سرور ہوتا تھا، شعر پڑھتے تھے، دائرہ اور دفن تحت پر بیٹھ کر بجاتے تھے، ٹپ، ٹھری، غزل گاتے تھے۔ عجب سماں کا نیا جلسہ تھا کہ

نیچے حقے عجب بہار کے تھے صدقے دل ان پہ سو ہزار کے تھے
ساتنوں کا عجیب نقشہ تھا قابل دید ٹھٹھاٹ ان کا تھا
نام رکھے کوئی چرس کا اگر دیں وہ اس کو جواب یہ جمل کر
”کتے بیلے ہو، دم لگاؤ تو اشرفی کی چلم ہے پی دیکھو!“
ان سے آگے بڑھ کر مدک والوں کی دکان نظر آئی، حلقہ کئے رب بیٹھے
تھے، قلبیں سلگتی ہوئی ہاتھ میں تھیں۔ مہ روحے پر جے تھے، گنگا جمنی نیچے سامنے
رکھے تھے۔ انہیں کے مقابل ایک سمت کو بھنگ فروش، سیل بٹے کی دکان، ٹھنڈا
پینے کا سامان لے، لوگوں کا مجمع لٹیا چڑھاتا، کوئی چلوں گاتا، کوئی کہتا: ”میری
ٹھنڈاں میں بادام بھی ڈالنا“ کوئی لونگ الاپچی کی فرمائش کرتا۔ کوئی کہتا: ”یاد آتا
غفور، نشے ہوں بھر پورا!“ کوئی کہتا: ”گاڑھی ہوگی تو نگاہ تاڑی ہوگی!“ کوئی پکارا کہ
”گاڑھی چھنے گی آج کسی سبزہ رنگ سے“ کوئی آزاد یہ صدائیں سناتا، نشے کی حالت
میں ہانک لگاتا

”ہے جی میں فقیروں کی طرح کھینچ لنگوٹا — اور باندھ کے تہمت چل کنج خرابات
میں اور گھوٹ کے سبزہ — یوں کیجے عبادت —“

یہاں سے جو آگے بڑھاے خواروں کا نظر پڑا۔ دکان کلوار، بستی سبھی،
اونچے چوترے پر گلابیاں شراب ارغوانی اور زعفرانی کی چنی تھیں۔ کچھ لوگ اندر دکان
میں بیٹھے تھے، بوتلیں کجیاں سامنے رکھی تھیں۔ دور چلتا تھا۔ جس کسی کو زیادہ نشہ تھا وہ

دیوار سے لگ کر چپ ہو گیا تھا۔ کچھ ان میں سنس رہے تھے، آپس میں مذاق کرتے تھے۔ مگر یہ لوگ مہذب تھے، اپنی خودی سے باہر نہ ہوتے تھے۔ کوئی شعر پڑھتا تھا، کوئی کچھ گاتا تھا اور دکان کے سامنے جوئے خوار جمع تھے وہ تو بنکار رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا ”میاں چوکی دنیا“ کوئی تھر تھر کانپ رہا تھا، کوئی کیچڑ میں ٹوٹا تھا، کوئی بے ہوش پڑا تھا، منہ سے رال بہہ رہی تھی، کسی کو ڈولی میں ڈال کر لوگ لے گئے۔ کوئی نشے میں تمام عمر کی اپنی کیفیت بیان کر رہا تھا، باہم جوتی پزیرا لڑتے تھے، بعضے جو پڑھے ہوئے تھے وہ ساقی ہے یہ کہہ رہے تھے کہ

”دے جام کہ بادہ خوار ہیں ہم کب سے اُمیدوار ہیں ہم
مے خانے کی سیر دیکھ کر آگے چلے، دیکھا کچھ ہانکے بگڑ گئے ہیں، تلوار باہم
کھینچی ہے، شور بلند ہے، لوگ بھاگتے پھرتے ہیں کہ یکا یک دھونو دھونو
ترھی اور کوتوال دوڑے کر دوڑا۔ کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے کچھ کو
پکڑ لیا۔ ایک طرف چور گرہ کٹ کر قرار ہوئے ہیں۔ کوئی کسی کی جیب کاٹتا تھا،
کوئی کسی کا رومال شانے پر سے کھینچ بھاگتا تھا۔

اس ہنگامے سے جب آگے بڑھے، حلوائیوں اور نان بائیوں کی دکانیں
بصد صفائی اور زیبائی نظر آئیں کہ حلوائی کی دکان پر کھال برنجی برابر چنے تھے۔
آگے دکان کے زنجیر برنجی پر لٹکتی تھی۔ گھنٹی اس میں بندھی تھی۔ اندر دکان
کے نوکروں نے گولے پر کڑھا دسپڑھا گئے مٹھائی بناتے تھے، الماریاں مٹھائی
سے بھری رکھی تھیں، تھالوں میں مٹھائی کو جالدار اور محراب دار چنا تھا کہ
پھول اور گلہستے بنے معلوم ہوتے تھے۔ مٹھائی پر ورق طلائی اور نقری لگے تھے
عجیب جو بن دیتے تھے.....

نان بانی بصد خوش ادائی، ظروف مسی صاف و شفاف میں طعام لذیذ چنے
ہوئے تھے۔ پلاؤ، قورمہ، زردہ، مرغ کا شوربہ، شیر مال و کباب و باقر خانی آبی
نان، ہوائی کپچے وغیرہ ہر قسم کا کھانا مہیا رکھتے تھے۔ تنور گرم تھا، پتیل چڑھا تھا،
ایک طرف ماہی توڑے میں کباب گرم تھا۔ کچھ لوگ دکان میں کھانا کھاتے تھے، کچھ
خریدار پیالے لئے کھڑے تھے۔

ان سے آگے بڑھ کر کپڑوں اور سنکریوں کی بہار دیکھی کہ ہنگے قیمت کے ہنگے پہنے سامنے ٹوکروں میں ترکاریاں، انار، امرود، شریفی وغیرہ چنے تھے جس میں ایک ایک لاثانی ہر ایک میں بہار جوانی، وہ سبزہ رنگ پیشانی، اونچا چہرہ، تانباک ہاتھوں میں مہندی لگائے، بانک لے گڈیریوں کے لئے گتے پونڈے چھلتی تھیں۔ خریدار نوجوان سامنے ٹہلتے تھے، بادام چشم سے اشارے ہوتے تھے، انار پستان کے سینکڑوں بیمار تھے۔ تولنے میں جب ہاتھ اونچا ہوا پیاری نفل میں منہ ڈالنے کو جتا چاہا کہ

دے رہا تھا فریب سیب ذقن
نار پستان پہ شیفہ تھے ہزار
پست لب پہ لوگ پستے تھے
تھے ان آنکھوں کے عشق میں بدنام
دیکھے گراں کی چھاتیوں کا ابھار
چست محرم پھنسی پھنسی کرتی
لال اطلس کے لہنگے بوٹے دار
دست رنگیں میں دست بند کڑے
رکھتی تھی ہیر پھیر باتوں میں
کیجئے اس طرح نیا فقرا
تول لیتی تھی سب کو ان کی نگاہ
بیچ مڑک پر خواہیے واسے پھرتے، دال موٹھ اور حلوا سوہن اور کچا لو اور
دہی بڑے اور گول گتے مصالحے دار بیچتے تھے قلمیں بالوں کی کپٹی پاس کلی تھیں،
کان میں سینکیں گھڑسی، کمر بندھی تھی، پتے اس میں بھرے تھے، ہر سمت صدا
لگاتے پھرتے۔ ان کو دیکھتے ہوئے جب آگے بڑھے بزازہ آراستہ پایا، کہ بزاز
تھان عمدہ کپڑوں کے ڈھیر کئے تھے۔ دلال دکان کے قریب پھرتے۔ ان کی دکانوں
سے ہٹ کر صرافہ تھا۔ ایک ایک صراف پیسوں کے ڈھیر لگائے، ٹاٹ کے نیچے
اٹھنیاں چوتیاں روپے چھپائے بیٹھا۔ شاہ جی اور سیٹھ جی لقب ان کا تھا۔ یہاں

سے آگے بڑھ کر جوہری بازار میں پہنچے۔ ایک ایک جوہری حسین یا قوت لب جان
دست فرش معقول بچھائے ڈبے، ہیرے پتے کے کھولے، جواہر کی پرکھ جاتے کر رہے
تھے۔

بازار میں برہمن قشقے ماتھے پر دیے، چندن بدن میں لگائے، لٹیا کمر میں
گھڑے، ڈول ہاتھ میں لئے، کڑا بجاتے پھرتے تھے۔ ایک طرف سقے بادے
اور رکھاٹ کی لنگیاں باندھے، کٹورے کمر میں لگائے، مشک دوش پر اٹھائے،
چھلے سے کٹورے بجاتے تھے۔ اب آگے بڑھا۔ بساط خانے کو سجادیکھا کہ دکانوں
میں زینے بنے ہیں، سفید کپڑے سے منڈھے ہیں، ان پر کھلونے اور باجے اور
اچاقو اور قینچی اور آئینے اور سوت کے گولے اور ہر قسم کا اسباب عمدہ ولایتی رکھا
تھا۔ چھتریاں ٹنگی تھیں۔ ایک طرف سرخ، سبز رنگین پیالیاں اور لڑکوں کے
کھیلنے کے چکی اور لٹو اور مپیس اور ڈولیاں رکھی تھیں۔ بعض دکان پر سی
اور سرمہ تھا، بعض کے یہاں شیشہ اور سوئی نگینے وغیرہ تھے۔ کہیں کنگھی ہاتھی دانت
اور سینگ کی نایاب تھیں۔ کہیں انگریزی چیزیں لا جواب تھیں۔۔۔ انہیں دکانوں
کے نیچے اور متصل علاقہ بند بیٹھے تھے۔ عمدہ گہنا گوندھتے تھے، پھول ریشمی بناتے
تھے، فیتہ بناتے تھے، شمسے باندھتے تھے۔ عجیب طرح کے دستکار تھے۔ فی الحقیقت
صنعت میں ہوشیار تھے۔۔۔۔۔۔ ان سے آگے حاک و نگینہ ساز اپنا نقش جارہے
تھے۔ موتی بیدھتے تھے، نگینے کھودتے تھے کہ ایک سمت سادہ کار خوش پرکار بیٹھے،
انگوٹھیاں چھلے خوش نما بنا رہے تھے۔ کچھ آگے بڑھے۔ گوٹے والے چمک دمک دکھائے
نظر پڑے۔ ہر ایک کی دکان میں پیٹیاں رکھی تھیں۔ کچھ مال سامنے کھلاتھا۔ لوگ
لیتے تھے، کوئی موٹی بام کا مانگتا تھا کہ داموں میں سستا ہوگا کوئی چوڑا پٹھا چاہتا
تھا۔ کسی نے بنت کی خواہش کی، کوئی توئی کا خریدار تھا۔

ہر جگہ دوریہ پالوں کے نیچے تختوں پر تنبولیوں اور تنبولنیوں کو بیٹھے دیکھا، تختے
سامنے رکھے، اُس پر پان ہر قسم کے چنے، ڈھولی سیدھی کر کے چھانٹتے تھے۔ سامنے
برنجی تھا لیاں چنی تھیں۔ کسی میں لونگ کسی میں الائچیاں تھیں۔ کتھے چوسنے کی بنگلے نما
کلفیاں رکھی تھیں۔

اپنے گاہک کو یوں بلاتے تھے خاص یہ پان ہیں مہوبے کے
 بیگمی پان ہے دساور کا بلکہ یہ جان ہے دساور کا
 ایک سمت خوشبو ساز دماغ و جان معطر فرماتے تھے۔ کہیں گل فروش اپنی بہار
 دکھاتے تھے۔ کسی جگہ تمباکو والے کالے دھن کی خیر منانے والے خمیرہ سادہ، کڑوا
 بیچتے تھے۔ کہیں عطار مسیحا دم دوائیں نایاب فروخت کرتے، کہیں کمہار مٹی کے برتن
 نہایت نازک اور کھلونے والے پھولوں کے عمدہ لگائے تھے۔ ایک مقام پر نیچے
 بند اپنی دستکاری دکھاتے تھے :

ایک جانب جو گندھی بیٹھے تھے اپنی اپنی دکان کو تھے وہ سب
 ہار تھے شیشوں کے وہ رنگین جیسے تابندہ خوشہ پروین
 کنڑوں میں بھی رنگ رنگ کا تیل بھاری، ہلکا، لطیف اور بے میل
 گل فروشوں کی دیکھی طرف بہار رشک سے بوستاں کو بھی ہموخار
 وہ جہانگیریاں ہے سیلے کی ہر مسخر جہاں جو پہنے کوئی
 طوق ہے موتیوں کی کلیوں کا اس کو پہنے تو نور کا ہو گلا
 ہیں چنبیلی کے ہار خوشبودار جن سے آتی ہے بوئے جسم نگار
 دیکھی تمباکو والے کی دوکان ہر طرح کا مہیا تھا سامان
 چاندی سونے کی مشکیاں عمدہ اُن پر مینا ہر ایک رنگ کا تھا
 سادہ کڑوا کسی میں تھا لبریز دلبر تند خو سے بڑھ کر تیز
 وہ خمیرہ نفیس خوشبودار جس سے آتی تھی بوئے مشک تیار
 جب نکلتا تھا منہ سے اس کا دھواں نظر آتی تھی زلف محبوباں
 تھی دکان کلال کی تڑپیں کہنے اس کو نگار خانہ چین
 کا غزی آب خورے ایسے تھے پیاس بجھ جائے جس کے دیکھے سے
 جنبش آب سے لچکتے تھے جیسے انگارایوں چمکتے تھے
 نیچے والوں میں نیچے زیب دکان ہر طرف ڈوریوں میں آویزاں
 پیچواں اک بناتا تھا بیٹھا ایک گٹا درست کرتا تھا
 کھولتا تھا کوئی نگالی کو صاف کرتا تھا کوئی قفلی کو

دیکھئے کیا بندھی ہے اُلٹی چین جس طرح ہو حسین چین بجبیں
 دیکھ کر خود پھڑک رہا ہے دم کیا ہی پایا ہے نیچے نے دم خم
 نہیں واقف ہے کوئی اس دم سے منہ لگایا تو باتیں کرنے لگے
 عمرو کو سیر کرتے اور پھرتے پھرتے شام ہو گئی..... رات کو بھی عیار
 پھرنے سے باز نہ رہے، دیکھا کہ منزلوں تک جھاڑ روشن ہو گئے، اور قندیلیں نور
 کی جواہر آگیاں درختوں میں آویزاں ہوئیں اور آتش بازی فرنگبارنگ تک
 گر گئی۔ چرخیاں وہ جو افلاک ستارہ دار کو چرخ میں لائیں، نصب ہوئیں۔ اور
 یکایک انار پڑا قے اور ہتھ پھول چھوٹنے لگے۔ قلعے میں آگ لگائی، عالم روشن
 ہو گیا۔ دنیا کو چرخوں نے منور کر دیا، زمین و زمان زرافشاں ہو گیا، ستاروں
 کا فرش منزلوں تک تھا اور آسماں سے سونا برستا تھا، چرخ زبردست آریلے پر
 تشار کرتا تھا۔ اب تو رات کے ستارے میں اپنی اپنی جگہ ہر شخص جلسہ جمائے بیٹھا تھا
 اور ہر ملک و قوم اور مذہب و ملت کا آدمی میلے میں آیا تھا۔ کہیں ہندو تھے، کہیں
 جشیہ پرست، کہیں آتش پرست تھے۔ مسلمان بھی خال خال اس ملک میں پوشیدہ
 تھے، وہ بھی میلا دیکھنے آئے تھے۔ ہر سمت جلسہ عشرت مہیا تھا، بادہ خوشگوار کا دہ
 چلتا تھا کہ

کہیں توشیشوں کے فالوس کی چین بندی
 اور ان کے بیچ وہ چھٹنا پٹاخوں کا چٹ پٹ
 کہیں شہنائی کی آواز اور کہیں کا مود
 کہیں دھنا سری اور بھیروی کہیں تھانٹ
 کہیں بھیاں، کہیں پوری، کہیں گوری
 کہیں ترانہ، کہیں دھرت اور کہیں تروٹ
 کہیں ملار، کہیں دیس، مالکوس کہیں
 کہیں پہ بھاگ، کہیں کا ٹھرا، کہیں تھاکٹ
 بنے ہوئے کہیں رادھا جی اور کنھیا جی
 پتمبر اوڑھے ہوئے سر پہ رکھے مور مکٹ

دہیں تھیں کنج گلی اور وہیں تھا بندرا بن
 سہانی دھن وہیں مرلی کی اور بنسی بٹ
 نہاتے دھوتے وہیں اور وہیں کدم کی چھانڈ
 وہ گوکل اور وہ متھرا نگر وہ جمنات
 کہیں جو دیکھا تو تھا مارواڑ کا عالم
 وہی کنار، وہی ٹکڑیاں، وہی گھٹ پٹ
 وہ آدھی رات کے سر، ان کے دیس کے گانے
 ہمارا سا نورو، متوارو لے گوا انوٹ

غرض کہ جاؤ میلے کا کہاں تک بیان کیا جائے۔ مجھ لا چند فقرے لکھ کر اصل
 مطلب لکھا جاتا ہے۔ یعنی عیار ان کو دیکھ رہے ہیں کہ مہا جن نیچے جامے پہنے،
 رٹکوں کو ساتھ لے سیر کراتے پھرتے ہیں۔ ہندوئیاں اپنا اپنا بناؤ کے پھر
 رہی ہیں، ان میں رام جہنیاں بھی ہیں۔ کہیں طوائفیں بناؤ سنگھار کئے آشناؤں
 کو ساتھ لے بیٹھی ہیں۔ کلیجی کے کباب بھن رہے ہیں۔ کہیں ایک رنڈی پر
 دو عاشق ہیں۔ اس پر قصہ ہوا ہے، کہیں لونڈے پر جھگڑا ہوا ہے۔ تلوار
 چلی ہے، دوڑ گئی ہے۔ لاگیں لگ رہی ہیں۔ نٹ تماشہ کر رہے ہیں۔ ٹنیاں
 ناتج رہی ہیں، جھولے پڑے ہیں، سادون ہوتے ہیں۔ درختوں کے نیچے دریاں
 بچھی ہیں، شریف لوگ بیٹھے ہیں، ایک سمت افیونی بیٹھے ہیں، افیون گھلتی ہے،
 گئے چھلتے ہیں، حقے تو بے کے بھرے رکھے ہیں۔ ایک نے امرود پھیلا ہے، اس کے
 ٹکڑے کر کے سب کو باہم تقسیم کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ”میں گنا ایسا پھیلتا ہوں
 کہ جیسے شمع۔ کسی نے مزعفر کی بوٹی نکالی ہے، ایک ایک ریشہ باہم دیا، تعریف
 ہو رہی ہے کہ جلیبی کی کڑکڑا ہٹ ہے۔ بعض اونگھ رہے ہیں، من منا کر بات
 کرتے ہیں۔ تالاب میں جا بجا لوگ نہاتے ہیں۔ ہندو چندن رگڑ رہے ہیں، تلک
 دیتے ہیں۔ گھور صندل کے اور قشقے ہاتھوں سے کھینچ رہے ہیں۔ کہیں درخت تلے
 لٹکن پر گھڑا رکھا ہے۔ پیندے میں اس کے مہین سوراخ کیا ہے۔ نیچے سری مہادیو
 جی کی مورت رکھی، اس پر بوند بوند پانی ٹپکتا ہے۔ بعض اور راج کا مالا ہاتھ میں

پکارا کہ ”ست ست ! اس وقت کینزیں انیسیں ، جلیسیں ، قدم پر گھر کر
سمجھانے لگیں کہ اسے نازک بدن ، یہ سن دس سال تیرا جلنے کے قابل نہیں۔ واسطہ
سامری و جمشید کا اس برہ کی آگ کو دل سے بجھا۔

ہلال نے جواب دیا کہ

”جسے عشق کا تیرکاری لگے اسے زندگی جگ میں بھاری لگے“
ساری عمر آتش فراق میں جلنے سے یہ بہتر ہے کہ اپنے دلدار کے ساتھ جل کر
غارِ ہما جرت سے ٹھنڈی رہوں کہ

لازم ہے سوز عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو

جل بجھے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

یہ کہہ کر زار زار روئی ، اور پکاری کہ

”آہ کروں تو جگ جلے اور جنگل جل جائے“

یہ پانی جیرانا جلے کہ جے ماں آہ سمائے“

اور کینزوں کو حکم کیا کہ لاؤ اسباب عروسی کہ اس رات کو سامان آخری اور

وصال جاودانی کر لیں اور ملاقات روحانی کے لئے آراستہ ہولیں۔

کینزیں کشتیاں لباس و زیور کی سامنے لائیں۔ ہلال نے اپنی زلفوں کو سنوار

کر ، اور بالوں کو بکھیر کر پشت پر ڈالا ، ہر بال میں موتی پرو دیا ... اور سی کی دھڑی

اور پان کا لاکھا اس طرح جمایا کہ دل اہل دل کا دھڑی دھڑی کر کے ٹوٹ گیا۔ بلکہ

لاکھے نے جان عشاق پر کرور کیا ... اور سر سے پاتک سرخ لباس زیب جسم فرمایا ،

شعلہ آتش عشق کو دونا بھڑکایا ، گات کو ابھار کر جو بن کا عالم دکھا کر دل عاشق کو

بے تاب بنایا ...

المختصر جب اس طرح آراستہ و پیراستہ ہو چکی ، کینزان خوش رو و یاسمن بوٹے

ستی کی پوجا کی اور ہار بھولوں کے ، دو نے مٹھائیوں کے گرد اس نازک بدن کے ڈھیر

کر دیئے۔ اور تخت پر ملکہ سوار ہوئی۔ کہا روں نے تخت اٹھا لیا۔ ہلال نے قہقہہ

لگایا ، اور بقول شاعر ہنسٹ کھیلت اب چلی ہے سائیں کے دربار ، ایک ناریل لئے

دم بدم اس کو اچھالتی روانہ ہوئی۔ جدھر سے وہ تخت نکلا تمام ساحران طلسم رعایا

لئے رام نام جپ رہے ہیں۔ بعض اکڑ بل کر کے چکر لے رہے ہیں، بعض کل کی تھیلی گلے میں ڈالے مالا جیتے ہیں، بعض گائے کی مورت ہاتھ میں لئے چند رماں کو دیتے ہیں۔ پیل کے درخت پر کھاروے کی جھنڈی بندھی ہے، چوتراہ درخت کا بندھا ہے۔ اس پر جوگی گرو الباس پہنے مندرے کان میں، کنٹھی گلے میں ڈالے شیر کی کھال پر بیٹھا ہوا مالا جیتا ہے، آگے ٹھیک رکھی ہے، اس میں اُپلہ دبا ہے، چیلے گردناریل پی رہے ہیں۔ بعض جوگی چھتری لگائے چھتر کے پیچھے بیٹھے ہیں آزاد فقیر لمبی ٹوپی پہنے مانگتے پھرتے ہیں۔ کہیں ہر شاہی اڑے رفاعی گمراہ رہے ہیں، مڑ چڑے سر چیرتے ہیں، اشراف مٹھائی لیتے ہیں، گنوار مولیٰ اور جوام اور گڑ کھا رہے ہیں۔ ہنڈولے گڑے ہیں، سوانگ کے تختے آتے ہیں۔ سیف، بوجھی سانگ نکلتے ہیں۔ کوئی منہ سے سوت نکالتا ہے، کوئی ہار نکلتا ہے، پھول اُگلتا ہے، یہی کیفیت دیکھتے دیکھتے وہ رات تمام ہو گئی۔

(چالا زمرہ کاھیلا۔ جلد اول)۔

ہمیں کیا کام عمر جاوداں سے

عمر و جب اندر باغ کے پہنچا، ایک گوشے میں ٹھیکر نظر اہ کناں ہوا عجیب معاملہ نظر آیا یعنی ملکہ ہلال سحر انگن زوجہ آفت کی جو غم شوہر میں گھر سے چلی تھی..... اس لئے یہاں ٹھیکری ہے کہ شب بھر رنج و ماتم و فوجہ و شیون کرے، اور صبح کو اپنے شوہر کے پاس جا کر اپنی بھی جان دے۔ لہذا عمر و نے دیکھا کہ کئی سو عورتیں یہ پوش ملکہ کو گھیرے، مشغول گریہ و بکا ہیں اور بیچ میں وہ غیرت ماہ تاباں خسوف الم میں مبتلا، اپنے شوہر جنہیں کو یاد کر کے بلبلاتی ہے اور روتی ہے.....

(عمر و بڑھیا کی شکل میں آتا ہے اور یہاں سے ملکہ کو الگ لے جا کر بے ہوش کر دیتا ہے)

پس پیرہن اس کالے کر اپنی صورت مثل اسی کے بنائی، اور اسے زبیل میں رکھ لیا۔ وہاں سے جب پھر کر اسی جگہ آیا کہ وہ کنیزیں کھڑی تھیں، یکایک

برایا، سب کا مجمع ساتھ ہوا۔ ہر ایک مراد اور منت مانگنے لگا، پوجا ہونے لگی، سستی کے ہاتھ سے پرشاد کے طلبگار ہوئے۔ چاہتے تھے کہ اسیں دے۔ اور سستی جب خلق کا مجمع زیادہ دیکھتی تھی، تخت ٹھیرا کر مذمت دنیائے دوں ہر ایک کو سناتی، ہر سے گیان دھیان لگانے کی تاکید کرتی کہ ”بچا! جو اپنے ہر سے پیت کرے، اور گھٹ میں جس کے وہ بسے، ہر دے میں سمائے، تن من اسی کے نام پر سوئے، اس کو پران چھوڑنا آسان ہو۔ جب چولا چھوٹے تب سکھ پائے۔ سنسار میں پریت ہر کی اچھا سنپورن ہے جس سے ہر دم ہر سے بھینٹ رہے ایک ہو جائے کہ

الف ایک بوزنگی سائیں ہر گھٹ میں دا کی پر چھائیں
 جہاں دیکھو تہاں روپ ہے نیارا ایسا ہے بوزنگی پیارا
 ”وجہیں کہے تو کیا کہے، کچھ کہنے کی نہیں بات

سمندر سما یو بوند میں، اچسرج بڑو دکھات“
 ڈفلی اور بانسری سامنے تخت کے بھتی تھی، سستی کسی کو پھول توڑ کر دیتی، کسی کو خاک پوجا پر کی اگیار کے حوالے کرتی، کلام نصیحتانہ فرماتی، روانہ تھی...
 صبح ہوتے ہوتے سستی اسی میدان میں جہاں انبار ہیزم ہے، پہنچی...
 ساری خلقت اسی طرف چلی۔ تخت کو گھیرا، پوچھنا شروع کیا کہ ہمارے یہاں اولاد کب ہوگی؟ کسی نے کہا میں محتاج ہوں۔ مجھے دھن دولت کب ملے گی؟ اسی طرح سب سوال کرتے تھے، اور جواب سستی سے پاتے تھے کہ اس غلغلے کو دیکھ کر انرا سیاب نے ساحران دربار سے حال پوچھا کہ ”یہ کیا ماجرا ہے؟“

ایک نے عرض کی کہ زوجہ آفت جادو شوہر کے ساتھ چلنے آئی ہے۔
 یہ سن کر اس نے بھی سستی کو اپنے روبرو طلب کیا۔ اور اس کے جال دل فریب کو دیکھ کر غش کر گیا۔ بہت سمجھایا کہ ”اے نازنین! ملک و مال لے، مجھے اپنا شیدا جان کر چلنے سے باز آ۔“

اس ماہ وش نے جواب دیا کہ ”اے بادشاہ، جب اس برہ کی آگ ٹھنڈی ہو تب چولا سکھی رہے، ان، دھن دولت لچھی سب خاک ہے کہ
 لکڑی جل کوئلہ بھٹی اور کوئلہ جل کر راکھ میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھٹی نہ راکھ“

یہ کہہ کر تخت سے کود کر آفت کے پاس آئی۔ اس کو بہ حکم شہنشاہ و ساحران انبار پر بٹھا چکے ہیں کہ سستی نے وہاں پہنچ کر اس کو گود میں لیا۔ اس وقت ساحروں نے آ کر سستی کے ہاتھوں پر کا جل مار کر امتحان لیا کہ یہ جل جائے گی یا عشق اس کا جھوٹا ہے، دیکھیں عشق کی آگ اس کے تن من کو جلا چکی ہے یا نہیں۔ غرض کہ جب کا جل ہتھیلی پر مارا، سستی بیٹھی ہنس اکی۔

(جلد اول)

ہم تو سفر کرتے ہیں

اسد دلاور نے اپنی جگہ پر آ کر چالیس ہزار سواران جبار کو حکم دیا کہ تیار ہو کر واسطے فتح کرنے طلسم کے چلیں۔ بجز حکم شاہزادہ گردوں و قار بارگاہیں اور خیمے چھکڑوں پر بار ہوئے اور بہادر افسران فوج مسلح مکمل ہو کر چلنے پر تیار ہوئے۔ سب بیبیوں نے صاحب قرآن کی، آکر اسد کی بلائیں لیں، اور امام منا من مانیں، اشرفیاں بازو پر باندھیں... سب نے دعائیں حمد و جان پڑھ کر شاہزادے پر دم کی اور دعادے کر رخصت کیا۔

اسد نے وہاں سے آ کر اسلحہ خانہ کھلوا یا، اور اسلحہ طلسم فیروزہ جمشیدی کہ جو انہوں نے فتح کیا ہے... نکلوایا۔ چالیس ہزار خفتان فیروزی نگار اور تیغ ہائے شر بار لے کر اپنے لشکر میں تقسیم فرمائیں، اور کئی ہزار جوڑاں تقری اور طلائی نقاروں کی شتر اور ہاتھیوں پر بار کرائیں، اور ارابے زرخ اور سفید کے ہمراہ لے، ایک روز لشکر میں ٹھہر کر سب سرداروں سے رخصت ہوا... سب نے گلے لگایا اور رخصت کیا۔ ایک رات اور ایک دن یہی ہنگامہ رہا۔

دوسرے روز... کوس سفر بجا، اور شاہزادہ بعد ادا لے فریضہ نماز سحر سوار ہوا۔ ڈنکے پر چوب پڑی، نوبت و نقارے کی صدا بلند ہوئی... ہاتھی سامنے سے نمودار ہوئے، ہستکوں پر ان کے آئینے نصب تھے، جھولیں زلفی پڑی

تھیں، علم دار علموں کو جلوے دیتے تھے۔ پھر یروں پر تعریف خدائے لایزال
 تحریر، پرجم پر ہر ایک کے سورہ انا فتحنا کی تفسیر۔ ان کے بعد گنج بال، اشتیال،
 دامی اور نقارے تقرئی وطلائی ہاتھیوں اور شتروں پر۔ نقارچی بادلہ پوش،
 پگڑیاں گلزار باندھے، چکنیں کھواب کی پہنے، دوال مرصع لئے، نقاروں پر چوب
 لگاتے، دامے رعد آسا گڑ گڑاتے، تجمل و شان دکھاتے نکلے، پھر بانوں کی قینچیاں
 اونٹوں پر، جن کے چھڑیاں جواہر کار مرصع پوش، طرح دار اونٹوں کے خور بند
 مقیشی ہر ایک گنگا جہنی گلے میں پرٹے، اپنی سج دھج دکھاتے آگے بڑھے، برابر
 ان کے ہزار ہا آدمی پیادہ، جنگ پر آمادہ، باہم تھل باندھے، گروہ کئے، تعداد میں
 پانچ ہزار، لاکھوں کا انبوہ کئے، شفا لوی پگڑیاں سر پر، انگریز کھے چست ڈانٹے،
 جوتے خرو نو کے پاؤں میں پہنے، خواصیاں شیر دھان کا ندھے پر سنبھالے، جس پر
 غلاف زربفتی چڑھے ایک طرف روانہ تھے۔ اور چار ہزار مرکب کوتل جن کا ساز
 یراق مرصع تھا، کندھے کرتے، ہیکھیں پہنے، کلفیاں دھری، ایک سر پر اور
 دوسری کنوتی کے بیچ میں لگائے، پاکھر ہر ایک کے پڑی، کھنڈیاں ٹپھوں پر چڑھیں،
 سائیس لکس رانی کرتے ہوئے پیدا ہوئے، پھر کئی ہزار سقے، کھاروے کی لنگیاں
 باندھے، وردیاں زربفت کی پہنے، گلاب، کیوڑا، بید مشک کا چھڑکاؤ کرتے،
 گرد و غبار بٹھاتے، ساتھ ساتھ ان کے بیل دار کنکر چیتے چلے گئے۔ پھر طفلان ^{طلعت} ماہ
 منقلیس سونے اور چاندی کی لئے، عود برکی کا بکٹا ڈالتے، جنگل کو رشک تاتار یا غیر
 طبلہ عطار بناتے، اپنی سج دھج دکھاتے، لباس رنگین پہنے، جواہر کے کٹے ہاتھوں
 میں پرٹے، ہر ایک شعلہ رخسار، ماہ جبین و طرح دار، گزر گئے، بعد ان کے مردھے،
 عصا ہائے تقرئی وطلائی لئے، ادب و تفاوت پکارتے:

نقیب اور جلو دار اور چو بدار یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
 ”بلاؤں، جوانوں، بڑھے جائیو دو جانب سے گئیں لئے آئیو
 اسی اپنے معمول و دستور سے ادب سے تفاوت سے اور دور سے
 بڑھے جاؤ آگے سے چلنا قدم بڑھے عمر و دولت قدم با قدم“
 علم شیر پکیہ کا پھر یر اکھلا، اس کے سائے میں گھوڑا شاہزائے کا... ارابے

زر سرخ و سفید کے لدے، شاہزادے پر زرشا کر تے، نقارے کئی ہزار ایک ساتھ
 بجتے۔ پس پشت چالیس ہزار سوار جوار چلتے پوش چار آئینہ بند، شجاعت کا ہر ایک کو
 جوش۔ گھوڑے سے گھوڑا ملائے، باگیں اٹھائے، برچی کنوٹیوں پر مرکب کے
 رکھے، دلایتیاں کمر سے لگائے، گرزگراں بار لے، ارابے ساتھ بڑے حشم و خدم
 سے ظاہر ہوئے۔۔۔ سواری بڑے عظم و شان سے مثل باد بہاری آگے بڑھی۔۔۔
 سردار رونے لگے۔ محلات میں گریہ و زاری کی صدا بلند تھی۔۔۔ شاہزادے پیرو
 ہنگاہ کے لوگ، خیمے، ڈیرے، بارگاہیں گردوں پر لدی، جملہ سامان کوچ و مقام
 شکار کا اسباب، سامان جلسہ اور باب نشاط، چنگ و رباب لئے جاتے تھے۔
 (جلد اول)

پڑاؤ

(۱)

مہ رخ نے حکم کیا کہ لشکر اپنی جگہ اترے۔ بھگت دار شاہ اسی وقت بیلدار نکلا
 اور جنگل کی جھاڑیاں جھنڈیاں کاٹ کر میدان صاف کرنے لگے۔ سطح صحرا کو شفاف
 صورت آئینہ کر دیا۔ خیام ذوی الاحترام نصب ہونے لگے۔ رن گڑھ بننے لگا دندے
 تیار ہوئے، کہیں نقب لگائی، کسی جا سرنگ کا ڈھنگ کیا، کہیں مورچہ کشادہ
 بنایا، کہیں تنگ کیا۔ جنگی سامان درست ہو گیا۔ بیج لشکر میں چشمہ آب کے قریب
 بارگاہ فلک فرما نصب ہوئی۔ منڈیوں اور گنج کے جھنڈے گر گئے، چوڑے بازار
 سجا گیا، دکانوں کے نشان ڈالے گئے، خیام شاہی کے روبرو دار دو معالیٰ کا طور مقرر
 ہوا۔ اسپکیں، بے چوبے، کندھیاں، راوٹیاں استادہ ہوئیں۔ لشکر اترائے عیش محل
 کی زنانی بارگاہ علیحدہ استادہ ہوئی، در دولت مقرر کی۔ سرداروں اور شاہ کے
 جلوس کے لئے وسط لشکر کی بارگاہ ٹھیرائی۔ پھر تخت طاووسی مقام صدر میں آراستہ
 ہوا۔ چار طرف ذنگل کرسیاں بچھ گئیں۔ سامان راحت جلد درست ہوا، کسی طرف باورجیا
 خانہ بنایا، کہیں آب دار خانہ مقرر کیا۔ ایک سمت میخانہ سجا گیا۔ لشکر میں بازاریں

اُٹھ کھل گئیں، کٹورہ کھٹکنے لگا۔

(جلد اول)

(۲)

بازار لشکر کے ہر سردار کی بارگاہ کے آگے آراستہ ہے، اور اردوئے معلیٰ کا نقشہ ہے، ایک طرف سونے کی بازار ہے، دوسری سمت جواہر کا انبار، کہیں چینی کا بازار، خاقان چین کی کھلی ہے۔ کہیں فرنگستان کی بازار لگی ہے..... ایک سمت بارگاہ سلیمانی کو دیکھا کہ ہزار ہا کلس سونے کے اس پر چڑھے ہیں، ہر کلس پر طاؤس جواہر کے، منقار میں مالے مردارید کے لئے بیٹھے ہیں۔ دونوں جانب سڑکیں، کنارے ان کے بازار چار طاق بلقیس آراستہ ہے۔ سڑک پر جواہر کٹا ہے۔ سقے بادلہ نگار لنگیاں باندھے، کٹورے سونے چاندی کے کمر میں رکھے چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ سرداران عالی تبار اپنی اپنی بارگاہ سلیمانی میں جاتے ہیں، اور لشکر امیر جہاں تک پیک نگاہ جاتا ہے، اترا ہوا نظر آتا ہے..... لشکر میں ڈنکے بج رہے ہیں، پتیلیاں چڑھتی ہیں، قورمے بھن رہے ہیں۔ بہادر ہاتھ تلواروں کے نکالتے ہیں۔ تودے بناتے ہیں تیر اندازی ہو رہی ہے۔ کسی جا سجادے بچھے ہیں، لوگ تلاوت صحیفہ ابراہیمی، کتب ربانی میں مصروف ہیں۔

(جلد اول)

(۳)

ایک لشکر ساحروں کا اترا ہوا دیکھا کہ خمیہ، خرگا ہیں استادہ ہیں۔ سایہ کی قنات تنی ہے، کڑھاؤ چڑھے ہیں، چہل پہل ہو رہی ہے، بستر ساحروں کے لگے ہیں۔ جابجا چوکے دیئے ہیں، آسنی ہر جگہ بچھی ہے۔ پوجا پاٹ میں بعض مصروف ہیں، بعضے اشان، گیان دھیان میں ہیں۔ کنوئیں پختہ بنے ہیں، دھوٹی چھانٹ رہے ہیں۔ کوئی سوچ سے آنکھ ملانے، ہاتھ جوڑے کھڑا ہے، کوئی ہوم کر رہا ہے، سامنے اگیار گئے چپ کرتا ہے، کوئی رسوئی کرنے میں مشغول ہے، بھونریاں لگاتا ہے۔ کسی نے سب کام سے فراغت پائی، آرام میں ہے۔ کوئی عیش و نشاط کے کام میں ہے۔ دن دائرہ کہیں بج رہا ہے، کسی جگہ چکارا اور ڈھولک کا سماں ہے۔ کوئی کسرت کرتا ہے۔ پٹا بانک ہوتا

ہے، کہیں ڈنڈا اور گدرا کا چرچا ہے، کوئی نایب دیکھنے میں مصروف ہے، کہیں حسن خوب سے کوئی مالوت ہے۔

(جلد اول)

(۴۱)

خیمہ ہائے عالی شان استادہ ہونے لگے، کندھے، سواپٹے، بے چوبے قرینے سے سجے، سابر کی قنات تنی۔ بارگاہ میں مسل درسل پالیں، چھول داریاں، نم گیرے کھڑے ہوئے۔ سرداروں کے لئے بارگاہیں، سواروں کے لئے تینو استادہ تھے۔ لشکر جب اتر چکا اُس وقت بازاری، بیوپاری، کنجڑے، قضا، نان بانی، کونڈیے ہر جگہ لے جا کر آباد کرنے لگے۔ بازار کے لئے ہر جگہ کوتوال، اہل کار، محافظ ہوا۔ لشکر میں ایک شہر کی کیفیت حاصل تھی۔ دکانیں کھلی ہوئیں، خرید و فروخت ہوتی تھی کہ شام آئی۔ اس دم ہر چوک میں گلاس روشن ہوئے، دکانوں میں چراغ جلنے لگے۔ مردان لشکر پھرنے لگے، سپہ سالار لشکر کئی کئی ہزار سوار لے کر لشکر کے گرد طایہ پر مقرر ہوئے۔ کوتوال گشت کو اٹھٹے۔ نرسنگھے پھنکے، بد معاش گھرنے لگے۔ بیدار باش، خبردار باش کی صدا بلند ہوئی۔

(جلد اول)

گھرنہ سہی گھاٹ

دیکھا کہ ایک دھوبی بیل پر لادی لادے، کندھے پر میلے کپڑوں کی گٹھری رکھے، جامدانی کا انگر کھا پہنے۔ ہاتھوں میں چاندی کے کڑے پڑے ہوئے، بموجب مثل دھوبی کا چھیلا، آدھا اُجلا آدھا میلا، بنا ہوا، برہاگا۔ ما آتا ہے۔ اور پیچھے اس کے بہت سے دھوبی بیلوں پر کڑے لادے، اور بیلوں کے گلے میں گھنٹیاں پڑی ہوئیں۔ کسی بیل پر دھوبن ٹانگیں پھیلائے سوار، ڈوری ناتھ میں بندھی ہوئی، ہاتھ میں لئے ہوئے گھما گھما کر بیل کو مارتی جاتی اور کسی بیل پر پاٹا اور تناؤ کے بانس لدے پیچھے اس کے دھوبی پتلا بھٹی چڑھانے کا اور ناند اسوندھن کرنے کا کندھے پر اوندھائے

نہ لڑکے کا ہاتھ پکڑے، ”بھیارے بھیا“ کہتا چلا آتا ہے۔

(جلد اول)

جل ٹھنڈے

عمر و نے کنارے ٹھیکر کر اپنی صورت بھی سقوں کی ایسی بنائی۔ کھارو
نا کی لنگی باندھی، تسمہ گلے میں ڈالا، سر پر پگڑی باندھی، پیچ پگڑی کا اندھیری ڈال
کے لئے کھلا رکھ کر گردن میں لپیٹ لیا۔ کٹورے کمرے لگائے، کانٹے تسمے میں
باندھے، تسمہ مشک باندھنے کا کاندھے پر الٹ کر ڈالا، اور مشک آڑی کر کے گلے
میں ڈال کر پشت پر سنبھالی۔

(جلد اول)

اربعہ عناصر

(۱)

ناگاہ منڈھی بنی، موئی نظر آئی کہ نرکل کی منڈھی، سامنے اس کے دھونی
رہائی ہے۔ درختوں کا صرفہ ہے، اس میں قفس ہے، طائروں کو ٹانگتا ہے۔ ایک
گھوڑی منڈھی کے اس پار چھوٹی پھرتی ہے۔ دھونی کے کنارے دسپنا کھڑا ہے،
چلم گانجے کی اونڈھی، اُپلا دبا ہے، پنجروں میں پدا، لوا، تیترا، بلقا، دھنیر،
کوکلا، طوطا، مینا ہے، مرگ چھالے پر اتیت بیٹھا ہے، لنگوٹا بندھا ہے، قشقہ
ماتھے پر کھنچا ہے، آنکھیں لال لال نشے میں بھری کمال ہیں۔ (جلد دوم)

(۲)

اپنی صورت ایک مہنت کی ایسی بنائی۔ کان میں کنڈل ڈالے، جٹائیں بالوں کو

بٹ کر لٹکائیں، سارا جسم خاک سے بھرا، دست پناہ ہاتھ میں لیا، لوہے کا کڑا ہاتھ میں پہنا، لنگوٹا اس طرح باندھا کہ موئے زہار باہر نکلے رہے۔

(۳۱)

صورت اپنی مثل ایک جوگی کے بنائی۔ یعنی چار ابرو مونڈ کر ہتھ باندھی تسمہ اس پر لگایا، جھولانگے میں ڈالا، کشکول گدائی کے کڑے میں تسمہ ڈال کر کاندھے سے لٹکایا، کڑا لوہے کا ہاتھ میں ڈالا۔ اور وہاں سے اس جگہ جہاں یہ ساحرہ سو رہی تھی پہنچ کر ایک شاخ درخت تھام کر صدا کہنے لگا۔ آنکھیں بند تھیں اور بہت زور سے چیختا تھا۔ کہتا تھا کہ

اس نگری سے کام نہیں، خاص وطن کو جانا ہے
دنیا دولت لوگ کٹم پر ناحک جی بھٹکانا ہے
ہل کے چلے لوگن سے، پھر یہاں نہیں آنا ہے
بھگوت آٹھ پہرنا بھولے، ہر کو منہ دکھلانا ہے

(جلد دوم)

(۳۲)

جنگل سے لکڑیاں جلدی جلدی کاٹ کر چار طرف ستون بنائے، اور چھت پر پتیاں بچھا دیں۔ اور ساری چھت پر بیلدار درخت کی بیل بچھا دی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ منڈھی کسی فقیر کی ہے۔ غرض اس منڈھی کے دروازے پر سیلے تانے، ٹھٹھکے منکے سے درست ہو کر، ہتھ باندھ کر، الف آزادی قشقے کی طرح ماتھے سے ناک تک کھینچ کر تلک پیشانی پر دے کر بیٹھا۔ ایک ٹھیک آگے رکھ لی... لکڑیاں بڑی بڑی سلگادیں... دھواں چار طرف پھیلا۔ بیچ میں لکڑیوں کے آپ بیٹھا۔ بعد کھوڑے عرصے کے آذر جادو گر آ کر پہنچا، دیکھا ایک فقیر بیٹھا، اپنی مونج میں جھوم رہا ہے، ٹھیک رکھی ہے، دھونی رمائے ہے، دسپنا ٹھیک میں گھر سا ہے، منڈھی کے ایک طرف تلسی کا پیڑ لگا ہے، آسنی بھی ہے، سامنے چلم کا نچہ پینے کی رکھی ہے، نریل دھرا ہے، تپسی معلوم ہوتا ہے۔

(جلد اول)

سنچر

اس نے... فوراً اپنی صورت مثل برہمن کے بنائی۔ چند دسے دار ٹوپی پہنی،
انگو چھا کندھے پر ڈال کر ایک سرے میں انگو چھے کے پترہ باندھا، دوسرا سر اسینے کے
قریب لٹکایا، مرزائی کے نیچے جینو چھپایا، اور دھوتی پتمبری باندھی، قشقہ پیشانی پر
دیا۔ لشکر نے نکل کر ”شگن! ساعت!“ پکارتا چلا۔ جب ’اہیل‘ لشکر کو طے کر کے
صحرا میں پہنچا، برہمن نے اس کو دیکھ کر اسیں دی کہ ”بھگوان بھلا کرے، پر شیر بنائے
رکھے، نارائن کرے، بچہ اندر ہو، بول بالا ہو، دشمن رو رہے۔ اب تو آپ کی نویں
برہمپیت، چند رہا ہے بلی ہے، چولا سکھی رہے گا۔ بھگوان کی دیا سے مورے مہراج کی
بڑھتی کے دن ہیں۔ منگل پانچواں سورج کو بہتری یعنی شرف ہے، سب کام سہ
ہوں گے۔“

(جلد اول)

اس نگر میں

ایک سواد شہر دکھائی دیا۔ شہزادہ افتاں و خیزاں وہاں پہنچا، دیکھا حصار شہر
بلور کا ہے، سراسر نور کا ہے، دیوار میں نقش و نگار، تصویریں شاہ و شہریار کی بنائی
ہیں، شکار گاہیں، صحرا، کوہ و دریا کی صورتیں اصل کر دکھائی ہیں۔ در شہر واسے،
پھاٹک فیل مست کی طرح جھوم رہا ہے... دروازے کے قریب قلعہ ہے، ہزار ہا
برج اس میں بنا ہے... جب اندر شہر کے آیا، ملک کو آباد پایا۔ گلی کو چے صاف،
دل عاشق کی طرح۔ دکانیں ستھری اور شفاف، ہر طرف اکا بر شہر اور اشراف سرگرم
کاروبار، لین دین اور بیوپار جاری، ہر مکان دکان کی تیاری بڑی۔ ایک طرف صرافہ،

دوسری طرف بزارہ۔ چار طرف صرف چادریں بچھائے، کوڑی پیسے اور درم دینار کا ڈھیر لگائے، بزار اطلس و گل بدن کے تھان کھولے بیٹھے ہیں۔ خریدار پھرتے ہیں۔ کسی سمت حلوائی تھال سونے چاندی کے لگائے جن میں میٹھائی انواع و اقسام کی لذیذ و عمدہ چینی ہوئی، بیچ رہے ہیں۔ کہیں نانباتی ہیں کسی طرف کنجڑے اور قصائی ہیں، کہیں بساط خانے کی سجاوٹ ہے، کہیں گل فروشوں کی بہار، کسی طرف ساتنوں کی بناوٹ ہے۔ رنڈیاں طرح دار چکے چوک میں آباد، تماشین دل شاد۔ عورتیں جوان، ہنگے زربفت کے دھوتی کے انداز پر کسے، ساڑیاں آدھی باندھے۔ بعض کے دوپٹے میں پچاٹنگا، کمرن لگی، اس کی گاتی سورج سے زیادہ جلگاتی۔ سب گوکھرو کی انگیا کھینچی، وضع دار، کچن کا ابھار۔ جواہر نگار کڑے ہاتھوں میں پڑے، پاؤں میں تین تین سونے کے چھڑے۔ ناز و انداز دکھاتی، عاشقوں کو لبھاتی تھیں۔ کہیں کبڑیں سن کر نین سونے چاندی کی ترزو میں میوے تولتیں، عاشق تنوں کو نار پتان و سیب زرخدان کی بہار دکھاتیں۔

(جلد اول)

جن جائے انہیں لجاے

صرصر (افراسیاب کی عیارہ ہے) کو پنچہ سحر اٹھا کر اس کے خیمے میں پھر بیٹھا گیا۔ صبار فتار (عیارہ ہے) صرصر کی ماتحت، اس کے جانے سے متردد تھی، اس وقت خوش ہو کر پوچھنے لگی کہ ”اے شہزادی، آپ کہاں تشریف لے گئی تھیں؟“

صرصر نے سب کیفیت بیان کر کے کہا۔ ”چلو، برق محشر کو پکڑ لائیں۔“

یہ کہہ کر کسوت عیاری واکر کے، آئینے سامنے رکھ کر صورتیں اپنی دونوں نے تبدیل کیں، ایک تو خود عورتیں نازنین، حور جال ہیں، اور دوسرے اور بناوٹ سے مہ پارہ، حسینہ اور جمیلہ بارہ بارہ برس کم سن لڑکیاں بنیں.....

جب رات ہوئی، دونوں اپنے خیمے سے نکل کر روانہ ہوئیں، اور لشکر مہ رخ میں پہنچیں۔ جس نے لشکر میں دیکھا، ان پر شیفۃ اور فریفتہ ہوا۔ عاشق تن شر پڑھنے

لگے، نوجوان آوازے کسنے لگے۔ کوئی بولا کہ ”میں اس زلف کا سودائی ہوں“ کوئی پکارا کہ ”میں
رخ انور کا شیدائی ہوں....“ اور کوئی بے قرار ہو کر ان کے پیچھے چلا، اور کہتا جاتا تھا کہ اے
یار دنوازو اے سراپا مایہ ناز، ایک نظر ادھر بھی دیکھ لو کہ یہ دل مضطرب سیلی یاب ہوا اور مجھ بیتاب
کی جان بچے کہ:

گردش چشم سے سرے کا ضرر کیا ہو گا
دیکھ لو گے جو ادھر ایک نظر کیا ہو گا
ہم بھی اپنے دل بیتاب کو سمجھا لیں گے
پھیر لے ہم سے او بے دید نظر کیا ہو گا
اور کسی نے ان کی اچھلاہٹ اور چلبلا پن دیکھ کر دل سے دعا دی کہ
”چودھواں سال خدا خیر سے کاٹے تم پر
گھٹنے لگتا ہے مہ چار دہ پورا ہو کر“

ہمراہ ان دونوں کے مجمع عاشقاں، ہر سمت سے ہجوم جو انماں تھا... اسی طرح
شکر سے گزر کر دربار گاہ مہرخ پر پہنچیں، حاجبان درگاہ سے کہا کہ ”ہماری خبر ملکہ عالم
سے جا کر عرض کرو کہ دولٹ کیاں حاضر ہوئی ہیں“
دربانوں نے کہا: ”تم کہاں سے آئی ہو؟“

انہوں نے کہا کہ ”ہم کچھ فوج لے کر تو آئے نہیں ہیں جو تم پوچھا کچھی کہتے ہو۔ جاؤ
ملکہ سے بیان کرو۔ جہاں سے ہم آئے ہیں آپ ہی ثابت ہو جائے گا۔“
اس تقریر سے دربان خاموش ہوئے، اور عرض بیگی نے جا کر مہرخ سے بعد دعا و ثنا
کے دست بستہ التماس کیا کہ دولٹ کیاں آستانہ عالی پر حاضر ہیں، تمنا باریاب ہونے کی
رکھتی ہیں۔“

مہرخ نے مجرد سننے کے حکم دیا کہ ”سامنے لاؤ۔“
ملا زمان بارگاہ دونوں کو رو برو لائے، انہوں نے مجرا گاہ پر سے باادب اتار دے
ہو کر مجرا کیا۔ اہل دربار میں سے جس نے ان کی صورت کو دیکھا، دیوانہ رخ زیبا بناؤ
بہار اور سرخ مودنا فرمان وغیرہ دیکھ کر گویا ہوئیں کہ ”ہے ہے، کم نختیں ابھی بالکل کمسن
ہیں۔ نگوڑیوں پر نہیں معلوم کیا مصیبت پڑی ہے جو گھر سے نکلیں۔“
ایک ساحرہ بولی کہ ”ناشدنیاں صورتیں تو بھولی بھالی رکھتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ

کسی اشرف کی بیٹیاں ہیں“

ایک نے کہا: ”سہن، دیکھو یہ المطر بھی ہیں، کچھ شعور نہیں ہے۔ بال بھی رخ پر سے نہیں ہٹاتی ہیں“

غرض کہ اپنی اپنی بولیاں سب بولتے تھے، اور ان کے حسن و جمال پر فرقت تھے۔ فی الحقیقت انہوں نے اپنی بناوٹ ایسی ہی کی تھی کہ کرتیاں استینوں دار پہنے، جھولیاں گلے میں ڈالے، ناک میں ایک ایک موتی کی نتھنی پہنے تھیں، مگر روئے زیبا مثل گل تازہ کے، نسیم تنائے عاشقاں سے سگفتہ اور زلف مثل سنبل پر تاب کے کہ ہزاروں نافہ مشک ناب اس میں پوشیدہ تھے، آراستہ اور پیراستہ کر کے آئی تھیں...

مہرخ نے نہایت شفقت سے ان کو کرسی قریب تخت بیٹھنے کو مرحمت فرمائی، اور براہ نوازش و تفقد حال ان کا پوچھا۔ دونوں لڑکیاں رونے لگیں، لالی آبدار شاہوؤ اشک متصل اور مسلسل صدف چشم سے ڈھلک کر رخسار پر آنے لگی۔ خوب دھام دھاا روئیں۔

مہرخ بے قرار ہو گئی، اور پاس اپنے بلایا۔ ان کے حال زار پر رحم آیا۔ آنسو پونچھے، دلاسا دے کر بٹھایا۔

انہوں نے کہا: ”ہم ہیکل جادو کی بیٹیاں ہیں، باپ اور ماں ہمارے رہرو عدم ہوئے، ہم اکیلے رہ گئے، کوئی روٹی دینے والا کیا، خالی سر پر ہاتھ رکھنے والا بھی نہ رہا۔ اب محنت و مشقت کرتے ہیں، تیرا میرا کام کاج کر کے روٹی میسر آتی ہے، کھا کر پڑ رہتے ہیں۔ لیکن جو ان جہان ہیں، اور کم بخت پیلا چڑا ہمارا ایسا ہے جس کے سبب سے ہر شخص آبرو کا خواہاں رہتا ہے، مردوئے تاکتے جھانکتے ہیں، آواز سے کہتے ہیں۔ غریب سمجھ کر ہر شخص جو پاتا ہے کہہ لیتا ہے۔ لہذا ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہمیں کینزی میں قبول فرمائیے۔ اور رعد اور برق محشر کا شاگرد کر دیجئے کہ ہم کو انہیں گھر پسند ہے۔ ان کا کاروبار کریں گے، اور سحر بھی سیکھیں گے۔ آپ کے فرمانے سے اگر وہ ہمیں رکھ لیں تو عنایت ہے“

اس تقریر کو سن کر مہرخ نے رعد اور برق محشر کی جانب دیکھا، اور رعد اپنا نام

ان کی زبان سے سُن کر انہیں کی طرف متوجہ ہوا، اور نظر غور اس نے دیکھا کہ وہ نازنین
 مہ پارہ کم سن، قبول صورت ہیں، چھاتیاں اُبھرتی آتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ گٹھلیاں
 چھوٹی چھوٹی چھاتیوں میں ابھی پڑی ہیں، مہندی ہاتھوں میں لگی ہے، پور پور پھلتے
 پہنے ہیں، پاؤں میں چھاگلے پڑی ہیں، گلے میں طوق ان خورشید رخساروں کے ہلال آسا
 پڑا ہے، کان کے بالے رخسار پر حلقہ لگن ہیں۔۔۔ رعد کا دل ہاتھ سے جاتا رہا، اور
 عرض پیرا ہوا کہ ”اے ملکہ مہرخ“ میں ان کو بہ دل جادو تعلیم کروں گا۔“

ادھر برق محشر نے کہا: ”حضور ملاحظہ فرمائیں گی جو کچھ ان کی کیفیت ہوگی، دس
 ہی پانچ روز میں شاہ طلسم کا مقابلہ کریں گی، اور طلسم کی جو برقیں ہیں ان کا جواب
 یہی دیں گی۔ میرے ساتھ دہنے بائیں چکا کریں گی، اور آپ کے لشکر میں مجھ سمیت
 تین برق ہو جائیں گی۔“

مہرخ نے کہا: ”ان کو اپنے ساتھ خیمے میں لے جاؤ۔ سرکار سے خرچ ان کے
 آب خورش کا ملے گا۔ لیکن سحر سکھانے میں ان کو مارنا پیٹنا نہیں۔ یہ سمجھ لو کہ بے ماں
 باپ کی بچیاں ہیں۔“

برق محشر نے جواب دیا کہ ”میں اپنی بیٹیاں سمجھوں گی، اور خصوصاً حضور کا درمیان
 ان کے بارے میں ہے۔ کوئی تکلیف کسی طرح کی انہیں نہ ہوگی۔۔۔“
 قصہ کوتاہ، رعد اور برق محشر ان کو لے اپنے خیمے میں آئے۔۔۔ برق محشر نے
 لڑکیوں کے لئے مسندیں اور پلنگڑیاں جو اہر کار بکھوادیں۔۔۔ دونوں مسند پر
 جلوہ گر ہوئیں۔ رعد بھی ان کے پاس آکر بیٹھا، اور نظارہ ہال حور مثال کرنے لگا۔
 برق محشر نے کہا: ”بیٹا، تو ان کو اس طرح نظر حسرت سے دیکھتا ہے کہ بس نہیں تیرا
 جڑنگا ہوں سے انہیں پی لے۔“

رعد نے جواب دیا کہ ”اماں جان، تم ماں ہو۔ تم سے کیا پردہ ہے؟ میرا دل ان
 پر آگیا ہے!“ یہ کہہ کر ماں کی گردن میں ہاتھ ڈال کر لاڈ کرنے لگا کہ ”میری اماں، تیرے
 صدقے، تیرے قربان۔“

برق محشر تیوری چڑھا کر بولی کہ ”لو نڈے، کیا بکتا ہے؟ جو اس پکڑ، عقل کے
 ناخن لے۔ مجھے یہ باتیں نہیں اچھی معلوم ہوتیں۔ چونچلے کی باتیں کسی اور سے جا کر کہو

اور سنو، نخرے کی خوبی! بزرگی خردی سب ڈوبی! سبحان اللہ! اب تو خوب چل نکلا ہے۔ مجھ سے بھی صاف صاف کہنے لگا۔ شامتی، غارت ہوئے، موئے بے حیا، تیرے جئے کُتّا نہ جئے۔ خدا کی شان جن جانے انہیں لجاے۔ ابھی کل کا ذکر ہے کہ لسگوٹی باندھے پھرتا تھا۔ آج اس قابل تو ہوا کہ زندگی بازی کرتے لگا۔ چل چٹے، دور ہو۔ نگوڑے نکل یہاں سے۔ کیا مجھے مہر خ کے سامنے ذلیل کر ائے گا؟“

رعد ماں کے غصّہ کرنے سے پاؤں پر گرا اور لوٹنے لگا کہ ”آپ اس مقدمے میں نہ بولے میں جانوں اور یہ جانیں“

برق محشر آخراں ہے، اس کے حال پر رحم کھا کر چپ ہو رہی۔ مگر مزید احتیاط خود بھی لڑکیوں کے پاس آ کر بیٹھی کہ شاید رعد ان کو ستائے، اور یہ ناراض ہو جائیں۔ اور ادا صرصر بھی رعد کی بے قراریاں دیکھ کر گھبرائی کہ مبادا یہ ہم پر دست درازی کرے تو ہم کچھ اس کا نہ کر سکیں گے۔

یہ سوچ کر اپنے پاس سے ایک بیضہ نکالا، اور برق سے گویا ہوئیں کہ ”ہم سحر تو جانتے نہیں ہیں لیکن یہ اندھا ہے، ہم نے ایک جگہ پر پڑا پایا ہے... اس میں عجیب خوشبوئیں آتی ہیں“

رعد نے کہا: ”لاؤ میں دیکھوں“

صرصر نے اس کو حوالے کیا۔ رعد نے کہا: ”تم بھی اندھا دینے لگیں؟“

لڑکیاں بولیں: ”تم ٹھٹھے بازی کرتے ہو“

برق نے کہا: ”بیٹا، تم نے ان سے کیا کہا؟“

رعد نے ماں کو تو جواب نہ دیا، مگر مارے مہنسی کے پیٹ پکڑ کر لوٹنے لگا، اور وہ بیضہ آپ بھی سونگھا، اور ماں کے تھنوں سے لگا دیا۔ اس میں غضب کی بے ہوشی تھی، دونوں سونگھتے ہی بے ہوش ہو گئے۔

(جلد اول)

چلو میں آؤ

عمرو نے اندر شہر کے آکر دیکھا کہ کٹور اکھنک رہا ہے، گرم بازاری ہر طرف ہے۔

ہے۔ کرسی دکانوں کے برابر دونوں طرف، بیچ میں نچتہ پتھر کی سڑک۔ درخت مولسری کے سایہ دار کنارے سڑک کے لگے ہیں۔ خریدار، بیوپاری، سیاح ہر قسم کے لوگ خوش حال و دل شاد ہر طرف لین دین کرتے پھرتے ہیں۔ سقوں کے کٹوروں کی جھنکاہ، دالوں کی بول چال، ہر سمت دھوم دھام، خلقت کا اثر دھام۔ عمارتیں گج کی اور نچتہ تعمیر کمرے نفیس و خوش قطع و دل پذیر۔ عمرو سیرکنان قریب دارالعمارت شاہی کے پہنچا۔ یہاں سے اہل عملہ کو اسی باغ کی طرف کہ جہاں سامان دعوت اجلال ہوا ہے، بل جاتے دیکھا۔ عمرو بھی انہیں کے ساتھ ساتھ اس باغ میں آیا، یہاں بڑا سامان اور بجا تاجل شاہانہ دیکھا... فرش مکلف بچھا ہے، اجلال مسند پر بیٹھا ہے، سامنے ناتج ہو رہا ہے۔ سلیمان خاطر داری میں مصروف ہے۔ عجب طرح کا سماں بندھا ہے، جام شراب اچل رہا ہے...

عمرو یہ تماشا دیکھتا ہوا اجلال جادو کی پشت پر جا کھڑا ہوا، ساحر کی صورت بنا ہوا ہے۔ اجلال جہاں بیٹھا ہے اس کے سامنے ایک مکان معلوم ہوتا ہے اور اس کے دروازے پر پردہ پڑا ہے۔ وہ پردہ بار بار اٹھا کر ایک زن حسینہ و جمیلہ اجلال کو دیکھتی ہے، اور یہ بھی اسی طرف نگراں ہے۔ اہل محفل تو ناتج دیکھ رہے ہیں۔ کوئی اجلال کے ادھر دیکھنے کا خیال بھی نہیں رکھتا ہے۔ عمرو نے جو یہ ماجرا دیکھا، معلوم کیا کہ یہ باغ شاید محلات شاہ سلیمان سے ملا ہوا ہے، اور عورتیں بھی محلات کی دروہام پر ناتج دیکھ رہی ہیں، اور جس طرف کہ اجلال دیکھ رہا ہے، اور وہ عورت جھانکتی ہے، یہ بھی سلیمان کا کوئی زوجہ یا دختر ہے۔

پس عمرو یہ خیال کر کے اسی پردے کی جانب آیا، اور ٹھیرا رہا کہ ایک کہاری وہاں سے کسی کام کو باہر نکلی۔ عمرو نے اس سے کہا کہ ہماری بی بی بادشاہ کی بی بی پاس ملازم ہیں۔ اذرا انہیں بلا دو۔

کہاری نے کہا: ”اس پردے میں شہزادی نسرین عنبریں مو، دختر بادشاہ ناتج دیکھنے آئی ہیں، اور بی بی بادشاہ کی علیحدہ دوسرے کمرے میں ہیں۔ وہاں میں نہیں جاسکتی۔ تم وہ جو سامنے داہنی طرف کو کمرہ بنا ہے، وہاں جا کر اپنی زوجہ کو دریافت کرو۔“ عمرو نے کہا: ”اچھا“ اور وہاں سے علیحدہ ہوا اور سمجھ گیا کہ اس پردے میں

دختر شاہ ہے کہ جس کو اجلال دیکھتا ہے۔ غرض کہ کچھ عیاری تجویز کر کے عمرو کو شہ باغ میں گیا، اور ایک مردھے کی صورت بنا، شعلہ نما پگڑی سر پر باندھی، چپکن کھریا کی ہوئی پہنی، تمغہ پگڑی میں لگایا۔ عصا سونے اور چاندی کا گنگا جمنی ہاتھ میں لیا، اور دائرہ ہی سینے تک سفید درست کر کے قریب اس پردے کے آیا، اور کونا پردے کا اپنی پشت کے نیچے لے کر دیوار سے تکیہ کر کے کھڑا ہوا۔

یہاں نسرین نے جو پردہ اٹھایا، کونا دبا پایا۔ چاہا کہ پردے کو چھوڑ دے مگر عمرو نے کہا: ”اب ہے شرط؟ بادشاہ سے کہہ دوں کہ یہاں جو عورتیں ہیں وہ اجلال جادو سے اشارے کرتی ہیں۔“

ملکہ یہ سن کر دم بخود ہو گئی کہ معلوم ہوتا ہے اس مردھے نے مجھے اشارے کرتے دیکھ لیا۔ ایسا نہ ہو کہ میرے باپ سے کہہ دے۔ یہ سوچ کر جھانکنا موقوف کیا، ادھر اجلال نے دیکھا کہ جہاں سے وہ نازنین جھانکتی ہے، اب اس جگہ ایک چوہدار بوڑھا کھڑا ہے، اس کا دل بے قرار ہوا۔ چاہا چوہدار کو ہوادے مگر کچھ نہیں نہ چلا، کیونکہ سمجھا اگر سلیمان، سُننے گا تو آزر دہ ہو گا کہ زانی ڈیوڑھی سے کیا کام تھا جو چوہدار کو ہٹا دیا۔ یہ خیال کر کے خاموش ہو رہا، مگر دل بیقرار تھا۔ دم بدیم عمرو کو دیکھتا تھا۔ عمرو نے اجلال کے دیکھنے پر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ الگ اٹھ کر چلو تو میں تم سے کچھ کہوں۔ اجلال سمجھا کہ چوہدار اس نازنین کا جو مجھ سے نظارہ بازی کرتی تھی، محرم راز ہے اسی کا کچھ پیام دے گا۔ یہ سمجھ کر مسند پر سے اٹھا۔ سلیمان سمجھا کہ رفع احتیاج کو جائے گا لیکن اجلال نے کسی ملازم تک کو بھی اپنے ساتھ نہ لیا، اور الگ آ کر عمرو کو اشارے سے بلایا۔

عمرو پاس آیا۔ اجلال چینستان میں باغ کے لے جا کر کہنے لگا: ”میاں مردھے آپ نے مجھے کیوں اشارے سے بلایا ہے؟“

عمرو نے دعا دینا شروع کی اور کہا ”اے بادشاہ عالی وقار، یہ غلام دادا ملک نسرین عنبریں موکا ہے، اور ملک کو میں نے گودیوں میں پالا ہے، اور اب ملک مجھ سے کوئی امر پوشیدہ نہیں کرتی ہیں، اور ملک آپ پر فریفتہ ہوئی ہیں، اور کہلا بھیجا ہے کہ اگر آپ میرے عاشق ہیں تو ایک مکان میرے باپ سے کہہ کر الگ خال کر لیجئے، اور وہاں آپ ہوں اور وہ

ساحر جو بڑے معتبر اور آپ کے خیر خواہ ہوں وہ ہوں، اور کوئی نہ ہو۔ پس ان ساحروں کو بھیجے کہ بزور سحر اڑتے ہوئے آئیں، اور میں کوٹھے پر اسی مکان کے سوتی ہوں گی، میرا پلنگ اٹھائے جائیں۔ رات بھر میں تمہارے پاس رہوں، اور صبح ہوتے پھر میرا پلنگ اسی جگہ پہنچا دیں۔ یہی باتیں کہنے کو میں نے آپ کو بلایا تھا۔ اب فرمائیے کہ کب ملکہ کو بلوایئے گا، میں ملکہ سے بیان کروں کہ اس دن وہ کوٹھے پر سوئیں۔“

اجلال یہ پیام سن کر ایسا خوش ہوا کہ گلے سے اپنے مالا موتیوں کا اتار کر مردھے کو دیا، اور کہا: ”میں تجھے مالا مال کروں گا۔ تو ملکہ سے کہہ دینا کہ میرا بھی تمہاری فرقت میں حال غیر ہے۔ میں آج مکان خالی کرالوں گا، اور ملکہ کوٹھے پر آرام کریں۔ میں بلوالوں گا۔“ یہ وعدہ جب ہو گیا، عمرو نے کہا: ”اچھا جائیے، اور مکان خالی کرانے کی تدبیر کیجئے۔“

اجلال نہایت مسرور ہو کر پھر اپنا اور محفل میں آکر ناتج دیکھنے لگا۔ لیکن عمرو وہاں سے پھر کر اسی پردے کے پاس آیا، اور کلیم عیاری اور ڈھ کر اندر پردے کے گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک نازنین مہ جبین یعنی ملکہ نسرین عنبریں مومح اپنی چند خواصوں کے کرسی پر بیٹھی ناتج دیکھتی ہے۔ عمرو نے یہ دیکھ کر کلیم سے اپنے پیر اور دونوں ہاتھ پاؤں کو کھول دیا، یہ کلیم اور ڈھنے سے آدمی نظروں سے غائب ہو جاتا تھا، اب سارا جسم تو دکھائی نہیں دیتا، فقط سراور دست و پا ظاہر ہیں۔ اس طرح سے ملکہ کے سامنے آیا، اور کہا: ”میں بے دھڑ کا شہید ہوں، تم سب کو کھالوں گا۔“

ملکہ اور خواصوں نے جو یہ صدا سنی، اور دیکھا کہ ایک سراور ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے چلے آتے ہیں، مارے ڈر کے اوندھے منہ زمین پر گر پڑیں۔ عمرو نے غبار بیہوشی سب کے منہ پر مل دیا کہ سب بیہوش ہوئیں، اور جلدی اندر اور باہر سب طرف کے دروازے اس کمرے کے بند کر کے اسی جگہ بیٹھ کر ملکہ کی صورت دیکھ دیکھ کے ویسی ہی اپنی صورت بنائی اور ملکہ کے کپڑے اتار کر آپ پہنے، اور ملکہ کو اٹھا کر زنبیل میں رکھ لیا۔

جب اسی طرح سے عمرو درست ہو چکا، اس وقت خواصوں کو قتلہ دفع بیہوشی سنگھا کر ہوشیار کیا۔ جب وہ ہوش میں آئیں، ملکہ کو دیکھا کہ قتلہ سنگھا رہی ہے۔ غرض

جب خوب حواس درست ہوئے، کہنے لگیں کہ ”اے ملکہ عالم، واسطہ خداوند تعالیٰ جلد یہاں سے تشریف لے چلے ورنہ وہ بلاکھا جائے گی۔“

عمرو جو ملکہ کی شکل بنا ہوا تھا، کہنے لگا کہ ”دیوانیو، تم سب سے تو میں ہی مضبوط ہوں کہ تم سب بے ہوش ہو گئیں، اور میں ہوشیار ہی رہی۔“

سب نے کہا: ”واری! چاہے کچھ ہی ہو، مگر ہم آپ کو یہاں نہ ٹھیرنے دیں گے۔“ غرض وہ سب عمرو کو ملکہ کے شہر سے اس طرف کا دروازہ کھول کر اندر ایوان شاہی کے لائیں۔ عمرو نے دیکھا کہ مکان نہایت آراستہ ہے، جا بجا کمرے اور شہ نشین تعمیر ہیں، بارہ دری سراسر خوبی سے بھری، پردے رنگ برنگ کے ہر دالان کے سرے پر آویزاں ہیں، اسباب شاہانہ ہر جگہ مہیا، خوش قطع چلمیں، دیوار گیریاں ہیں

عمرو نے وہاں آکر حکم دیا کہ پلنگ میرا آراستہ کرو اور مسند پر زربچھاؤ۔ کنیزیں جہاں نسرین رہتی تھی اس مقام کو آراستہ کرنے لگیں۔ عمرو پہچان گیا کہ ملکہ جس کی تم صورت بنے ہو، اس کی یہ خواب گاہ ہے۔ بس اس جگہ جا کر یہ آرام تمام مقیم ہوا کہ کل رات کو حسب وعدہ اجلال بالائے بام جا کر آرام کروں گا۔

اب تو یہ یہاں ٹھیرتے ہیں، لیکن حال ذرا اجلال جادو کا سنو کہ جب یہ وعدہ کر چو بدار سے محفل میں آیا، سلیمان سے اس نے کہا کہ ”میں حمزہ سے لڑنے کے لئے سحر اپنا جگاؤں گا۔ مجھے ایک مکان کنارے شہر کے آبادی سے الگ خالی کر دیجئے۔“ سلیمان نے کہا: ”بہت اچھا“ اور اسی وقت حکم دیا کہ خانہ باغ باغہائے شاہی سے خالی کر کے آراستہ کیا جائے۔

ملازمان شاہی حکم پاتے ہی سرگرم انتظام ہوئے، اور ایک خانہ باغ کنارے شہر کے خالی کرایا، اور اسباب بادشاہ کے یہاں سے عیش و آرام کا دہاں جانے لگا۔ اس عرصے میں صبح بھی ہو گئی تھی، اور سلیمان نے جو جلسہ دعوت کیا تھا وہ برخواست ہوا۔ اجلال رخصت ہو کر اسی خانہ باغ کی طرف چلا، اور اپنے افسران فوج کو بلا کر حکم دیا کہ ”میں نیا سحر تیار کرنے جاتا ہوں، تم جب تک میں نہ بلاؤں میرے پاس نہ آنا۔“

یہ کہہ کر دور فقیوں کو اپنے کہ ایک کا نام انتظام جادو اور دوسرے کا نام منصرم جادو تھا، ہمراہ لیا اور اس باغ میں آیا۔ دیکھا کہ یہ مختصر سا باغ نہایت درجہ بہار آگیا،

رنگ دہ فردوس بریں ہے... حاصل کلام، اجلال بالائے بام آکر، رات بھر کا جاگاتھا، پلنگ پر سو رہا۔ وہ دونوں رفیق اس کے باغ میں سیر کرنے لگے۔ اسی طرح وہ دن تمام ہوا۔ اور ادھر عمرو بشکل ملکہ نسرین ہے۔ اس روز محل میں کنیزوں سے پوشاک اور زیور ملکہ نسرین کے پہننے کا منگا کر دن بھر آرائش و زیبائش میں مصروف رہا۔ چار گھڑی دن رہے حکم دیا کہ پلنگ ہمارا بالائے بام بچھاؤ کہ چاندنی کی کیفیت دیکھیں گے، اور وہیں آرام کریں گے۔

بجز حکم پلنگ کوٹھے پر آراستہ ہوا، اور اوٹ پھولوں کے کھڑے کر دیئے، گلاب اور کیوڑے کے قراہوں کے اور عطر کے شیشوں کے منہ کھول کر رکھ دیئے۔ گلہ سے جا بجا چن دیئے۔ غرض کہ جلد طرح کا سامان عیش و نشاط مہیا کر دیا، اور کنیزوں نے عرض کیا کہ ”واری! خواب گاہ حضور کی درست ہے۔“

اس وقت ملکہ یعنی عمرو و ہجراہ کنیزان ماہ پیکر کوٹھے پر آیا اور وہیں کنیزوں سے کچھ میوہ منگا کر کھایا، اور مسند پر بیٹھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ذکات حسن شب دیتا تھا بیٹھا بام پر ماہ بھی سائل کھڑا تھا چرخ نیلی فام پر

وہ چاندنی کی سیر، ملکہ کے حسن کی بہار، ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی، مانگ موتیوں سے بھری عجیب عالم دکھاتی تھی، جادہ کہکشاں کو راستہ بتاتی تھی۔ کنیزیں چکوری طرح اس ماہ تابان سپہر خوبی کے تصدق تھیں۔ اسی طرح پہر رات تک مصروف لہو و لعب رہیں۔ جب زیادہ رات گئی، ملکہ اپنے پلنگ پر جالیٹی، اور کنیزیں گرد پلنگ کے سوئیں۔ لیکن ملکہ یعنی عمرو نے دوپٹہ منہ پر ڈال کر سونے کے بہانے جاگنا شروع کیا، اور منتظر قدرت نمائی خدائی کا ہوا کہ دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

مگر اب اجلال نے پہر رات گئے انتظام اور منصرم اپنے دونوں رفیقوں سے کہا کہ ”میں تم سے ایک کہتا ہوں۔ اگر کسی سے نہ کہوں گے اور میرا کام کر دو گے تو مال دنیا سے غنی کر دوں گا۔ اور کل لشکر کا اپنے سپہ سالار بناؤں گا۔“

انہوں نے کہا کہ ”اگر ارشاد کیجئے تو ہم اپنا سر کاٹ کر حضور کے قدم پر نثار کریں، آپ کو جو کچھ ارشاد کرنا ہو فرمائیے کہ غلام اسے بجالائیں، اور یہ راز ہماری زبان سے ہمارے

کان تک نہ سنیں گے۔“

اجلال نے کہا: ”مرحبا“ یہی چاہئے۔ بوسنو، وہ بات یہ ہے کہ میں سلیمان
عنبریں سو کی دختر ملکہ نسرين عنبریں سو پر عاشق ہوں اور وہ بھی مجھ پر فرشتہ ہے
اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ الگ مکان میں ساحروں کو بھیج کر مجھے بلاوے۔
چنانچہ اب وہ کوٹھے پر مکان کے جہاں میری دعوت ہوئی تھی اور ناتج ہوا تھا،
سوتی ہوگی۔ تم جا کر پلنگ اس کا اٹھا لاؤ۔ اور اس کوٹھے پر جو عورتیں سوتی ہوں
ان کو سحر کر کے بے ہوش کر دینا کہ بعد اٹھا لانے ملکہ کے کسی کی آنکھ نہ کھلے، اور ملکہ کا کوئی
متلاشی نہ ہو۔“

انتظام اور منصرم نے عرض کیا: ”حضور! کتنی بڑی بات ہے، اسی وقت
غلام بجا آوری حکم کرتے ہیں۔“

یہ کہہ کر دونوں سحر پڑھ کے اڑے۔ ملکہ نسرين کے کوٹھے کے قریب پہنچے۔ دیکھا
کہ ملکہ محو خواب ناز میں ہے، ایک پائینچا رانوں تک چڑھا ہے، دوسرا پلنگ کے
نیچے لٹک رہا ہے، سراپا غرق دریاے جواہر ہے، کمرتی سوتے میں اوپر چڑھ گئی ہے،
شکم لوح سیمیں کی طرح چمکتا ہے۔ جوڑا بالوں کا کھلا ہے، زلف چلیا کمر سے لپٹ گئی
ہے، ہاتھ کہیں ہے، پاؤں کسی جا ہے، جوانی کی نیند میں کچھ خبر نہیں کہ کیا کھلا ہے۔
انتظام اور منصرم دونوں نے دور سے سحر پڑھا کہ کنیزیں جو پلنگ کے پاس سوتی
تھیں، ان پر بے ہوشی طاری ہوئی، اور ایسی ہوا ٹھنڈی چلی کہ جو جاگتی تھیں وہ
بھی سو گئیں۔ اس وقت وہ دونوں اوساحر کوٹھے پر سے اترے اور ملکہ کے پلنگ دو طرف سے
دونوں نے اٹھایا، عمرو کہ باطن میں بیدار تھا، سمجھ گیا کہ اب اجلال نے بلایا۔ دیکھے اب کیا
گزرتی ہے؟ غرض نظر بفصل کردار کر کے خاموش ہو رہا اوساحر پلنگ لے ہوئے ایک لمبے میں پاس
اجلال کے حاضر ہوئے، اور پلنگ فرش پر لا کر رکھ دیا۔

اجلال حیم براہ انتظار رکھتا تھا۔ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور کہا:
”اب تم دونوں جا کر نیچے کوٹھے کے آرام کرو، اور خبردار کسی کو یہاں آنے نہ دینا۔
اور تم بھی بغیر میرے بلائے یہاں نہ آنا۔“
وہ دونوں یہ حکم سن کر نیچے کوٹھے کے اتر گئے۔۔۔ اجلال یہاں ملکہ کے قریب

آیا، اور دوپٹہ رخ روشن سے سرکایا۔ شعلہ برق حسن کہ چمک سے نظر اس کی خیرہ ہوئی
عجب حسن خداداد نظر آیا کہ پیر فلک نے بھی کسی ایسے نوجوان کو بہا میں ہمہ کہن سالی نہ
دیکھا ہوگا، اور گوش روزگار نے کسی کے حسن زیبا کا ایسا تذکرہ خوبی نہ سنا ہوگا...
اجلال کو صورت دیکھ کر بے ہوشی طاری ہوئی، مگر اپنے تئیں سنبھال کر لگا پاؤں
ملکہ کے دبانے کہ ایک بار عمر و کروٹ لے کر بیدار ہوا، اور کنیزوں کا نام لے کر پکارا۔
اجلال نے سراپنا قدم پر رکھ دیا۔ اور عرض کیا کہ ”کنیزیں تو یہاں نہیں ہیں، مگر یہ
غلام تازہ حضور کا حاضر ہے...“

ملکہ نے ایک بارتیوری چڑھا کر اجلال کی طرف دیکھا، اور دوپٹہ سنبھال کر
اٹھی۔ اور بال بھرے ہوئے سمیٹ کر جوڑا باندھا اور دونوں پاؤں کو پلنگ سے
لٹکا دیا۔ اجلال کی جانب سے منہ پھیر لیا، اس ادائے معشوقانہ کو اجلال دیکھ کر
مرگیا۔ اور پروانہ وار گرد اس شمع کے پھرا۔

ملکہ نے کہا: ”آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ تم کوئی جن ہو یا آسیب ہو۔ کون ہو؟
مجھے یہاں کون لایا ہے؟ یہ مکان کس کا ہے؟“

اجلال نے یہ باتیں سن کر عرض کیا کہ ”اے جان جہاں و اے آرام دل ششانی،
جیسا آپ کے دادا جی نے مجھ سے فرمایا دیا صاحب الارشاد حضور یہ غلام عمل میں آیا۔
اور سب ماجرا چو بدار کی گفتگو کا بیان کیا۔“

ملکہ یہ حال سن کر مسکرائی اور دامن کو جھٹک کر اٹھی اور کہا: ”اے نابکار،
ساحر غدار، میں اسی طرح پیادہ پا اپنے گھر جاتی ہوں، اور موسے بڑھے چو بدار کو
جس نے مجھ پر طوفان جوڑا ہے، اور تیری عاشقی کا الزام مجھ پر لگایا ہے، دیکھ تو کیسی
سزا دلاتی ہوں کہ وہ بھی یاد کرے، اور اس امر کی خبر اپنے باپ سے کر کے افراسیاب کو
کو نامہ لکھاتی ہوں کہ مونڈی کاٹے تجھے وہ ذلیل کر کے طلسم سے نکال دے۔ اسی طرح
ننگ و ناموس میں بادشاہوں کے در اندازی کرتا ہے، اور پرانی بہو بیٹیوں کا ستیانائے
کھوتا ہے۔“

اجلال یہ باتیں غصہ ناک سن کر ڈرا، منتیں کرنے لگا کہ ”اے ملکہ عالم، ایک لمحہ
یہاں تشریف فرما ہوں تاکہ میں شرط خدمت بجالاؤں، اور پھر حضور کو خواب گاہ کی جانب

پہنپاؤں “

ملکہ نے کہا: ”خدمت تو جا کر اپنی والدہ یا ہمیشہ کی کرنا۔ خبردار! مجھ سے ایسے کلام زبان پر لائے گا تو سزا پائے گا“

اجلال نے پھر دست بستہ کہا کہ ”اے ملکہ! آپ تھوڑی دیر مسند پر جلوہ انگن ہوں۔ میں نظارہ گلشن جمال کروں، اور گل چینی باغ حسن کی کر کے دامن نظارہ بھروں۔ مجھے سوائے آپ کی صورت دیکھنے کے اور کچھ کام نہیں.... اے مونس جان عاشقا! اے شہنشاہ خواباں! میں تیرا ایک ادنیٰ غلام ہوں“ یہ کہہ کر قدم پر گرا، اور ملکہ اس کی منت دیکھ کر خراماں خراماں... آکر مسند پر بیٹھی، اور اجلال سامنے موڈب بیٹھ گیا۔

اب یہ کیفیت ہے کہ

چو خانہ خالی و معشوق مست ناز بود

تو انگریست ہر آں کس کہ پاک باز بود

اجلال جب دست ہوس بڑھاتا ہے، ملکہ کبھی تیوریاں چڑھاتی ہے، کبھی روکھی صورت بناتی ہے، کبھی سسکی بھرتی ہے، کبھی مسکرا کر اس کے خرمین جان پر برق آفت گراتی ہے، خنجر موج تبسم کا زخمی بناتی ہے، ہنگامہ راز و نیاز گرم ہے، ادھر شوق، ادھر شرم ہے۔ جب زیادہ الحاح و زاری اجلال نے کی، ملکہ نے کہا کہ ”تو بھی بڑا بیوقوف“ کا ٹھکا لوسے، پھیکے غمزے کرتا ہے، اور خوان دعوت کو بے نمک رکھتا ہے۔ نہ شراب نہ کباب، اور پھر یہ اضطراب، مہمان کو یونہی بلاتے ہیں، خالی اپنا مطلب بتاتے ہیں۔ سچ ہے، مردوے بھی کتنے خود غرض ہوتے ہیں، اور تجھ میں تو بوئے محبت ذرا نہیں، سوائے اپنے مطلب کے دوسرے کی پروا نہیں“

اجلال یہ باتیں سن کر شرمندہ ہوا، اور دل میں سوچا کہ ملکہ سچ کہتی ہے، شراب دافع حجاب ہے، دو ایک جام پی کر یہ مست ہو جائے گی اور تیری آرزو بر آئے گی، اب بخت خفتہ بیدار ہے، کوئی دم میں ہم پہلو یہ دلدار ہے۔ بس اسی وقت سے خانہ سے اٹھ کر کشتیاں شراب کی اور تابیں گزگ کے لئے کباب کی لایا۔ گلابی اٹھا کر جام جواہر آگین میں شراب اور خوانی بریز کی، اور ساغر ہاتھ پر رکھ کر ملکہ کے پیش کش کیا کہ یہ

بادہ محبت حاضر ہے، اسے نوش کیجئے اور داد عیش و خرمی دیجئے۔۔۔۔۔

ملکہ نے وہ جام دست نازک میں لیا، اور منہ پھیر کر، تیوری چڑھا کر، سسکی بھر کر لبوں سے لگایا، اور اپنا منہ بنا کر ساری شراب اجلال پر پھینک دی، اور کہا، ”یہ شراب میرے کام کی نہیں۔ افسوس ہے کہ تو بادشاہ کہلاتا ہے مگر ٹھکے کا ٹھرا پیتا ہے، بلکہ وہ بھی اس سے اچھا ہوتا ہے۔“

اجلال نے عرض کیا کہ ”اے ملکہ، یہاں میرا ملک و مال نہیں۔ آپ ہی کے باپ نے جوئے خانہ بھجوا دیا ہے وہی تصرف میں ہے۔“

ملکہ نے کہا کہ ”بادشاہوں کو سب جگہ ہمہ نعمت مہیا ہے ع
منعم بہ کوہ و دست و بیا باں غریب نیست

اگر تو میرے آنے کے لئے اہتمام کر کے عمدہ شراب کیتکی کھینچو اور کھتا تو کیا مشکل تھا؟ مگر تجھے سوا اپنے مطلب کے کسی بات کا خیال کب تھا، خیراب تو آ پھنسی۔ جو کچھ تقدیر دکھائیگی دیکھیں گے، یہ کہہ کر ایک قلم شراب کی اپنی محرم سے نکالی، اور جام شراب سے بھر کر اس قلم سے چند قطرے ساغر میں ڈالے کہ رنگ شراب کا گلنار ہو گیا، اور اس جام کو پنجہ نگاری خورشید نما پر رکھ کر سامنے اجلال کے ہاتھ بڑھایا، اور کہا: ”او بے مروت، ساقی گری کرنا ہمارا کام ہے۔ یہ جام عنایت ہمارے ہاتھ سے نوش کر۔۔۔۔۔“

اجلال یہ چشم عنایت اپنے ساقی کی دیکھ کر مرہون منت ہوا، اور جام اس گل نام کے ہاتھ سے لے کر پی گیا۔ معاذ اللہ، وہ قطرے جو قلم سے جام میں ٹپکائے تھے وہ بیہوشی کا قاتل تھے جو عمرو نے ملا دی تھی۔ یکایک اجلال کو چکر آیا اور کہا: ”اے ملکہ! بڑی تندہ تیز شراب پیتی ہو کہ مجھے تو اس نے ایک ہی چلو میں اوبنایا۔“

ملکہ نے کہا: ”ذرا اٹھ کر ٹھلو، فرحت حاصل ہوگی، اور عجب مزایہ شراب دکھائے گی۔“

اجلال اٹھا، اور دو قدم چلا تھا کہ ہوا منہ پر جو لگی بے ہوش ہو کر گرا۔

(جلد اول)

پگ آگے پت رہے

طبل جنگ بجا... سب لشکر خبردار، چھوٹا بڑا، بہادر و نامور ہوشیار
 ہوا کہ دم سحر ملک الموت کی گرم بازاری ہے، نقد جاں کی خریداری ہے، سترق سے
 جدا ہوں گے، ہار زخموں کے بیٹیں گے۔ آج بادشاہ نے سویرے سے دربار برخواست
 فرمایا۔ ہر ایک سردار اپنی اپنی بارگاہ میں آیا۔ تیاری حرب و ضرب کی شروع ہوئی،
 تلواریں صقل و مصقل ہونے لگیں۔ کمانیں سینک کر درست کی جانے لگیں۔ بہادر
 رزم و پیکار کی تدبیر سوچتے تھے بزدلے گھبرائے ہوئے منہ نوچتے تھے۔ منچلے جوتھے
 مشتاقانہ مورچوں کو غور کر کے، ہنس ہنس کر رزم گاہ کو دیکھتے پھرتے، نامرد بے
 ہونے کا طور سوچتے، جرات زور، جاملہ، خود، بکتر درست کرتے تھے، چہروں پر
 سرخی چھائی تھی، نامردوں کے نہ پر ہوائی تھی... دو پہر رات سے دونوں لشکروں
 کے نقیب نکل کر شجاعوں کو ترغیب جنگ دلاتے تھے... غرض کہ چار پہر رات یہی ہنگامہ
 رہا...

دم سحر لشکر جانبین سے خیل خیل، ذیل ذیل، گروہ گروہ، فٹوں فٹوں میدان
 کارزار میں مسلح و مکمل آنے لگے۔ اور امیر باوقیر... فریضہ نماز سحر ادا کر کے درود
 و وظائف میں مشغول ہوئے، اور دست دعا اٹھا کر دعائے فتح و ظفر درگاہ رب الاکبر
 میں کرتے تھے...

غرض ان اسلحہ کو زیب جسم فرما کر مسجد سے صاحب قراں برآمد ہوئے... امیر
 گردن توسن پر انگشت شہادت سے ”یا علی“ لکھ کر، حلقہ رکاب میں... پاؤں
 رکھ کر ایال پر ہاتھ ڈال کر گھوڑے کی پیٹھ پر جلوہ فرما ہوئے۔ جلوہ دار نے دامن قبا
 درست کیا، بسم اللہ کا شور بلند ہوا۔ غرض دست راست میں نیزہ، دوسرا ہاتھ پیکر،
 بائیں میں عنان مرکب رشک صرصرے کرنا دعلی پڑھا، گھوڑے کو ہمیز کیا۔ سب سردار
 بھی اپنی اپنی فوج میدان رزم گاہ کی طرف بھیج کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے...

انہیں لے کر امیر در دولت آستان بارگاہ ظل الشہ جہاں پناہ... پر حاضر ہوئے اور منتظر آمد سلطانی جلوہ خانے میں ٹھہرے کہ یکایک عیش محل ڈیوڑھی کا پردہ زنبوری چرخ پر کھنچا، صدا غرائے کی بلند ہوئی، اور انتظام آمد بادشاہ ہونے لگا۔ اول بارہ ہزار طفلان ماہ پیکر، لباس عمدہ پر زریں پہنے ہوئے، ہاتھوں میں کڑے سونے کے پڑے، لوٹے لٹاٹے کے لئے، عود عنبران پر جھونکتے نکلے۔ پھر ہزار ہا پنج شاخے والیاں طلانی و نقری پنج شاخے لئے و ردیاں سرخ سرخ زیب جسم کئے نکلیں، پھر کنول دارنیا کنول بلوریں منقش لئے پیدا ہوئیں۔ پھر ہزار ہا نواب، ناظر، خواجہ سرا انتظام کرتے گزرے، اور تخت شاہی کو خادمان محل گھیرے، بادشاہ تخت پر سوار کہاریاں، پیاریاں پیاریاں، ہنگے قیمت کے ہنگے پہنے، ہاتھوں میں کڑے مگر دھان پڑے۔ کانوں میں بالے، ناز و انداز ہر ایک کے نرائے، جسم گدرا یا، شباب چھایا، تمنغے اور مچھلیاں سرو پر لگائے، تخت کو اٹھائے ظاہر ہوئیں، مردھے بسم اللہ الرحمن الرحیم پکارے۔ امیر اور سب سردار مجرا گاہ پر جا کر کھڑے ہوئے۔ ادھر شاہ کی صورت زیبا نظر آئی، ادھر سب نے گردن پئے تسلیم جھکائی۔ مردھا پکارا: ”بادشاہ مہابلی، سلطان انگاہ رو برو حمزہ صاحب قراں!“

بادشاہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ صاحب قراں نے فرشی مجرا کیا۔ شاہ نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھا کہ جگہ تمہاری دل میں ہے۔ امیر تسلیم کر کے بیٹھے۔ پھر سب سرداروں کا مجرا اور سلام ہوا... ہر ایک نے بعد سلام و مجرا کے پایہ تخت بادشاہ کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے حکم سوار ہونے کا کیا۔ سب سردار سوار ہو کر تخت شاہی کو مانند دل قلب میں قائم کر کے گرد حلقہ کئے ہوئے طرف داد گاہ مصافحہ کے لئے کھڑے۔ ڈنکے پر چوب پڑی... نقیب کڑ کا کہتے ہیں...

آنے سے دونوں لشکروں کے کمرہ ہوا کرہ خاک بنا، گاہ زمین کا اسن لچل سے سینہ چاک تھا۔ طائر آشیانہ بھولے۔ صحرائے رزم میں خوف سے ہر ایک کے ہاتھ پاؤں پھولے...

آخر کار سیلچہ کار ہوشیار نکلے، اور میدان کارزار پست و بلند ہموار کرنے لگے۔ کنکر، پتھر، خس و خوارچن کر جدا انبار لگایا، کہیں نقب اور کہیں کین گاہ کو درست کیا۔

جھنڈی، جھاڑی، درخت کاٹ کر زمین آئینہ ساں صاف بنائی۔ پھر سقوں کی آبپاشی
 کی باری آئی۔ ہر ایک سقہ خواجہ خضر کا دم بھرتا، لنگیاں بادے اور کھاروے کی
 باندھے، وردیاں پہنے، کٹورے کمرے لگائے، تسمے گلوں میں اٹکے، آبشار سنبھالے،
 ہزاری کے فوارے دہانے پر مشکوں کے چڑھائے، چھڑکاؤ کرنے نکلے کہ ان کی آبشار
 نے ساون بھادوں کی گھٹا کو شرادیا، سب فوج دریائے آہن میں ڈوبی دکھائی دی۔
 صف آرائی شروع ہوئی۔ میمنہ و میسرہ و قلب و جناح و ساقہ و مکین گاہ چودہ
 صفیں مثل سد سکندر کے آراستہ ہوئیں۔ سواروں کے آگے پیادے، جنگ کے
 آمادے، دیوار فوج تھے۔ سوار دریائے لشکر میں موج در موج تھے۔ گھوڑے برابر
 برابر تھوٹی سے تھوٹی، پٹھے سے پٹھا، دم سے دم، سم سے سم ملائے تھے۔ نقیب جو آگے
 بڑھ آتا تھا اسے پیچھے کو ہٹاتے تھے، گھٹے ہوئے کو آگے بڑھاتے تھے۔ دم بہ دم باجے
 رزمی بچتے تھے۔ مرکب الف ہوتے تھے کہ یکایک نقبائے خوش آواز اور گویے کے لڑکے
 سرود نواز کہ لٹ پٹی دستار باندھے تھے، رنگین لباس زیب قامت کئے، انہوں نے
 بالجان دلکش سرود بجا کر مذمت دنیائے دنی گائی، یہ عدا بہادروں کو سنائی کہ

"اے مقیمان تہ سقف سپہر غدار
 تابہ کے حسرت فرزند وزن و شہر و دیار
 آیہ قاعبر و یا اولی الالبصار پڑھو
 ہو خرابے میں اگر قصر فریدوں کے گزار

اے بہادران، نہ زیمانی ہے نہ سام ہے، نہ صفحہ ہستی پر نشان زال خوں آشام
 ہے، برزد ہا نہ بیزن ہے، نہ اس بلندی و پستی پر اسفند پار روئیں تن ہے۔ کیسے بہادر
 صف شکن، تہمتن نوجوان، رستم دستان، پیر فلک نے بچشم زدن تہ خاک کئے۔ مگر جرات
 سے نام باقی ہے، ہر ایک کا ذکر شجاعت کافی ہے۔ لڑائی حسن اتفاق ہے، کس لئے:
 دور محبوں گزشت و نوبت ماست ہر کرا تیج روز نوبت دوست
 تلوار کی آنج مشہور ہے، گیلے سوکھے دونوں جلتے ہیں۔ سر و گردن میں لاگ ہے،
 یہی غضب کی آگ ہے۔ زندگی دونوں کا نام ہے۔ نام کرو۔ اے نوجوانو، بڑھ کر
 سرخ رو ہو۔ جس کا قدم ٹوگ جائے گا وہ پھر کہیں آبرو نہ پائے گا۔

”لوہا لوہا سب کہیں اور لوہا بری بلائے
 پگ آگے پت رہے اور پگ پاچھے پت جائے“
 غزن یہ کہہ کر نقیب میدان سے نکلے، اور یہ صد ادلیروں، نستان شجاعت کے
 شیروں کو شراب پر تگال ہوئی۔ بہادری کا نشہ آگیا، آنکھیں ہر ایک کی لال ہوئیں،
 قبضہ ہائے شمشیر چومنے لگے، مرکب پر مست ہو کر جھومنے لگے۔
 (جلد اول)

کونڈا

امیر بے ہوش پڑے ہوئے تھے... عورتیں پیٹ رہی تھیں۔ کوئی کہتی کہ
 ”خداوند، میرے وارث کو بچالے“ کوئی پکارتی کہ ”یا خدا، مجھ کو دنیا سے اٹھالے“
 کسی کی فریاد تھی کہ ”مجھ کو میرے وارثوں کا مردہ نہ دکھانا۔ اے کریم، ان کے غم میں
 نہ رلانا“ کوئی گود پھیلا کر دعا کرتی، ماتھا نہ مین پر گر گئی کوئی بالوں سے جھاڑ دیتی۔ کسی
 نے پیرایکا ایک کا پیسہ اٹھا یا کہ ایک ایک میری مراد بر آئے۔ کسی نے اسی پیادہ سو
 سوار کو مانا تھا کہ ہم پر سے یہ جنازہ ہودے۔ کوئی ترت پھرت کی نذر مانتی کہ ہماری
 مدد غیب سے آئے۔ کسی نے سہ ماہی کے روزے اپنے اوپر قبول کئے تھے۔ کسی نے پیر
 دیدار کے کونڈے مانے تھے۔ کوئی کہتی کہ ”میں کھڑے پیر کا روزہ رکھوں گی“ اور میری
 تمنا پوری ہوگی تو کھڑا دونا دوں گی“

(جلد سوم)

وہ دھانوں کی سبزی، وہ سرسوں کا روپ

دہنی طرف کو دور تک دیہات کے باغ دکھائی دیتے، امریوں میں جھولے پڑے
 کولیں بولتیں، پیسے شور کرتے، مور کوک رہے ہیں۔ سامنے جنگل میں جھیلیں پر آب،
 تالاب بلب، چقر گرداب مارتے ہوئے، کنول کھلے ہوئے، سنگھاڑوں کی بلیں پڑی،

کو کا بلی، کو کنار پھولا ہوا، طائر ہر طرف کو غول کے غول اڑتے، کھیتوں میں گرتے۔
ایک سمت کو کھیت دھانوں کے سرسبز لہلہے۔ برابر بانس و اڑی اور ببولوں اور
تھوہڑ کا پشتہ دیا ہوا۔ ڈھیلکی چلتی، کسان سچائی کرتے۔

(جلد سوم)

اچھے گھر سے پناہ دیا

ان دونوں عیاروں نے لاکھ لاکھ قصد کیا کہ اندر جائیں، ممکن نہ ہوا۔ اس وقت
چالاک نے کہا: میں قسم کھا چکا ہوں اسی جلسے میں گھس کر اس ساحر کو مار دوں گا۔ یہ کہہ کر
الگ ایک گوشہ میں گیا اور ابوالفتح سے کہا: ”تم ایک ضعیفہ کی صورت بنو۔“

وہ بموجب الارشاد چالاک ایسی عورت بنا کہ کمر جھکی ہوئی، موئے سرفید، چہرے
پر جھریاں پڑیں، چادر گاڑھے کی اڑھے، پانچامہ سوس کا پہنے، پاؤں میں چمڑے کا جوتا،
پانچوں میں گرہ لگی، لکڑی ہاتھ میں، عصائے پیری لے سامنے آیا۔ چالاک صورت بنا
اس کی پسند کی۔ پھر آپ ایک زن کم سن، حسینہ و جمیلہ بن کر تیار ہوا۔۔۔ ایسی صورت دل فر
بنا کہ کیسے ہی کوئی عیار چاہے کہ پہچان لوں، کیا مجال جو شناخت کر سکے۔ اور اس حسن و جمال پر
از سرتا پا مرعہ گہنا جو اہر کا پہنا، موتیوں کا کنٹھا گلے میں اور سمنیں ہاتھ میں پہنیں۔ واقعی
وہ دیدہ و شہنائی تھیں۔ انگلیوں کے چھلے پہنے، پاؤں میں جڑاؤ پازیب جس کو دیکھ کر
بھی کھائے فریب۔ بازو پر جو اہر کے اکے، بازو حسن پر جن سے سکے۔ اس طرح غرق بحر جواہر
ہو کر ایک چادر سفید سر سے پاتک اڑھی، سب بدن چرا لیا، اور بڑھیا کو آگے کر کے
پیچھے پیچھے چلا۔ گلی کوچوں کو طے کر کے قلعے کے اندر جو سرا بنی ہے، وہاں آیا۔ بڑھیا نے پکار کر
کہا: کہیں اترنے کا ٹھکانا ملے گا؟“

بھٹیاری اور بھٹیاردوں نے بلانا شروع کیا۔ ایک نے کہا: ”بڑی بی، ادھر آؤ۔
ہم بہت اچھا مکان دیں۔ اس میں کوٹھری بھی ہے۔“
دوسری نے کہا: ”میرے یہاں ٹھہرو۔ مسافر کم ہیں، تنہائی ہے، چیز کی حفاظت

رہے گی۔“

تیسری نے آتے ہی بڑھیا کے ہاتھ سے گٹھری اور پٹاری پان کی لی اور کہا:
”آؤ، میں تمہیں بہت اچھی جگہ دوں گی کہ گوشے میں ہے۔ زنانہ تمہارے ساتھ ہے،
پردہ رہے گا۔“

غرض کہ یہ دونوں اس کے ساتھ جا کر ایک کوٹھری میں ٹھہرے۔ بھٹیاری نے چراغ
جلدی سے روشن کیا، پانی کا گھڑا بھر کر رکھ دیا، چارپائی بھی بچھا دی۔ بڑھیا کانکھ کر
بیٹھی، اور اس نازنین نے چادر اتاری۔ بھٹیاری کی آنکھ فروغ حسن سے جھپک گئی۔
گھبرا کر بغور متحیر ہو کر دیکھنے لگی۔ ایک کم سن عورت خوبصورت زرد لپور سے آراستہ دیکھی۔
رعب سے کچھ نہ کہہ سکی۔ جا کر بھٹیاری سے کہا: ”ارے مجھ کو بڑا تعجب ہے کہ یہ عورت
جو بڑھیا کے ساتھ آ کر اتری ہے، نہ جانوں کوئی امیر یا شہزادی ہے، یا دنیوی کی بیٹی ہے۔
میری عقل حیران ہے کہ بڑھیا کے ساتھ کیوں کر آئی۔ بڑھیا تو پچھے حالوں سے ہے۔ اور
وہ جو اہرات پہنے ہے۔“

بھٹیاری نے کہا: ”جا، باتوں باتوں میں پوچھ تو کیا ماجرہ ہے۔“
بس بھٹیاری پیٹ پکڑے دوڑی آئی۔ دیکھا تو بڑھیا پٹاری کھولے تبا کو کھا رہی
ہے۔ یہ بھی بیٹھ گئی۔ بڑھیا نے اس کو بھی تبا کو دی، اور کہا کہ: ”میں سوئی ہوں تھک
بہت گئی ہوں مہترانی، دو گٹھری رات ٹمکے سے مجھ کو جگا دینا، اور میں تجھ کو دو پیسے زیادہ
دوں گی۔ میرا حال کسی سے ذکر نہ کرنا۔“

بھٹیاری اس ممانعت سے سمجھ گئی کہ بے شک اس میں کچھ بھید ہے، لیکن بظاہر
بولی کہ ”نہیں، میں بھلا کس سے کہوں گی؟ ہم لوگن کا، بی بی یہ طریق نہیں۔“
غرض کہ بڑھیا نے لیٹ کر نفیر خواب بلند کی، اور اس نوجوان نے چپکے چپکے رونا
رونا شروع کیا، بھٹیاری نے پاس آ کر بلائیں لیں، اور کہا کہ: ”بی بی رودت کیوں
ہو؟“

اس نازنین نے کہا کہ: ”میں مقسوم جلی، نانصیب، کیا اپنا حال بیان کروں؟ یہ
بڑھیا محل میں میرے جایا کرتی تھی، دم دلا سادے کر بھگالائی۔ میں ایک زمیندار کی بیٹی
ہوں، اور وہ گاؤں کا صرف مالک نہیں ہے، کئی اور بھی گاؤں ہیں، تجارت بھی کرتا ہے،

بڑا مال اپنے پاس رکھتا ہے۔ آج مجھ کو گھر چھوڑتے تیسرا روز ہے، نہ گھر جاسکتی ہوں نہ کہیں میرا ٹھکانا ہے۔ یہ بڑھیا کٹنی ہے اور میرا زیور اتار کر مجھ کو بیچنا چاہتی ہے، مہترا اگر تم سے ہو سکے تو میرا اکا یہ تم لو، اور اس بڑھیا کے پھندے سے مجھ کو چھڑاؤ۔“

تو بھٹیاری نے وہ اکا لیا، اور بہت خوش ہو کر کہا کہ ”بیٹی، تو گھبرا نہیں، میں ابھی اس بڑھیا کو سزا دلاتی ہوں۔“ یہ کہہ کر بھٹیاری کی چھاتی پر ہاتھ مار کر بولی کہ ”ارے ایسا اندھیر، یہ ظلم، ایک بھلے مانس اشراٹ کی بیٹا کو یہ بڑھیا پھسلا کر بھگالائی ہے۔ وہ آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے۔ یہ اکا مجھ کو دیا ہے اور ایسا کچھ کہا ہے۔“

بھٹیاری اسارا ماجرا سن کر بولا: ”گھبرا نہیں، دیکھ تو میں کیا کرتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اسی وقت کو تو وال قلعہ کے پاس گیا اور کہا: ”خدا حضور کو سلامت رکھے۔ ایک بڑھیا ایک عورت کو بھگالائی ہے۔ سرا میں غلام کے یہاں ہے۔“ کو تو وال مع چند پیاد اسرا میں آ موجود ہوا۔ بڑھیا سوری تھی، پیادوں نے حکم کو تو وال باندھ لیا۔ بھٹیاری نے چار پائی بچھا دی، اور کو تو وال صاحب بیٹھے، اظہار لینا شروع کیا۔ سرا کے بھٹیاری اور مسافر تماشائی ہوئے۔ پیادے ہٹائے جاتے ہیں۔ ہٹو، کیوں بھٹیر لگائی ہے، لوگ گھسے پڑتے ہیں۔

اول عورت جو ان نے چیخیں مار کر رونا شروع کیا۔ پھر وہی ماجرا جو بھٹیاری سے کہا تھا، ظاہر کیا۔ پھر بڑھیا سے پوچھا گیا۔ وہ کو تو وال کے پاؤں پر گری، اور کہا ”مجھ سے خطا ہوئی۔ یہ لڑکی جو کہتی ہے سچ کہتی ہے۔“ جب یہ اقبال جرم کر چکی، کو تو وال ہر چند کہ اس عورت کا حسن و جمال اور زیور بمثال دیکھ کر فریفتہ ہوا تھا، مگر ساری سرا کے لوگ اس قصے سے آگاہ ہو چکے تھے، سوچا کہ سامنے خداوند کے ان کو لے چلنا چاہیے، اور وہاں اس عورت کو مانگ لینا، فی الحال چھپانے سے بدنامی ہے، پرچہ اس حال کا سلیمان عبرت ہو کو ضرور ملے گا، پھر وہ بری طرح پیش آئے گا۔

بس ایسا کچھ سمجھ کر ان دونوں کو لے کر چاہا کہ روانہ ہو، اس نازنین نے کہا، ”میں کچھ مجرم تو ہوں نہیں جو کو تو والی چو ترے پر جا کر رہوں۔ تمام عمر لوگوں کے طعنے سنوں کہ یہ ایسی ہیں جو تھالے پر پکڑی گئی تھیں، اور دوسرے وہاں، کیسی بنے، کیسی نہ بنے۔ میں جو ان جہان، غیر مردوں میں بھلا میرا ٹھکانا کہاں! ہاں، اگر خداوند کے پاس بے چلو تو

کوئی عجیب نہیں کیونکہ اس کی زیارت کو بھی آتے ہیں۔ وہ پیدا کرنے والا ہے، اس سے شرم کیسی؟“ یہ کہہ کر اس بھٹیاری کا آنچل پکڑ کر کہا۔ ”تومیا، تومیری ماں کبھی کی ہے۔ مجھ کو اس وقت اکیلا نہ چھوڑ، نہیں، میری آبرو جاتی رہے گی۔“

بس بھٹیاری نے اس کو گلے لگا لیا، اور کہا: ”بیٹا، میں تیرے ساتھ ہوں، تو کیوں گھبراتا ہے؟“

اس نے چپکے سے کہا: ”میں اور بھی کچھ تجھ کو دوں گی۔“

بھٹیاری ایک تو بہت دوسرے لالچ میں آکر ساتھ ہوئی، کو تو ال اور بھی ناچار ہوا، اور ان کو لے کر سیدھا در دولت پر آیا۔ وہاں سنا کہ حضور اس وقت باغ میں ہیں، اور ہنگامہ سرد و گرم ہے۔ یہ وہاں سے در باغ پر آیا۔ سب کو ٹھہرا کر اندر گیا۔ سلیمان کو مجرا کیا، خداوند کو سجدہ کر کے دست بستہ سارا ماجرا معرض بیان میں لایا اور کہا ”وہ دونوں مع بھٹیاری کے حاضر ہیں،“ بختیارک نے پہلے کو تو ال کو بہ نظر فرماست دیکھ لیا، اور پتے نشان تمام شہر کے پوچھ کر کہا: ”مجھ کو اس وقت تیرے آنے سے شبہ گزرا کیونکہ معاملات ملکی دن کے دربار میں پیش کرنا چاہئیں نہ کہ اس وقت۔“

کو تو ال نے عرض کی کہ ”وہ عورت بہت صاحب عصمت ہے، کو تو الی میں رہنا گوارا نہیں کرتی ہے، اور دیدار خداوند کی مشتاق ہے، اور واقعی کمال درجہ خوبصورت ہے اور میں نے سرا میں یا کو تو الی میں ان کا رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ بس حاضر لایا ہوں۔“

بختیارک نے حکم دیا کہ ”اچھا سامنے لاؤ۔ دیکھیں کیا کیفیت ہے۔“

انگھر وغیرہ بد مستیاں کر رہے تھے۔ عورت خوبصورت سننے ہی بولے: ”جلد لاؤ۔“

کو تو ال نے ان کو رو برو بلایا۔ اس نازنین نے دوپٹہ ہٹا کر خداوند کے گرد پھسنا شروع کیا اور سجدہ کیا، بلائیں لیں۔ یہ تو اس کرشمے میں مصروف ہوئی، لیکن انگھر وغیرہ نے جو اس کے چہرہ زیبا پر نظر کی، دیکھا کہ ایک ماہ لقا، حور آسا، زینت وہ بزم خوب رویاں، سردار خوبان جہاں، راحت وہ جان عاشقاں ہے۔ جس کے ایک ایک تار مو کی قیمت میں ملک تاتا روضتہ اریزاں ہے۔

بانکی بانکی ادا، غضب باتیں وہ اکڑ، وہ تنی تنی گاتیں
آنکھ میں سحر کی لگاوٹ ہے بات میں قہر کی بناوٹ ہے

یوں بندھی ہے دوپٹے کی گاتی دل میں جھپتی ہے نوک چھاتی کی
 انگھر دیکھتے ہی فریفتہ ہوا، اور نختیارک سے کہا: ”اس کو مجھے خداوند سے دلوا دو“
 نختیارک نے خداوند سے کہا کہ ”انگھر اس پر مائل ہوا ہے، اس کو
 حوالے کرو۔“

لقا نے پہلے سارا ماجرا اس نازنین سے پوچھا۔ پھر کوتوال کو رخصت کیا،
 اور بڑھیا کو حکم دیا کہ لے جا کر قید کر۔

کوتوال بڑھیا کو لے کر چلا۔ اور اس نازک بدن کو لقانے اپنے پاس بلایا کہ
 ”اے بندی قدرت، میرے پاس آ“

چالاک بہ ناز و انداز کمر کو لے کو بل دے کر ہزاراں غنچ و دلال قریب جا کر بیٹھا۔
 خداوند نے پیٹھ پر ہاتھ رکھا، اور فرمایا کہ ”ہم نے تجھ کو انگھر کے ساتھ مسوہ کیا کہ وہ ہمارا
 سہ سالار قدرت ہے۔“

اس بری پیکر نے شرما کر نیچی نظر کر کے عرض کیا کہ ”حصنور کو میرا اختیار ہے۔ اس
 بھٹیاری کو کچھ انعام دلوا دیجئے۔ میرا کہ اس سے لے لیجئے۔
 لقانے انگھر سے کہا: ”اس کی فرمائش پوری کرو۔“

اس نے کئی ہزار روپے دے اکے لے لیا۔ بھٹیاری دعائیں دے کر چلی گئی۔ بس
 پھر تو دور سے سرخ شروع ہوا... چالاک... بدن چرائے، آنکھیں جھکائے
 دبکا ہوا بیٹھا ہے، اور کنکھیوں سے انگھر کو کبھی کبھی دیکھ لیتا ہے اور اس کا بھی یہ حال ہے۔

شرنگیں چتون، مدبھری اکھیاں خاک میں ہم کو ملائیں گی

کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اوپر اوپر جابائیں گی

ہر چند کہ بے چین ہو رہا ہے، مگر بلحاظ اس کے کہ خداوند سامنے ہیں، اس کو ہاتھ
 نہیں لگاتا ہے۔

اس وقت نختیارک اس کا میلان خاطر دیکھ کر گویا ہوا کہ ”بارہ درمی میں جا کر آرام
 کرو، میں اس کو بھی بھیجتا ہوں۔“

اس نے کہا: ”نک جی، یہ عورت ناکتخدا ہے، اور یہاں صد ہا آدمیوں کا مجمع ہے۔
 ایسا نہ ہو کہ خداوند اس حرکت بے جا سے ناراض ہوں۔“

سیمان نے کہا: ”یہ سچ کہتے ہو۔ یہ کون موقع ہے کہ ہزاروں آدمیوں کے سر پر غل دہنگا مہچواؤ، اور پھر اسی کو اپنی جو رو بناؤ۔ اب تم کو مل چکی ہے۔ جلدی کیا ہے؟ صبح قریب ہے، اپنے خیمے میں لے جانا، جو چاہنا کرنا۔“

اگلے چپ ہو رہا.... صبح ہوتے ہی.... اگلے نے بھی محافے میں معشوق کو سوار کر کے اپنے خیمے میں لا اتارا....

اگلے نشے میں سرشار آتے ہی اس ماہ پیکر سے لپٹنے لگا۔ ہاتھ پکڑ کر پلنگ پر لایا، چاہا کہ لٹائے مگر اس گل بدن نے کہا: ”ٹھیرو تو“ یہ کہہ کر ملہرا نکالا، گلوری کھائی، اگلے سمجھا کہ یہ اگرچہ زیور وغیرہ پہنے ہے، مگر ملہرا دیہات کی نشانی ضرور ہے، خاصدا ان کا تو نام بھی نہ جانتی ہوگی، اگلے بھی ہے، خوب نبھے گی۔ یہ سوچ کر بولا: ”جانی، ہم کو گلوری نہ دی؟“

اس ماہ دش نے کچی زبان میں جواب دیا کہ ”جانی کس کا ناں ہے؟“

یہ خوب ہنسا، اور کہا کہ

”ہے غضب معشوق بیرون کی یہ کچی زبان

سب تو کہتے ہیں سحر اس کی زبان پر بھور ہے“

پھر اس سے کہا: ”ایک بیڑا ہم کو بھی دو“ اس نے انگوٹھا دکھا دیا، اور اس کا منہ چٹھا کر مسکرا دیا۔ یہ اس ادائے دل فریب سے اس کی بے چین ہو گیا، اور لپٹ کر بلہرا چھین کئی پان ایک بار کھا گیا۔

ادھر پیک حلق کے نیچے اتری، ادھر بے ہوشی اثر پذیر ہوئی۔ بے ہوش ہو کر گرا۔ وہاں تنہائی تو تھی ہی۔ چالاک نے فوراً سر کاٹ ڈالا۔

(جلد دوم)

برکت ہی برکت

گنج میں جھنڈے گرے تھے، اناج کے ڈھیر لگے تھے۔ لونڈے کالوں کی خدمت

کر رہے تھے، بننے چلیں پی رہے تھے۔ تولے تولے وقت آوازیں دیتے تھے۔
 ”برکت ہے جی، برکت ہے! دیا ہیں دیا، تینا ہیں تینا“ خریدار چٹکی میں اناج
 لے کر پرکھتے تھے۔

(جلد سوم)

احتیاج است، احتیاج است، احتیاج

اس قہر سے علیحدہ چوکی ایک جگہ لگی تھی، محل کا شانی سے منڈھی تھی، طلائی طشت
 نیچے اس کے لگا تھا۔ وہ مقام آئینے وغیرہ سے آراستہ، قرابے، گلاب کیوڑے کے منہ
 کھلے ہوئے رکھے، نہایت عمدگی سے پیراستہ۔ یہ عیار (ملکہ کی شکل بنا ہوا)، جو وہاں گیا،
 ایک لونڈی سے کہا: ”تو باہر کھڑی رہ“ اور ایک کوئے کو اندر آیا اور کہا: ”آفتاب
 یہاں رکھ کر میرے ناف کے مقام پر اور کمر کے نیچے آہستہ آہستہ مل کہ رفع احتیاج کروں“
 (جلد سوم)

طریق بے طریق

(اصلی عمرو تو چھپا ہوا ہے، اور ماہ جادو نقلی عمرو کا سر کاٹ کے خوش خوش جا رہا
 ہے)

دو ہی قدم آگے چلا تھا کہ بروئے ہوا ایک شعلہ سا چمکا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا
 تو ایک پریزاد ہوا سے اتر کر زمین پر آئی۔ معلوم کیا کہ کنیزان کو کب میں سے شاید یہ ہے۔ بس
 اس نازنین کے قریب گئی دیکھا کہ آفتاب تاباں گویا زمین پر اتر آیا ہے۔۔۔۔۔ ماہ جادو
 اس نازنین کو دیکھتے ہی فریفتہ جمال ہوا، اور بہت تمام اس گل خام سے کہا:

”اے نو بہار تارہ تر، تارہ بہار کیستی
 وچہ نگار طرفہ تر، طرفہ نگار کیستی؟“

خستہ رنج فرقتم، کشتہ درد حسرتم

من بمیان محنتم، تو بکنار کیستی؟

وہ گل پیرہن بہ جواب ان باتوں کے مسکرا کر زبان پر لائی کہ ”یہ تعریف آپ نے اپنی گھروالیوں کی فرمائی۔ بندی تو اس لائق نہیں۔ مجھ کو شاہ کوکب نے آپ کی خبر لینے بھیجا تھا۔ فرمایا تھا کہ جا کر دیکھو عمرو ماہ سے کیا گذری۔ فی الجملہ میں تم کو سر عمرو کالے ہوئے دیکھتی ہوں۔ معلوم ہوا کہ وہ مارا گیا۔ پس یہی حال میں جا کر عرض کئے دیتی ہوں کہ ماہ صاحب سردشمن کالے حاضر ہوا چاہتے ہیں۔“

ماہ نے کہا: ”اے حور نژاد، ہم بھی دربار شاہ میں جائیں گے، اور تم بھی وہیں چلتی ہو۔ ہم تم ساتھ ہی ہو چلیں، ایک سے دو بھلے!“

اس حور پیکر نے مسکرا کر جواب دیا کہ ”چل چنچے، مردوئے، ذرا ہوش میں آجائیں فریب تیرا سمجھتی ہوں۔ تیری باتیں میرے ناخنوں پر ہیں۔ کچھ بندی ایسی گدھی نہیں، تو صاحب، یہ مرد و امشٹنڈا، میں اکیلی دھان پان سی عورت! اس کے ساتھ چلوں، کھلا سن تو، اگر راہ میں تجھ پر شیطان چڑھے تو میں نگوڑی کد نھری ک نہ رہی۔ تو مجھ کو چیر غٹو کرے! لے، ترے منہ کو جھلسا سات چھپروں کا پھونس۔“

ماہ ان باتوں کو سن کر فرط خندہ زنی سے لوٹ گیا۔ پھر اپنے سئیں سنبھال کر اس پری دوش کا ہاتھ پکڑا اور کہا، بموجب

پھیری جو نظر تم نے، سب پھر گئے مجھ سے

کچھ اور تھی، ہاں ہو گئی دنیا ابھی کچھ اور

ہاں میں بغیر ساتھ لے جائے نہ رہوں گا۔“

نازمین نے ہاتھ چھڑا کر کہا: ”دیکھو تو کیوں کر لے جائے گا۔ نا صاحب، میں نہ جاؤں گی۔ جو کوئی سنے گا یہی کہے گا کہ بوا، تم ننھی تھیں، جنگل، بیابان، سنان میں مردو کے ساتھ چلی گئیں۔ کیا تم نہ جانتی تھیں کہ اکیلے میں سب کچھ کر ڈالے گا؟ پھر میں لاکھ لاکھ قسمیں کھاؤں گی، کسی کو یقین نہ آئے گا۔ سب یہی کہیں گے کہ بہانہ بازی کرتی ہے، یہ رنڈی خود ہی مستانی تھی، جب تو یہ جوان جہان ہو کے مردوئے کے ساتھ چلی گئی۔ میں ایسے چلنے کے قربان جس سے آبرو میں فرق آئے۔ بندی ایسی ادا ماتی نہیں۔ تم جاؤ، اپنے کام

”گو، میرے فراق میں نہ پڑو“

ماہ اس کی دوبارہ تقریر سن کر مر ہی گیا۔ اور پکارا :

”ناز سے اترا کے چلنا قہر تھا“ ٹکڑے ہو کر دامن محشر گمرا“

یہ کہہ کر اس رشک قمر کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ”ہم سے قسم لے لو جو ہم تمہیں بے طریق ہانڈ

لگائیں“

اس غنچہ دہن نے کہا: ”لے بس بس اپنے، اڑھائی چاول الگ گلاؤ، ہاتھ بے طریق اپنی اماں کے جا کر لگاؤ۔ اور سنو! میرے صاحب، کسی کی مجال ہے جو مجھے بری نگاہ سے دیکھے؟ آج تک اتنا سن آیا، سرکار کی نوکری میں ہزاروں جگہ اکیلی دکیلی، ملکہ براں جُپں جم جم، ان کی سلامتی میں جانا ہوا۔ بھلا کون کہہ تو دے کہ اس شخص کو ہم نے کسی سے ہنستے دیکھا تھا، اور میاں، اگر ہمارا جی چاہے کرنے کو تو کوئی کیا ہے؟ سو فوج چھائیں پھوئیں، آج تک تو سامری نے بچا یا ہے“

اس گفتگو میں..... ماہ نے اس کا ہاتھ کھینچا، اس نے اپنا ماتھا کوٹا کہ ”ہے ہے، میں نگوڑی کیوں آئی تھی! میری تو غضب میں جان پڑ گئی۔ جس بات سے سدا میں ڈرا کی، جمشید کی قسم، آخر وہی سامنے ہوا۔ لیکن یہ بخیریت ہے۔ اے، میں ابھی اپنی ملکہ سے کہہ کر دھڑے تو اڑوا دوں۔ کوئی مجھے ہاتھ لگائے تو دیکھے، پھر تو دیکھو میں کیا کرتی ہوں، اچھا چلو میں ساتھ ساتھ چلتی ہوں، دیکھو تو کیا کر لیتا ہے“

یہ کہہ کر ساتھ چلی۔ راہ میں خاصدا ان نکال کر اس گلبدن نے گلوری کھائی اور ماہ کے بغیر مانگے آپ ہی انگوٹھا دکھا دیا۔ وہ اس کی اداؤں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ انکار اس کا عین اقرار ہے... چھڑتا چل، یہ سوچ کر اس نازنین سے کہا: ”ہمیں بھی گلوری دو“ اس نے کہا: ”منہ بنواؤ“

ماہ نے کہا: ”نہ دو! ہمارے پاس عطر ہے، ہم بھی نہ دیں گے“

اس نے کہا ”دیکھیں“

ماہ نے جھوٹے سے سحر کے شیشی نکال کر دکھلائی، اور کہا: ”لو ہم تمہاری طرح بخیل

نہیں“

اس سیم برسنے ہنس کر کہا: ”مجھے کیا کرنا ہے؟ میری محرم بسانے کو خواصیں عطر کی

شیشیاں انگیاں رکھ دیتی ہیں، اور میرے عطردان میں بھی عطر بہت ہے۔“

یہ کہہ کر اندر دوپٹے کے ہاتھ ڈالا، پھر ہاتھ دوسرا ماہ کی آنکھوں پر رکھ دیا کہ
 ”سامری قسم میرا دپٹہ ہٹا ہے، میری محرم پر آنکھ نہ ڈالنا۔“ یہ کہہ کر خوب زور سے آنکھیں
 اپنے ہاتھ سے بند کیں۔ اس پر بھی کہتی جاتی تھی کہ ”یا سامری جو میرے تئیں ننگا دیکھے اس
 کے دیدے پٹم ہو جائیں۔“

غرض کہ اس جیل سے آنکھیں بند کر کے عطر بے ہوشی زنجیل سے نکالا، اور آنکھیں
 کھول دیں، کہا: لو عطر موجود ہے۔ موئے عطر کی بھی یہ اصل ہے کہ جس پر کوئی اتر لے۔
 اور سات پردے میں پھیپھائے۔“

یہ کہہ کر شیش ماہ کے ہاتھ میں دی۔ اس نے سونگھی، چھینک آئی اور بیہوش ہو گیا۔
 (جلد دوم)

چاندناروں کا کھیت

شام ہوتے ہی درختوں میں قندیلیں آدیاں ہوئیں، نورانی ثمر ہر شجر میں لگے۔
 گیند بلور کے لٹکائے گئے، بارہ دری میں بانڈیاں، جھالے کنولہائے جواہر آگیاں روشن
 ہوئے۔ سقف بارہ دری پر غم گیرے زرتار کے، نیچے چاندنی دیکھنے کو شمس سپر عیاری (یعنی
 خواجہ عرو) سند پر جلوہ فرما ہوئے۔ چار سمت اس جگہ سے دریا بہتے نظر آتے تھے۔ مثل زقار
 معشوق لہراتے تھے۔ باغ میں سمن اندام وسیں تن خواصیں اور غلام مقیش اڑانے لگے،
 زمین کو ہمسرح پرخ بریں بنانے لگے۔ گلہائے خوشبو کی بھینی بھینی بودماغ شاہدان گلشن معطر
 کرتی تھی۔ زلف سنبل بوئے گل سے ایسی بسی تھی کہ مشام سبز رنگان دہر معنبر کرتی تھی یا ہاتھ
 کی چمک برگ اشجار زمریں پر پڑی تھی یا شاہد بہار چاندنی کی پات بالیاں پہنے تھی۔ زمین
 زماں نور بنیر تھا، عجیب جلسہ عشرت خیز تھا۔۔۔

یہاں تو یہ سامان راحت و فرحت خیر ہے، مگر ملکہ (برائے) جو قلعہ ہفت رنگ
 میں تشریف فرما ہوئی، حکم دیا کہ تمام شہر آئینہ بند ہو، سامان دل پسند ہو، ایک کا مدار

لباس زریں پہنے، مکالوں پر چاندی سونے کا مصقلہ کیا جائے، نقش و نگار جو کار ہو، مذہب و مطلقہ کوچہ بازار ہو، موتی باغ قلعہ مذکور کے مابین جو دریا واقع ہوئے ہیں اور بارہ دری سے دکھائی دیتے ہیں، ان کے گھاٹ بھی طلائی اور نقرئی بنیں، ناؤ، بجرے، مورنیکھی، طاؤسان زریں چہرہ کے چہرے درست ہو کر کنارے لگائے جائیں۔ چنانچہ حسب الحکم ملکہ عالم تمام سامان کارپردازان ستودہ شیم نے درست فرمایا، یعنی کنول ہائے زریں دریا میں چھوڑ دیئے۔ اور نمگیرے زربفتی کنارے کنارے فرنگہا فرہنگ استادہ ہوئے، قہ ہائے خیمہ قہ فلک سے سرکشی جتانے لگے، اپنے رو برو سراں کا نیچا کر دیا، خمیدہ قامت بنانے لگے، ناچ بارگاہوں میں ہونے لگا۔ دریا بھی فرط خوشی سے موج میں آیا، مستوں کی طرح سے جھوم کر لہرایا۔ حباب شیم تماشائے بحر تچر میں ڈوبے تھے، اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بدیدہ حیرت یہ سیر دیکھتے تھے، فرط مستی و مسرت سے دریا بھی بلبلا نکلاتھا، حباب نہ تھے، بحر کے دل کا حوصلہ نکلاتھا، عمرو کے جہان ہونے کی آبرو پانی، ہر ایک صدف بہر شاد گوہر آبدار لائی تھی۔

(جلد دوم)

(۲)

اس اثنا میں شاہد زریں لباس شب نے زلف مشکیں نام کھولی، بزم عالم میں آکر جلوہ گر ہوئی، اور زینت طراز دہر نے کہکشاں سے مانگ عروس چرخ کی سنواری..... شام ہوتے ہی تمام بارہ دری میں روشنی ہوئی، اور باغ میں قنادیل بلوریں لٹکائی گئیں، سر و چراغاں اپنا فروغ بہار دکھانے لگے۔ نہروں میں کنول روشن کر کے ڈال دیئے، بجرے پڑ گئے، جل ترنگ بچنے لگا۔ خواجہ (عمرو) کوئے کرملکہ (براں) بجرے پر سوار ہوئی اور کیفیت پانی کی دکھانے لگی۔ وہ سبز و سرخ وغیرہ ہر رنگ کے گلاس جو گھڑوں پر عکس افگن تھے، عجب طرح کے گل بوٹے پانی میں نظر آتے تھے۔ چادر آب منقش و رنگین تھی۔ شاہد آب کی ہر ہفت زیور سے تزئین تھی۔ جہاں کہیں پانی گھومتا تھا، وہاں کنول بھی گرد گھومتے تھے۔ اس وقت کی بہار قابل دید تھی گویا شعلہ رو لباس رنگارنگ زیب جسم کے گردش کھاتے تھے۔ کنارے کنارے کنیزان درد رکوش، مرصع پوش جل ترنگ کے ساتھ اشعار بہار انگیز گاتی تھیں۔ فوارے سرکشی پر آمادہ سر و قدوں کے قامت رعنا کا لطف دکھاتے

تھے۔ غرض کہ تادیر سیر آب میں مصروف رہے۔

(جلد دوم)

(۳)

باغ بینا میں آراستگی کا حکم دیا۔ کارپردازان خوش انتظام نے بہت جلد بندوبست کیا، باغ کے درخت بادے سے منڈھے، سنگ مرمر کے تھالے، نادر کارگلاب و کیوڑے سے بھرے، ہر روش پر باد لاٹ کر ڈال دیا۔ اس کی چمک ایسی تھی کہ زمین رشک دہانچہ فلک تھی، قمقمے نور کے گیند بلور کے اشجار میں آویزاں کئے۔ ان کے اندر چراغ اس طرح جلے تھے گویا محرم میں کسی گل رخسار کے جگنو چمکتے تھے۔ روشنی کی وہ کثرت ہوئی تھی کہ ماہ فلک کو خوف ہوا تھا کہ لباس میرا کتاں نہ ہو جائے۔ باد صبا کو دھڑکا تھا کہ مجھے یہ روشنی لباس آتشیں نہ پہنائے، نہر گلشن کی اس رات کو اس جھلکاتی تھی کہ چشم یلی شب بڑبڑاتی تھی۔ جملہ طرح کا سامان راحت مہیا، عجیب جلسہ تھا۔

نور میں ہر چمن تھا صبح امید	پھول ایک ایک تھا گل خورشید
چاندن روکش مہ تاباں	موتیا غیرت ڈر دندان
مثل خط شعاع سنبل تر	رشک رخسار حور عین گل تر
حسن میں وہ ہر ایک گل سوسن	مسی آلودہ گل رخوں کا دھن
جلوہ گمر اس کی پڑیوں پر وہ ددب	صورت سبزہ رخ محبوب
چاندنی کا سرور غ ایسا تھا	چشم نرگس کو نور بخشا تھا
تھا سر نہر روشنی کا یہ اوج	چاندنی تھی غبار کوچہ موج
روشنی عکس افکن آب میں تھی	یا پری شیشہ حباب میں تھی
سامنے اک چہوترہ ہموار	اس پہ نگیرہ مثل ابر بہار
شیشہ آلات سارے نور آگین	نصب ہر جہا موافق آئین
فرش دیباے چین سے بھی شفاف	سینہ زاہداں کی طرح صاف
صدر میں موتیوں کی اک مسند	گاؤ تکتے وہ خوش نمابے حد
چاندنی رشک چادر مہتاب	اطلس طور سے سوا پرتاب

(جلد دوم)

پال پال جی کا کال

د ملکہ بلور جادو شہزادہ ایرج کو تکار گاہ میں دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتی ہے اور
شہزادے کو اٹھا لانے کے لئے پنچہ سحر بھیجتی ہے۔ پنچ میں صنوبر جادو چھین لیتی ہے
بلکہ چشمہ براہ انتظار تھی۔ یاد معشوق میں بے قرار تھی۔ آنکھیں جانب درنگراں،
یہ بیت ورد زبان سے

وعدہ خلافت یار سے کہنا پیام نو
آنکھوں کو روگ دے گئے ہو انتظار کا

اسی رنج بھر میں طرفہ یہ تم ہوا کہ پنچہ سامنے آیا، اور یہ شکل انسان متمثل ہو کر حال
کہا کہ میں شہزادے کو لاسا تھا، راہ میں ملکہ صنوبر دفتر زردمان، حاکم قلعہ زرومانیہ، نے
چھین لیا۔ یہ خبر سنا تھا کہ ملکہ کو غصہ آیا، رنج فرقت نے کلیجہ کھایا، بے تابانہ زبان پر لائی۔

”اے غم تری اب خوشی کہاں تک
کم بخت لہو تو ہو گیا دل“

اسی بے قراری میں اپنی وزیرزادی ملکہ حور چہرا جادو کو بلایا اور فرمایا کہ ”تو نے
یہ گستاخی صنوبر کی دیکھی کہ میرے بلائے ہوئے شخص کو اس نے چھین لیا۔ ہر چند کہ مجھے اس
مردوئے سے کچھ مطلب نہیں، وہ نگوڑا چاہے آئے یا نہ آئے مگر غصہ تو یہ ہے کہ امی جان کے
جتنے خراج گزار ہیں ان کو یہ حوصلہ ہوا کہ اب مقابلہ کرنے لگے۔ اس ضد پر قلعہ زرومانیہ
کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔ میں بھی اپنے نام کی ہوں۔ اتنی سی بات پر آفت ٹھاؤں گی۔
تو لشکر جلد درست کر، اور میرے ہمراہ چل“

حور چہرہ نے یہ تقریر سن کر بلائیں اور عرض کیا کہ ”بی بی، ملکہ صنوبر کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ
حضور نے اس شخص کو بھیجا ہے۔ وہ کسی اور ساحر کے پنچے کو بھیجی ہوگی، ورنہ یہ اس کی مجال نہ
تھی کہ جو ایسی شوخی کرتی۔ اب میں جاتی ہوں اور شہزادہ مطلوب کو لئے آتی ہوں۔“
یہ کہہ کر بزدل سحر اڑ کر چلی، اور ملکہ فراق دیدہ پھر انتظار آمد جانان میں باخاطر ناصبو

بیٹھی۔ کبھی فرط یاس دبے تابی سے یہ کہتی کہ ”ہائے ری یاس، وائے ناکامی۔ آرزو ہم سے منہ چھپاتی ہے۔“

اور ایک نظر کے دیکھنے سے تصور میں جو صورت یا راہی طرح نہ تھی تو رد کر یہ فرما تھی کہ

”ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری کہ تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے“

اور خیال محبوب جو دیدہ دل میں جلوہ گر تھا تو براہ شکایت یہ لب پر تھا کہ
”لڑاکے آنکھ تم آنکھوں سے ہو گئے پنہاں
پر آنکھ سے مری مثل نظر نہیں جاتے“

... اور کبھی کہتی تھی کہ ”دیکھئے حور چہرہ انہیں لاتی ہے یا نہیں۔ بھلا وہ مغرور
حسن و جمال کا ہے کو آئے گا! خدا معلوم قاصد کیا پیام لائے گا!
”پس فنا بھی ہماری کھلی رہیں آنکھیں
بس اس امید پر کہ شاید کہ نامہ بر آئے“

(حور چہرہ جا کے ایرج کو اٹھا لاتی ہے، اور اسے باغ میں چھوڑ کر ملکہ کو اطلاع دیتی ہے)

شہزادہ سیر بہار میں مصروف تھا کہ سامنے جنگل سے ملکہ نے اس کے گلشن حسن
کی بہار دیکھی... ملکہ اس صورت دل فریب کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ انیسویں، جلیسوں
نے عرض کیا کہ ”اب تو یہ آہوئے صحرائے حسن دام میں آیا ہے، گھبرائیے نہیں، خدا نے
روز وصال دکھایا ہے۔ ہم جاتے ہیں اور اس کو یہاں لاتے ہیں۔“ یہ کہہ کر روانہ ہوئیں۔
ایرج نے دیکھا کہ جنگل کی طرف سے گل رخان سیمیں بدن و گل پیرہان سیمیں ذقن آتی ہیں،
حسن میں مہر و ماہ کو شرابی ہیں۔ شہزادہ بھی آگے بڑھا۔

اُن ماہ پیکر نے قریب آ کر پوچھا کہ ”اے نوجوان، تیرا کہاں سے آنا ہوا؟ کیونکہ
یہ وہ مقام ہے جہاں پر بندہ پر نہیں مار سکتا، ملکہ بلور جادو کی سیرگاہ ہے۔“

ایرج نے کہا: ”میں گم گردہ راہ ہوں، خود حیران ہوں کہ کس نے میری خواہش
کی ہے اور غلبہ حرص و شہوت سے مجھ کو پریشان کر کے یہاں بلایا ہے۔ شاید تمہیں متاثر ہونے

یہ شعبہ بنایا ہے۔ تو یہ نجیریت ہے، میں کبھی تھوکوں گا بھی نہیں۔“

وہ سب اس کلام سے قہقہہ مار کر ہنسیں، اور بولیں کہ ”کیا مرد و باتیں بناتا ہے۔ عورتوں کا مکڑ مشہور ہے۔ لیکن اس نے ان کے بھی کان کاٹے۔“

ایک بولی کہ ”نام خدا سے ایسے ننھے ہیں کہ راہ نہیں جانتے ہیں۔“
دوسری نے کہا: ”مکاری تو دیکھو، کہتے ہیں کہ میں آپ سے نہیں آیا۔ کوئی ان کو گود میں اٹھا لایا ہے۔“

تیسری نے کہا: ”کسی کی بلا کو کیا غرض تھی جو ان کو اٹھا لاتا۔ ذرا اپنی صورت تو آئینے میں دیکھو۔ کچھ ایسے خوبصورت بھی نہیں ہو جو کوئی ریچھا ہو گا۔“

چوتھی ہنستی ہوئی پاس آئی اور شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر بولی کہ ”اس پھیلے شلجم سی صورت پر اتنا اترانا اچھا نہیں۔ آؤ، جو آئے ہو تو ہماری ملکہ پاس چلو۔ وہ مہمان نوا ہیں، تمہاری خاطر کریں گی۔ لیکن میاں یہ نہ سمجھنا کہ کسی اور لالچ سے تمہیں بلاتی ہوں تمہاری غریبی پر ترس کھاتی ہوں۔“

ایرج ان باتوں سے ہنسا، اور گویا ہوا کہ ”تمہیں تو لاکھ برس بھی نہ پوچھتا۔ مگر جو تمہاری ملکہ کا جی چاہا ہے۔ میں چلتا ہوں۔“

انہوں نے اس تقریر پر تیوری چڑھائی اور منہ بنا کر کہا: ”چل، مردوے جو اس میں آ، منہ بنوا ایسی باتیں کسی مال زادی سے کر لو، صاحبو، کیا ہماری شامت آئی ہے جو ان کی شکل پر رکھیں گے، میں سچ کہوں، مجھے تو پھوٹے دیدوں بھی میاں تم نہیں بھاتے۔“

ایک ان میں سے پھر تڑپ کر بولی: ”اے بوا، جتنا تم اس مردوے کو منہ لگاتی ہو یہ جانتا ہے، جو میرے دہ راجہ کے نہیں، اور زیادہ اتراتا ہے۔“

دوسری نے کہا: ”بیچ تو ہے، اس کا مزاج تو ساتویں فلک پر ہے۔“
تیسری بولی: ”چلی بھی آ، اس کو آنا ہو گا آپ ہی آئے گا۔“

چوتھی نے پھر شہزادے کی طرف دیکھ کر قہقہہ مارا اور کہا ”لو آؤ۔ چلے آؤ، ہمارا کہا مانو۔ نہیں پچھتاؤ گے۔“

شہزادہ بھی ہنستا ہوا ان کے ساتھ چلا۔ اور بنگلے میں آیا۔ حسن ملکہ سے بنگلے

بلوائے۔ پھر خیال آیا کہ آفت مٹھی ہے۔ مبادا لڑکی نے کچھ شرارت کی ہو، اس وقت وہی مجرم بھیری تو بدنامی ہوگی۔ یہ سوچ کر چپکی آکر بیٹھ رہی، آفت کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

آفت نے اس کے چپ ہوسے پوچھا کہ ”بہن، تم نے مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ تم تو گھنگھنیاں منہ میں بھر کر بیٹھ رہیں۔ اے توبہ، کچھ آدمی ہست نیست کا جواب دیتا ہے۔ یہ کیا کہ چپ ہو رہیں؟“

آئینہ سین کمر بٹا کر بولی کہ ”بہن، حواس پکڑو۔ جو کوئی دوست بانہہ دیتا ہے تو کیا بانہہ کاٹ لیتے ہیں؟ تم انگلی پکڑتے پہنچا پکڑتی ہو۔ تم کیا آئیں کہ طلسم پر آفت آئی۔ اگر تم ایسی ہی بودی تھیں تو کاہے کو گھر سے نکلیں؟ انرا سیاب سے کہا ہوتا کہ اور کوئی جائے، میں ڈرتی ہوں، ننھی بھولی ہوں، اور اگر آئی ہو تو کیا میرے تیرے برتنے پر؟ اے لوگو، کسی کا بھروسہ کیا؟ بھروسہ تو سامری کا بھروسہ۔ ایک تو سوار طلسم قتل کرایا، اب طلسم خالی کر لیا چاہتی ہو۔ بہن ایسی دوستی سے میں درگزری۔ تم کیا میرے برتنے پر آئی ہو؟ ایک تو میں نے یہ بیوقوفی کی کہ اس وقت تمہاری بدحواسی دیکھ کر نہ اونچ سمجھی نہ نیچ، سوار طلسم ساتھ کر دیا، آئین طلسم میں فرق ڈالا۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے، طلسم رہتا ہے یا نہیں۔ بہن اب سے آئے، گھر سے آئے۔ میں نے تو کان اٹیٹھے، اب کسی کے کہنے سننے میں نہ آؤں گی۔“

آفت نے جو یہ کلمات سنے، غصہ آیا اور بولی کہ ”بہن، اتنی ٹیڑھی نہ ہو۔ تم نے تو نگاہ طوطے کی طرح پھیر لی جیسے ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ تمہارا سوار کیا حقیقت رکھتا ہے؟ لوگ تو دوستی میں سرکٹا دیتے ہیں۔ تم اتنی ہی سی بات پر پھری جاتی ہو! احسان جتا جتا کے مارے ڈالتی ہو۔ فوج کوئی اوچھے کا احسان لے۔“

آئینہ نے کہا: ”بس بس، حقیقت اپنی ذرا دیکھ۔ گھبرائی ہوئی آئی تھی۔ اگر سوار نہ جاتا تو گور کے پمے جاتی۔ اچھا، پھر اس کا کہنا کیا، چلو اب سہی۔ جانوں کہ کچھ مسلمانوں کا تو بنالے۔“

آفت طیش میں آکر اٹھی اور کہا: ”سامری، ایسی بے مروت سے بات نہ کر اے۔ اچھا بی بی، تم نے مجھ کو سوار کیا دیا کہ جلایا، میں حرامزادی خود پھپھتاتی

ہوں کہ تمہارا سوار کیوں لے گئی تھی۔“

یہ کہہ کر وہاں سے چلی، دل سے کہتی ہوئی کہ اب چل کر جو شہنشاہ افراسیاب نے
سحر بتلایا ہے، اس کو جاری کر، ایرج کو پکڑ اور مار ڈال، سب کے دانت کھٹے نہ کر دیئے
توہی، سچ تو ہے بل تو اپنا بل، اور کابل جائے جل۔

(آفت لشکر اسلام پر حملہ کرتی ہے، اور ایرج کو پکڑ لے جاتی ہے) ق
اب شتمہ حال..... ملکہ بلور جادو کا سنئے..... جب وہ دن تمام ہوا، اشتیا
مواصلت جاناں میں زیبائش و آرائش سے کام ہوا۔ لباس اور زیور سے آراستہ
ہو کے باغ و مکان کو پیراستہ کر کے انتظار آمد یار میں بیٹھی تھی..... حور چہرہ اور
کچھ کنیزوں کو بھیجا کہ ”جاؤ، شہزادہ کو کہ قریب زگس کوہ آئے ہوں گے، لے آؤ۔“
کنیزیں گئیں اور پھر آئیں کہ ”اے ملکہ، وہاں کوئی بھی نہیں۔“
یہ سنا تھا کہ یہ صورت آئینہ حیران رہ گئی، اور وہ رات تڑپ تڑپ کر
ہجریار میں بسر کی، رورو کے سوا دشب غم دھو کر سفید چادر سحر کی۔ جب بیکراری ستا
تو یہ لب پر لاتی کہ

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسے کھٹن سینہ کا کس بدھ کروں اُپاؤ

..... آخر یہاں کئی روز شہزادہ مصروف جنگ رہا، اور ملکہ پریںج سے
عرصہ حیات تنگ ہوا۔ شہزادہ مقید ہوا۔ ملکہ کو بے قراری نے ستایا۔ کبھی
اٹھتی، اور کبھی بیٹھتی۔ گاہے بستر غم پر پچھاڑیں کھاتی۔ مثل اسپند جو دل
جلتا تھا، آہ کے ساتھ دھواں نکلتا تھا۔ یہ حال حور چہرہ وزیر زادی نے
اس کا دیکھ کر عرض کیا کہ ”اے بی بی، میں قربان گئی۔ ذرا دل کو سنبھالو، ورنہ
وہ بھی دن لائے گا جو شہزادہ آکر صورت دکھائے گا۔“

اس کے بھانے سے اور زیادہ پیش دل بڑھی، اور رورو کر بولی کہ ”اے
گیان، اگر تو میری زندگی چاہتی ہے تو ایک نظر انہیں جا کر دیکھ آ۔“

حور چہرہ اس کا رنج دیکھنے کی تاب نہ لائی اور دود آہ عاشق سحر پڑھ کر بند
ہوئی۔ دم بھر میں لشکر اسلام میں پہنچی۔ یہاں عجیب غریب دیکھا کہ ہر شخص مصروف دعا
ہے، لب پر نالہ و بکا ہے۔ سامنے میدان میں حصار آتش کھینچا ہے، سرداروں

کا جمع ہے۔ اس نے حیران ہو کر بزدل و سحر و صغ تبدیل کی۔ ایک سقہ کھڑا شکست
بہار ہاتھا۔ اس سے پوچھا کہ ”کیا ماجرا ہے؟“

اس نے کہا کہ ”ایرج کو آفت پکڑے گئی ہے۔ ان کی گردن ماری جاتی
ہے۔ یہ لشکر اسلام ہے کہ بہ سبب حصار آتش اندر نہیں جاسکتا۔ اس لئے
ہر ایک روتا ہے اور دعا کرتا ہے۔“

حور چہرہ یسین کروہاں سے اڑی۔ مگر دل سے کہتی ہوئی کہ اب تو چپکی ہو
رہ، اس کو قتل ہو جانے دے، جھگڑا فیصل کر، ورنہ گھر آئینہ دار کا برباد
ہو گا۔ اسی سوچ میں خیال آیا کہ مطلوب کے مرنے سے ایسا نہ ہو بلکہ بھی مر جائے
عوض خیر خواہی کے تیرا بھی سر جائے۔ یہ سوچ کر بدحواس و مضطرب و عجلت
ملکہ پاس پہنچی۔ ملکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گئی، اور مستفسر ہوئی کہ ”کہہ وہ
کیا کرتے تھے؟ میں جانتی ہوں کسی معشوق کے پاس بیٹھے ہوں گے۔ اچھا تو کئی
تو شرمائے، الگ اٹھ کر آئے؟“ کچھ مجھ کو پوچھا یا نہیں؟“

حور چہرہ یہ تقریریں کر روتے لگی اور کہا: ”بی بی، تم کس کو پوچھتی ہو؟
شہزادے قتل ہوا چاہتے ہیں۔ ان کے دشمن بیڑیاں پہنے تلوار کے نیچے بیٹھے
ہیں۔“

یہ سننا تھا کہ جی سننا یا، کلیجہ منہ کو آیا۔ پوچھا ”اری، مفصل کہہ، کیا
ماجر اگزا؟ ہائے افسوس، مجھ نا نصیب نے ناحق انہیں جانے دیا۔“
حور چہرہ نے ساری حقیقت کہہ سنائی۔ ملکہ آتش محبت میں جلی، دل کی تپش
زیادہ بڑھی اور اکٹھی کہ ”دیکھوں یہ مال زادی کیوں کر قتل کرتی ہے۔“

حور چہرہ نے کہا ”داری، یہ کیا کرتی ہو؟ کہاں جاتی ہو؟ جانے بھی دو۔
وہ مرد ہیں، کس کے ہوئے ہیں اور کس کے ہوں گے؟ کیوں گھر غارت کرتی
ہو؟ اپنے نہیں تحس تحس کرنا اچھا نہیں۔ بس جو ہونا تھا ہو گیا۔“

ملکہ نے جھلا کر کہا: ”اری، کیوں باتیں بناتی ہے؟ صاحبو، کسی کی جان
جائے، اور کوئی اڑے، کچھ ترس خدا بھی ہے۔ بھلا میں کیوں کر درگزر کروں؟
ناصر صاحب مجھ سے یہ نہ ہو گا۔ میں کسی کو ساتھ تو لے جاتی نہیں؟ پھر کوئی کیوں پھڑ
پھڑائے؟ میرا تو خوف خدا سے رویاں رویاں کانپ گیا۔ کچھ مردوئے کی محبت

نہیں، صرف خدا راہ کا سودا ہے۔“

حور چہرہ سمجھی کہ یہ نہ رکے گی۔ ناچار بولی کہ ”اے میں تصدق، جو جی میں آئے وہ کیجئے۔“

ملکہ ساحروں کے لشکر پر حملہ کرتی ہے۔ آفت کا ہاتھ کٹ جاتا ہے۔ ملکہ ایرج کو چھڑا لاتی ہے۔ ایرج ملکہ کو لشکر اسلام میں لاتا ہے، اور اسے درہ کوہ کے قریب اتار کر اطلاع دینے جاتا ہے۔

امیر نے اسی وقت ایک سکھیاں جواہر نگار، اور کنیزوں کے لئے پالکیاں طرحدار درہ کوہ کی جانب روانہ کیں، اور سامان تزک و جلوس مثل چتر اور نقارہ اور خاص بردار اور نواب ناظر، خواجہ سرا وغیرہ بھیجے۔ شہزادہ بھی مع اپنے سرداروں کے اور سامان جلوس اپنا ذاتی لے کر سوار ہوا۔ یہاں تک کہ درہ کوہ میں جا پہنچا۔ ملکہ کو سوار کیا۔ پھر تو بڑے تجل سے سواری روانہ ہوئی کہ سکھیاں میں پردے جواہر و زبندھے، نشان آگے کھلے، نقیب بوئے، ڈنکا بجاتا، چتر سکھیاں پر گردش کرتا، مردھے عصفے سونے چاندی کے لئے، پایہ سکھیاں تھامے، کہا ریاں سروں پر پھلیاں لگائے، مورچھل جھلتی، لباس پر زریں پہنے، گہنے سے لدی۔ سردار نیزہ دار تنگی تلواروں کا سایہ کئے، پیادوں کے جلوس بڑھے۔ زرد جواہر لٹٹا، بڑے کروفر سے لشکر میں داخلہ ہوا۔ بارگاہ ایرج میں سواری اتری۔۔۔۔۔

بیبیاں امیر کی اور بہوئیں وغیرہ سب مشتاق بہو کے آنے کی اس بارگاہ میں تھیں۔ جب ملکہ اتری سب نے بلائیں لیں۔ اس نے بھی ہر ایک کو تسلیم کی۔ گیتی افروز نے پانی اتار کے پیا۔ پھر سب بیبیوں نے گہنا اتار کے پہنا نا شروع کیا۔ کسی نے رونمائی میں کنگن، اور کسی نے کڑے ہیرے کے پہنائے۔ پھر جلسہ عشرت شروع ہوا، مجرئی ڈونیاں ہر ایک شہزادی نے طلب کیں کہ وہ اپنے گانے اور ناتج کے سامنے قوالہ فلک کو بے سرا اور میح کارہ بتانے لگیں، خاطر انجمن بھانے لگیں۔

اس اثنا میں خبر ہوئی کہ امیر بہو کو دیکھنے آتے ہیں۔ بلور نے یہ خبر سن کر سر سے پاتک دوپٹے سے بدن چھپا لیا، گھونگھٹ زیادہ نکال لیا، سر زانو پر جھکا کے ادب سے بیٹھی۔ سب بیبیاں امیر کے استقبال کو اٹھیں۔ جب امیر بارگاہ

میں آئے، ملکہ نے شرم سے اٹھ کر مچرا کیا، اور رومال سے ہاتھ چھپا کر نذر دی۔ امیر نے سر سینے سے لگا لیا، اور بھاری جوڑا مع ایک سو اکیس کشتی زلیوارا کے ہمراہ لائے تھے، وہ منہ دکھائی میں دے کر فرمایا کہ ”اے فرزند، میں شکر کرتا ہوں خدائے پاک کا کہ تو نے اطاعت پروردگار عالم کرنا قبول کیا۔ اب کلمہ پڑھ اور ادیان باطلہ پر لعنت بھیج۔“

ملکہ نے مع تمام اپنی کنیزوں کے بصدق دل کلمہ زبان پر جاری کیا، اور سحر کرنے سے توبہ کی۔ امیر خوش ہو کر رخصت ہوئے۔ بعد کھوڑی دیر کے اور سب بیبیاں بھی اپنے اپنے مقام پر گئیں۔ ملکہ بارگاہ میں تخت جو اہر پر متمکن ہوئیں۔ سامنے چنگیری، گلہ ستے وغیرہ چن دیئے گئے۔ امیر نے باہر جا کر ڈالیاں میوؤں کی اور طعام لذیذ اور خوان مٹھائی کے بھیجے۔ شہزادہ ایرج بھی خبر سن کر کہ ملکہ اکیلی ہے، داخل بارگاہ ہوا، اور پہلے دلدار میں بیٹھ کر دادِ عشرت دینے لگا۔

مگر آفت جو شکستہ حال، دابستہ ملال، لڑائی سے بھاگ کر چلی، سیدھی طلسم آئینہ میں پہنچی۔ ملازمان ملکہ نے دیکھا کہ آفت کا ایک ہاتھ کٹا ہوا، تمام جسم پر لہو کی چھینٹیں پڑی، پیرہن تار تار، بدحواس، گھبرائی ہوئی آئی ہے۔ یہ حال دیکھ کر پوچھنے لگیں کہ ”حضور! مزاج کیسا ہے؟“

اس نے کہا: ”میں آئینہ سے حال کہوں گی۔ جلد بتلاؤ وہ کہاں ہیں؟“ انھوں نے کہا کہ ”اپنے باغ میں تشریف فرما ہیں۔ آپ تو ان کے برابر کی ہیں، بے تامل تشریف لے جائیں۔“

یہ سن کر آفت سیدھی باغ میں آئی۔ از بسکہ پہلے کچھ رنجش آئینہ سے ہوئی تھی، اس وقت جو اس کو دیکھا، مثل مشہور ہے کہ گھر آئے کتے کو بھی نہیں مانگتے، آئینہ اٹھی اور استقبال کر کے اس کو لائی۔ حال ابتر بہت دیکھا، جسم خوں چکا ہاتھ کٹا ہوا، چہرے پر غبارِ ملال، یہ حالت مشاہدہ کر کے اگلی باتوں کو زبان پر نہ لائی، اور براہِ دل سوزی مستفسر ہوئی کہ ”بہن، یہ کیا حال ہے؟“

اس نے جواب دیا کہ ”آپ کی بیٹی کا یہ سارا کہ تو تہ ہے۔ میں پہلے ہی

سمجھتی تھی جب تم مجھ سے بگڑی تھیں کہ یہ ملی بھگت ہے، بہن، جو تم کو مسلمانوں کا ساتھ دینا تھا تو مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔ یہ کیا کہ اپنی صاحبزادی کو بھیج کر میرا ہاتھ کٹوایا، اور بنی بنائی لڑائی کجگاڑا۔ میں جانتی ہوں کہ ایرج کو اول بھی تیغ دے کر تمہیں نے بھیجا تھا۔ ہائے افسوس، کیا زمانہ آگاہ ہے کہ نہ کسی کو برادری کا پاس ہے نہ ایک دین ہونے کا خیال ہے!

آئینہ اس کی تقریر کایت آمیز سن کر کچھ سمجھی کہ یہ کیا کہتی ہے۔ منہس کر بولی کہ ”رندھی“ جب تو آتی ہے، خھرہ بگھارتی ہوئی آتی ہے۔ تیری خفگی سرائیکھوں؟ کوئی مرے پر طوفان لیتا تو جیتے جی! میں کیا جانوں کیسے مسلمان کہاں میری بیٹی، کہاں لڑائی! وہ بے چاری ماندی دکھیا سیرگاہ میں اپنی پڑی ہے۔ میں خود دیکھ آئی۔ بھینسوں بخار چڑھا ہے، ہسرتواٹھاتی نہیں۔ میں دعائیں مانگتی ہوں کہ سامری نے جھپٹھڑا دیا ہے، کہیں جی جائے، اب اس کو نام سامری سے برس ان گنا شروع ہوا ہے۔ تم آئی ہو اس پر بہتان جوڑتی ہوئی! مفصل کہو کہ میری بیٹی نے کیا تمہارے کیلجے میں چٹکی لی ہے؟“

آفت نے کہا: ”ایک تم ننھی ہو اور ایک تمہاری بیٹی۔ اری کیا باتیں بناتی ہے، جا کے دیکھ تو۔ وہ چالیس ہزار پتلا لے کر گئی اور یہ آفت برپا کی۔“ آفت نے سب احوال مفصل کہہ دیا۔ پس سنتے ہی آئینہ غصہ سے کانپنے لگی۔

(رات کو یہ دونوں بلور کو گرفتار کرنے لشکر اسلام میں جاتی ہیں) آئینہ نے سحر پڑھا کہ طلایہ دار بے ہوش ہو گیا، ہوا سرد چلی، بارگاہوں میں سردار، عیار غافل سو گئے۔ صرف وہ لوگ جو بارگاہ سلیمانی میں تھے ہوشیار رہے۔ ایرج کی بارگاہ میں باری دار وغیرہ، ترکنیں، حبشیں، سب بے ہوش ہو گئیں۔ اس وقت آفت کے بتلانے سے آئینہ بارگاہ ایرج میں اتری۔ یہاں دونوں شیلے یک دگر لپٹے پڑے تھے، ملکہ کی کرتی چڑھ گئی تھی، قمقمے دست ایرج میں تھے، پائے چڑھے تھے، ران سے ران گٹھی تھی۔ زلف عنبر فام قریب دماغ تھی کہ دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب گل تکے تھے آفتاب و مہتاب

ہم بستر آدمی پری تھی سائے کے بغل میں چاندنی تھی
سر کی تھی جو محسوس اس قمر کی برجوں پہ سے چاندنی تھی سر کی
(آئینہ جھپٹا مار کر بلور کو اٹھالے جاتی ہے)

آئینہ جب اپنی دختر لکھ بلور کو پکڑ لائی، طلسم میں پہنچ کر دو طمانچے زور
زور سے مارے، اور کہا: ”اے اماں بیٹی، تجھ کو مسلمان دھکڑا کرنا تھا!
نافیہ، کنبہ غارت ہوئی، ناشدنی! تیرے جیسے کتنا ہے۔ سامری تجھے
غارت کرے۔ یہ تو نے کیا کیا کہ تمام برادری میں ناک کٹوا دی۔ اری چینی بھر
پانی میں ڈوب مرا!“

غرضیکہ بہت سا کچھ بک جھک کر اس خوف سے کہ یہ کہیں پھر نہ بھاگ جائے،
قید خانے میں بھیج دیا۔۔۔ اور پاؤں میں زنجیر سونے کی ڈال دی۔

یہاں ایرج نے جو معشوق سے بارگاہ خالی دیکھی، چشم گریاں سے دریا آنسو
کے بہا دیئے۔ بساں شمع سوزاں کے حال پر دل جلا، اس قدر رو دیا کہ دست و پا
ٹھنڈے ہو گئے، پھر جو ہوش آیا، بستر غم پر پچھاڑ میں کھانے لگا۔ پروانہ دا
بے قرار ہو کر اس شمع عذار سے لو لگاتا اور یہ کہتا کہ

”تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا نہ سکھ ہے دل میں نہ نیند رتیاں
تیرا ہی لیتا ہوں نام ہر دم چپے ہیں سمن میں جیسے بتیاں
کہیں سے آمل تو مجھ سے پیارے جو میرے دل کو طمک آئے چیناں
مہارے آسا لگی ہے نس دن تمہارے درشن کو ترسین نیناں
دلارے سندر، انوسٹھے ابھرن ہٹیلے موہن، انوسکھے لالا“

اسی بے قراری میں خیال آیا کہ افسوس! جب تم قید ہوئے تو وہ اسیر سر
پنچہ تقدیر تاب نہ لائی۔ پتلے طلسمی لے کر تم کو چھڑانے آئی۔ اب وہ قید ہو گئی،
اور تم مٹھے رہو۔ مبادا اس کی ماں جا کر قتل کر ڈالے، تو کیسی بڑی نامردی ہے،
خلقت کہے گی، جو سنے گا وہ یہی کہے گا کہ عورت نے تو یہ مردی جتائی، اور مرد
نے بدتر از زنان بات کی۔

د چنانچہ ایرج ملکہ کو قید سے چھڑانے کے لئے روانہ

چٹری اور دودو

شہزادہ ایرج فوجوان سیرکناں اس مرغزار مینو نشان میں رواں تھا کہ دور ایک دیوار یا قوت رمانی کی نظر آئی..... ایرج خوش صفات اس دیوار کی طرف ششدر ہو کر چلا، یہاں تک کہ نزدیک اس کے پہنچا، دیکھا کہ دیوار پر فلک کشیدہ ہے، اسی کی سرخی سے لالوں لال تمام صحرا ہے..... اس دیوار پر نقش بردیوار حیرت سے بنا، پابہ گل ہو کر کھڑا ہو رہا۔ دل سے کہتا تھا کہ یہ کس سکندر نقش کشد کھینچی ہے..... اسی فکر میں تھا کہ عشق فتنہ کرنے رخنہ پرداز می کی، ترط کے صدا آئی، اور دیوار میں در پیدا ہوا۔ اس طرف ایک مکان عالیشان نظر آیا..... تخت جواہر آگیں پر ایک عنبریں گیسو خورشید رو کو جلوہ گر پایا..... ایسا حسن دل آویز گردوں کی سات پشت کو بھی نظر نہ آیا ہوگا۔ جفا میں اس ستم خو، ناز پرور کی جو گردوں سے کہیں بڑھ کر، نازک مزاجی میں طبیعت خود پسند..... ناز و ادا میں یگانہ، آفت زمانہ..... حسن سے متوالی، پہلو میں اُٹ اُٹ کرنے والی.....

شہزادے نے اس بت دل فریب اور صنم باز نیت و زیب کو دیکھ کر دل سے صبر و شکیب کھویا، حالت دل مضطرب گرد گوں ہوئی، غشی طاری ہونے لگی۔ مشکل اپنے تئیں سنبھالا، اور پکارا کہ

کس کس نے ہم کو روکا اس در پہ ہم جو پہنچے
نغزش نے پاؤں پکڑے درباں نے ہاتھ کھینچا

یہ صدا اس عاشق دیدار نے جب سنی، شہزادے کی جانب نگاہ کی۔ پہلے تصویر دیکھی تھی اب اصل صورت جاننا نظر آئی۔ ایک جوان خورشید جمال کو دیکھا

جونہانی راز کا بھیدی، شب وصل کا نوامیدی، ہنس کر چھڑنے والا، ستم
 اٹھانے سے منہ پھیرنے والا۔ راتوں کو جگانے والا، وصل کے انکار پر روٹھ جانے
 والا، محبت کا پتلا، عشق کا نقشہ۔ زینت چار بالش الفت، سراپا چاہت کی صورت،
 لب شیریں کا ذائقہ مند، خانہ حسن کے لوستے میں چاک چوبند، متاع حسن پر دانت
 لگائے، ہونٹ چوسنے کی آرزو میں منہ پھیلائے، استغنا کا فقیر، بوسوں کا سال،
 حسینوں کا امیر، دل لگی پر مائل، دشت عشق کا جوگی، محبت کا روگی، عقیق کو
 نیلم بنانے والا، ہونٹوں پر دانت لگانے والا، جس کے پہلو میں نہ ہونے سے
 دل کو شور و خمیں، انتہا کا بے چین، شوخ طرار، چلبلا، ذرا سی بات پر قسمیں دینے
 والا، نمک محبت سے مزے لٹے ہوئے شوریدہ سری پر آمادہ، ہزاروں دل لوٹ
 لے، کروڑوں گھر حسن کے برباد کئے، قید الفت میں پھنسا، انسانیت سے چھوٹے
 ہوئے معشوقوں کی آنکھ کا تارا، دل و جان سے زیادہ پیارا، پری زادوں کا
 بناؤ، مہ جبینوں کا کھیل، نازنینوں کے دل کا رکھ رکھاؤ، ہر دل کو اسی سے ٹکب
 عاشق پر فریب، معشوق بازیب۔

ملکہ یعنی براں جو لوح دینے آئی تھی، یہ اس نے دیوارِ یاقوت بنائی تھی اس
 وقت سراپائے پری تلال شہزادہ بے مثال کو دیکھ کر غش ہو گئی۔ کنیز جو ہمراہ آئی
 تھی، اس نے شہزادے کی طرف آٹ کر کے گلاب چھڑکا۔ جب ملکہ کو ہوش آیا، کنیزوں
 کو فرمایا کہ ”اس شخص سے جا کر دریافت کرو کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو۔“
 کنیز حسب فرمان خدمت ایرج میں آئی، تسلیم کی اور پیام ملکہ زبان پر لائی۔
 شہزادے نے فرمایا کہ کہہ دینا یہاں کا روانہ کام تمام ہو چکا، اس بے اعتنائی سے
 آپ کا نام ہو چکا۔ ماشاء اللہ تم کڑی کمان تیر ہو۔ ہم بے خبر آکر دام عشق میں اسیر
 ہوئے، کبھی شہنشاہ تھے، شاہوں کے شاہ تھے۔ اب جنگل مسکن ہے، افسوس سیرہ
 حمزہ ہے اور بن ہے۔ سب نے ساتھ چھوڑ دیا، یگانہ و بیگانہ نے رشتہ الفت توڑ
 دیا۔ اب خدائے واحد ہمراہ ہے۔ لب پر نالہ دآہ ہے۔“

کنیز یہ تقریر سن کر کہا: ”میاں تم نے اتنا بڑا سبق پڑھا کہ مجھے ایک بول بھی
 یاد نہ رہا۔ خیر میں جاتی ہوں، اور ملکہ سے جو کچھ یاد رہے گا کہ سناتی ہوں۔“

یہ کہہ کر ہنستی چلی گئی۔ اور ملکہ سے جا کر عرض رسا ہوئی کہ ”واری، انھوں نے تو درد دکھ اپنا کہا، اور ایسا باتوں کا تانتا لگا یا کہ مجھ نگوڑی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اب خود بلا کر پوچھئے“

ملکہ نے کہا: ”اچھا، بلا لا“

کنیز پھر آئی اور کہا، ”چلئے آپ کو بلاتی ہیں“
شہزادہ اس کے ساتھ سامنے ملکہ کے گیا۔ ملکہ نے شہزادے سے کہا: ”تشریف رکھئے اور قدم رنجہ فرمانے کا سبب بتلایئے“

شہزادہ اجازت پا کر پہلو میں ملکہ کے جا بیٹھا، اس نے شرما کر سر نیچا کر لیا، گویا گیا ہوا دل پہلو میں پھر آ گیا۔ آہستہ سے فرمایا کہ ”آپ کی چالاکی کے صدقے اچھا، فرمائیے کہ آپ کیا مطلب رکھتے ہیں؟“

شہزادے نے فرمایا کہ ”اے ملکہ، حال بتلائے فراق بہت تباہ ہے، اس کا خدا گواہ ہے“

ملکہ نے کہا: ”تو آپ کے سائے سے خدا بچائے۔ ذرا ہٹ کے بیٹھئے، ایسا نہ ہو کہ مجھ پر کہیں پرچھاواں پڑ جائے“

شہزادے نے کہا: ”مجھ سے میرا یہ خود بھاگتا ہے، وہ تنگ راحت ہوا کہ آرام میرے نام سے کاہتا ہے“

ملکہ نے جواب دیا کہ ”تمہاری ملاقات کیا گویا جی کا جنجال ہوئی، میں آپ کو بلا کے خوب نہال ہوئی“

شہزادہ بولا کہ ”بس اب نہ ٹالو، ہماری طرح ہمیں پیار کرو، عاشق کے کہنے کا اعتبار کرو“

ملکہ جواب دہ ہوئی کہ ”چہ خوش، ابھی تو آپ اور دکھڑا کہتے تھے۔ اب نام خدا سے میرے گلے کا ہار ہوئے۔ خوب پاؤں پھیلانے! اے صاحب، تم جس پر مرتے ہو وہی تم کو مبارک رہے (یعنی بلور جادو)۔ ایک کو تو قید الم سے چھڑالو، جب دوسری پر آنکھ ڈالو۔ پہنچا الف ہے کہ ایک کو تو اسیر دشمن رہے، اور عاشق اس کا دوسرے سے مرے اڑائے؟ واہ وا، آپ کا بھی عشق دیکھا!“

شہزادے نے کہا: ”اے بھراقت، اے دریائے محبت، واسطہ خدا کا،
تسکین دل بیتا کے میری بیاں خطا ذکر دل کا سنا لے۔ ابھی لہ اپنے سوال کا جواب دے جس کی
افت میں صحرانورد ہوں، نہ اس کو چھوڑوں گا نہ تیرے عشق سے منہ موڑوں گا۔
میں اسی لئے پیدا ہوا ہوں کہ سختیاں ہمیشہ سہوں گا۔“

ملکہ نے یہ سن کر ایک قہقہہ مارا، اور کہا: ”یہ شرکت اچھی نہیں کہ بموجب
میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں
شہزادے نے جب نام دل لگانے کا سنا، ملکہ سے لپٹ گیا اور پکارا کہ ”اے
حور شائل، اے راحت دل، تیری رکھائی سے عیش درہم برہم ہو گیا۔ دیکھ تو میرے
دل کا کیا عالم ہو گیا۔ جانی، میں دل نازک تیرے مزاج سے زیادہ رکھتا ہوں، بے
پردائی سے مرجاؤں گا، جی سے گزر جاؤں گا۔ دیکھ تو میرے دل کیا مزے دکھلاتا
ہے، یہ نیا خریدار کیا رنگ لاتا ہے۔“

ملکہ نے کہا: ”صاحب، سچے بیٹھو۔ یہ ڈھ پڑنا اچھا نہیں۔ لو خیر میں کہے
دیتی ہوں کہ ہاں، میں بھی تم سے محبت رکھتی ہوں۔ بس اب زیادہ عشق نہ جتاؤ، بک
بک کر میرا مغز نہ پھراؤ۔ تمہارے رونے پر طبع کا پتا ہے، جی ہانتا ہے۔“
شہزادے نے کہا: ”بارے آپ کو رحم تو آیا، میرے جذبہ دل نے اثر
دکھلایا۔“

ملکہ یہ سن کر چپ ہو رہی، شہزادے نے بھی کچھ چھوڑ چھاڑ نہ کی، ملکہ نے
کشتی شراب کی کھینچ کر جام شراب بھرا، اور شہزادے کو دیا۔۔۔۔۔ جام ملکہ کے
ہاتھ سے لے کر پیا، دور جام احمر شروع ہوا۔۔۔۔۔

بران نے وہ دیوارِ یاقوت نگار سحر کی مٹادی۔ اب کوسوں تک وہی دشت
پرفضا۔۔۔۔۔ نظر آنے لگا اور سبزے پر فرش چاندنی کا روپ دیتا تھا، زمر و پر بلور
کو جیسے بچھایا تھا۔ نہروں اور چشموں کی تراوٹ، گرمی کی فصل، یوں ہی سخی خنکی، صحر
کا سناٹا، محبوب گل عذار کے ساتھ شغل سے خوار می، سبحان اللہ، اس کو کوئی شوریدگان
دشت محبت کے دل سے پوچھے۔ وہ چاند پر لکھ ابر کا آجانا، دشت میں نور کے ٹپکے
کا عالم چھانا، پھر چاندنی سے دشت و در کا چمکنا، عجب کیفیت دکھاتا کہ

صحن میں دواہ وازور کھلی تھی چاندنی
 چاند بلوریں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
 آیا تھا یار گل بدن پہن کے بادلہ زری
 چمکی تھی تار تار میں مہ کی جھلک زری زری
 بوس و کنار و جامے عیش و طرب سنہی خوشی
 اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی
 صبح دمید و شب گزشت ماہ شبیں بجانہ رفت
 روئے سحر یہ کنید یار بدیں بہانہ رفت
 کیا ہی مزے سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
 چھوٹی تھیں مہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
 آگے چنی تھیں صف بصف مے کی بھری گلابیاں
 ہم کونشوں کی مستیاں یار کو نسیم خواہیاں
 سینوں میں اضطرابیاں آنکھوں میں بے حجابیاں
 اس میں فلک نے رشک سے ایس یہ کچھ خرابیاں
 صبح دمید و شب گزشت ماہ شبیں بجانہ رفت
 روئے سحر یہ کنید یار بدیں بہانہ رفت

رات بھر شغل بادہ کشی رہا۔ شہزادہ اس ماہتاب تاباں کو بغل میں لئے لذت
 بوس و کنار حاصل کرتا رہا۔ ران سے ران ہم سری کرتی رہی، بوسوں نے مہی ہوٹوں
 کی چھڑائی

ملکہ صبح ہوتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لائی، اور مثل نسیم سحر آہ سرد بھرنے
 لگی۔ شہزادے نے بھی اپنی حالت تباہ کی۔ ملکہ نے فرمایا کہ ”اے نوجوان، میرا
 راز کسی سے نہ کہنا۔ میں دختر کوکب روشن ضمیر بادشاہ طلسم نورافشاں ہوں۔ تجھ کو
 لوح طلسم آئینہ دینے آئی تھی، یہاں دام محبت زلف گرہ گیر میں اسیر ہوئی۔ خیر یہ
 محبت اپنی جتنا یاد رکھنا۔ یہ لوح حاضر ہے۔ اور طلسم فتح کر کے اپنے لشکر میں پھر
 جاؤ۔ نظر یہ فضل کریم کا رساز رکھنا، وہ خدائے لایزال جب کبھی ہم کو ملائے گا تو پھر

دہار میرا آئے گا۔ ایک طور تم سے ملنے کا نکلا ہے کہ باپ میرا شریکِ عمر و ہوا ہے۔ جو فلک کو برانہ معلوم ہو، اور عمرو سے اور میرے باپ سے دوستی رہے پھر البتہ تم سے ملاقات ہوگی۔ ورنہ ہم کہاں اور تم کہاں؟ دیکھئے اس عشق کا کیا نتیجہ ہوتا ہے، جان جاتی ہے یا محبوب ملتا ہے!“

غم مفارقت سے بیتاب ہو کر رونے لگی۔ شہزاد نے اس ماہ پارہ کو گلے سے لگایا، فرمایا کہ ”..... اے مجوروں کی تسکین دینے والی، اے مشتاقوں کی خبر لینے والی، ہماری دل، فکاری مبارک ہو، ہمیں بے قراری مبارک ہو، ہمیں اس جنگل میں جب تڑپیں گے، کون اٹھائے گا، تجھے یاد کر کے جب روئیں گے، کون سمجھائے گا؟ اب ہم کو گلستانِ جدائی کی بہار دیکھنا ہے، فصل خزاں میں لطفِ لالہ زار دیکھنا ہے۔ سینہ داغ اندوہ سے نیا رنگ دکھائے گا، ہر تختہ لالہ باغ کو شرابائے گا..... کیوں اپنا رخسار رشک گلشن دکھایا، اے عندلیب، حدیقہ ناز، کیوں برنگِ بلبل مجھ کو تڑپایا..... سچ ہے، آپ کا کچھ قصور نہیں، تقدیر میں یہی تھا.....“

ملکہ نے یہ حکایت عشق زبانِ شہزادہ دل دادہ سے سن کر کہا کہ ”اے معشوق کے منانے والے، ہر بات پر صدقے جانے والے، رنگین مزاج، عاشقوں کی سرتاج، تیری باتیں جب ہم کو یاد آئیں گی تو آٹھ آٹھ آنسو شب ہجر میں ٹپائیں گی۔ تم تو گلشنِ ہجر کی بہار دیکھ کر دیوانہ بن بھی کر دے گے، بلبلِ نمطِ نالہ و شیون کر کے بصدِ یاس دل پر ارمان کی بھڑاس بھی نکالو گے، ہم مثلِ طائرِ امیرِ نفسِ فراقِ گلزارِ عشرت سے دور، ریاضِ وصل کے مشتاقِ دل ہی دل میں گھٹیں گے، حسرت سے ایک ایک کامنہ دیکھیں گے۔ جب تیری صورت کا خیال آئے گا، خواب میں بھی دیکھنا محال ہو جائے گا۔ غنچہ سر بستہ کی طرح خاموش رہیں گے، دل پر خوں میں ارنالوں .. جوش رہیں گے۔ دل کہیں اور ہم کہیں۔ یہ سامان بے خبری نظر آتے ہیں، کیا کہیں، بہت پچھتاتے ہیں..... اے دلبر، یہ قصہ فرقت مختصر نہ ہوگا۔ اچھا، خدا حافظ و ناصر.....“

ملکہ روتی ہوئی تخت پر بیٹھ کر..... روانہ ہوئی۔ (جلد دوم)

عروس البیلا د

مثل بازار مصر ہر بازار
 شہر دیکھا کہ آدمی تو کیا
 شادمانی سے اہل شہر تمام
 حسن میں ایک ایک ماہ جبین
 ہر طرف شعلہ روشن اندام
 واں تو بے کار آسماں کا ہے دور
 جو کہ محل نشین ہے، لیلیٰ ہے
 روکش خلد ہے ہر ایک دکان
 مشتری کا ہجوم ہے ہر سو
 جنس ہوش و خرد گراں واں ہے
 سرد مہری کے دل جلے ہیں نگار
 ہر جگہ سوختہ جدھر جائے
 ہے جو ایک ایک طبیب عطار
 پھول والے گلے کے بیچیں ہار
 ہے ہر اک گل فروش البیلا
 کیا کھری صورتوں کے ہی صراف
 کس غضب کی نگاہ رکھتے ہیں
 ہیں طرح دار کتنے میوہ فروش
 جان دیں لے کے شاہان چمن
 ”ریشک لیلیٰ ہے ایک ایک کنوڑن
 دل فریب ان کا ہے غضب جو بن
 یوسف وقت ساکنان دیار
 گری پری دیکھ لے تو ہو سکتا
 محو عشرت تھے صبح سے تا شام
 غیرت لعنتان لندن و چین
 شکل طاؤس و کبک گرم خرام
 گردش چشم ہوشاں کا ہے دور
 ایک معمورہ تجلی ہے
 ہیں دکان دار غیرت علماں
 خود فروشی کی دھوم ہے ہر سو
 ایک سودا جڑوں کا ارزاں ہے
 ٹھنڈی سانسوں کا گرم ہے بازار
 سکے داغ دل بھنا لائے
 ان میں ہے داروئے دل بیمار
 کوچہ کوچہ ہے کوچہ گلزار
 پھول والوں کا زور ہے میلا
 دہری کے چلن میں ہیں حراف
 خوب کھوٹا کھرا پرکھتے ہیں!
 پستہ لب پہ ان کے ہے یہ خروش
 بیچ ڈالے ہیں سیب سیب ذقن
 جنس کے بدلے بکتا ہے جو بن
 ناشپاتی ہے ان کا سیب ذقن

بانکی بانکی ادا، غضب بائیں
 جب کہیں بیچنے نکلتی ہیں
 ہر گھڑی کہتی ہیں وہ غمزے سے
 سب کو بن جو کھے حیر دیتے ہیں
 بھنگ نوشوں کی اک طرف ہے بہار
 شام سے صبح، صبح سے تا شام
 دائرہ اور چکارہ بچتا ہے
 کہتے ہیں ساقوں سے ساغر نوش
 دید و ادید بھی ادھر ہو جائے
 گہ بگڑتی ہے گاہ بنتی ہے
 ساقیں حقے جب پلاتی ہیں
 نشہ باز ایک دم لگاتا ہے
 بی بی ساقن کے دم کی خیر ہے
 ایک جانب کھلا ہے بزارہ
 کسی بزارے کہیں یہ حال
 سیٹھ جی اتنے آڑے ترچھے نہ ہو
 جی بھی دیتا دلائے گر بھگوان
 کہیں گاہک سے کہہ رہا ہے کوئی
 پیرو مرشد کی جیسی مرضی ہو
 کتنے شیریں ادا ہیں حلوائی
 چاشنی گیر عشق خود بھی ہیں
 شیرہ جاں کی وہ مٹھائی ہے
 وہ شکر پارے ایسے ہیں شیریں
 ہر دکان رشک نان نعمت ہے
 دل عاشق ہے ایک ایک جس

وہ اکڑ، وہ تنی تنی گاتیں
 دل کو تلووں سے ملتی چلتی ہیں
 گھاسٹے میں ہیں اتار پستان کے
 ہم تو نظروں میں تول لیتے ہیں
 ساقوں کی دکانیں ہیں گل زار
 نشہ بازوں کا جگھٹا ہے مدام
 بے سری ایک ایک ایجتا ہے
 ہم کو بھی کر دے جان من بے ہوش
 ہم تلک بھی یہ دور ہو جائے
 بھنگ نوشوں میں گاڑھی چھپتی ہے
 عاشقوں کے دھولیں اڑاتی ہیں
 ایک مخمور غل مچاتا ہے
 ہم ہی محروم دم بغیر رہے
 ان دکانوں میں ریزے ہیں کیا کیا
 دو گھڑی تک جھگڑتے ہیں دلال
 واجب میں سکھ کا مول کھرو
 نفع بھر کھانے میں ہے کیا نقصان
 مشتری آپ سے سوا ہے کوئی
 ہاتھ کی آپ کے ہی بھنی ہو
 مثل شیریں ہے ان میں رعنائی
 باتیں قند مکران کی ہیں
 جس نے کھائی ہے جان پائی ہے
 چاٹ لے ہونٹ کھائے گر شیریں
 جان سرمایہ خلاوت ہے
 ہے وہ زنجیر رشک تار نفس

غل مچاتے ہیں خواہجے والے دیکھ بچھتاوے گا نہیں کھالے
 ذی علاوت بہت کرا رہا ہے من چلوں کے لئے بنایا ہے
 ہونٹوں سے ٹوٹے، خستہ ایسا ہے شور بوسہ صدا سے پیدا ہے
 نوجواں نوجواں پری سقے ابرو ریز دلبری سقے
 وہ مصفا ٹرک، وہ ان کا جماؤ آب گوہر کا چار سو چھڑکاؤ
 رات دن جگمگاتا ہے، میلا ہے مہر و مہ کا کٹورا بختا ہے
 (جلد دوم)

گل و بلبل میں جو باتیں ہیں، ذرا اگر ماگرم

جب وہ ۔۔۔۔۔۔ معشوقہ طرح دار و گل عذار یعنی ملکہ بہار زبان چالاک
 عیار پیام طلب انجمن یار سن کر عازم روانگی ہوئی، دل سے کہتی تھی کہ الہی یہ خواب
 ہے یا بیداری، اپنے حال پر مہنس رہی تھی، آرزو میں مبارک باد دیتی تھیں،
 حسرتیں کہتی تھیں کہ چپ رہو، ایسا نہ ہو فلک کو برا معلوم ہو۔ تنہا کہتی تھی کہ آج
 خوب ارمان نکالو، کسی کے گلے کا ہار بنو، نہیں نہیں کرتی جاؤ اور گستاخیاں دکھاؤ
 چولیاں خوب مسکیں، دست و پا پھینکیں، ہاتھ پائیاں ہوں، جی کھول کر رسوائیاں
 ہوں، عصمت کہتی تھی کہ یہ کیا ارادہ ہے؟ شرم پوچھتی تھی کہ ہم کو کیا رخصت کیا
 ہے؟ یہ ہوس ناک کسی کو کچھ جواب نہ دیتی.....

جب لشکر اسلام کی طرف آئی، راستے ہی میں جنگل کی عجیب صورت پائی۔
 دیکھا کہ کوسوں تک آگ لگی نظر آتی ہے، جب آگے بڑھی تو ظاہر ہوا کہ ہزار ہا
 قندیل ٹنگی ہے، گیند بلور کے اور قمقمے نور کے آویزاں ہیں..... فرش نخل سبزہ
 کا بچھا ہے۔ ہر نیا باغ بنا ہے، درختوں کو سر تراشی کر کے بادے سے منڈھا ہے،
 موتیوں کے جال سے ہر نخل چھپا ہے اور نیا تکلف یہ کیا ہے، کہ ہر شاخ پر فوارہ لگا یا
 ہے، تن درخت پر چاندی سونے کا خول ایسے چڑھایا ہے کہ اس میں فوارے کا خزانہ
 بنا ہے۔ ہر شجر پر ہزار ہا ہزارے کا فوارہ چھوٹتا ہے، پانی برستا نظر آتا ہے، درخت

سب شرابور ہیں، ہوا کے جھکورے سے دہن کی طرح جھکے جاتے ہیں، شرم کھا کر عرق عرق ہیں، نیا جوین دکھاتے ہیں، پتوں پر قطرے پانی کے اس طرح چمکتے ہیں کہ شگوفے نہیں، موتیوں کے کچھے لگے ہیں... فوارے جو درخت پر چھوٹے ہیں، واقعی سادون بھاد کو شرابے ہیں۔ پانی کی پھو بار دوز تک جاتی ہے طبیعت مست ہوتی ہے، بھر بھری آتی ہے۔۔۔۔۔“

ملکہ بہار اس لالہ زار کو دیکھ کر تقاضائے عشق سے آہ سرد بھرتی ہے، اپنے گل عذار کی سرد مہری یاد کرتی کہ دیکھئے وہ مغرور حسن و جمال جو تجھ سے کہیں ہوا ہے، نگاہ شوق کیونکر تجھ پر کرتا ہے، معاملہ دل کا دیکھیں، کیسا گزرتا ہے.....
(بارگاہ میں پہنچ کر دیکھتی ہے کہ) بیچ تخت پر مست بھی ہے اس پر ایک جوان جس پر پیر فلک اور زلزال دنیا ہزار جان سے قربان بیٹھا ہے... ملکہ اس دلدار پر از بسکہ شیفۃ نادیدہ تھی، اس وقت سامنا ہوتے ہی بے خودی چھائی... ادھر بادشاہ اسلامیان نے بھی دیکھا... دیکھتے ہی نگاہ محبت زانے اٹر گیا۔ بادشاہ کو بھی غش طاری ہوا۔ خواصوں نے جلد جلد کیوڑہ وغیرہ چھڑکا، دونوں کو جب ہوش آیا، ملکہ آگے بڑھی، تخت سے شاہ نے بہر پیشوائی اس شاہ حسن کے پیش قدمی فرمائی، قریب آکر ہاتھ تھام لیا۔ ملکہ نے نزاکت سے یوں کہا کہ ”کیا مرض مجھ کو ہے؟ اتنی دور آنے سے جی سننا گیا، غش آگیا؟“

بادشاہ نے مسکرا کر کہا کہ ”تمہارا شرمندہ ہونا میری آنکھوں پر صاحب! میں تو آپ سے شرمندہ ہو کر غش کر گیا۔“

ملکہ نے کہا: ”مجھے کیوں دیکھ کر غش ہونے لگے؟ یہ ڈورے اور کسی پر ڈالے؟“
شاہ نے کہا: ”ہمیں تو کوئی مرض نہیں۔ اب تمہاری زلف کا سودا ہوا ہے؟“
ملکہ نے کہا: ”اس مرض کی کیا دوا ہے؟“

شاہ نے فرمایا کہ ”شربت وصل سے یہ عارضہ جائے گا۔“

ملکہ نے یہ سن کر سر جھکایا، شاہ نے ہاتھ پکڑے تخت پر برابر بٹھایا۔ کینزان گل رخسار نے چار طرف سے اس بارگاہ کے پردے اکٹھا دیئے۔ برسات کی چاندنی کھلی تھی، چشمے موجزن تھے، چاند پانی میں ہلر لیتا تھا، پہاڑوں سے آتشا ہوتا تھا...

بادشاہ نے جامِ گلگوں سے نواب بھر کر منہ سے نلکے کے لگا دیا۔ نلکے نے پی کر ساغر بھرا اور شاہ کے منہ سے لگایا۔ پھر تو دماغ دور شراب سے گرم ہوا۔ مستی شراب نے آنکھوں میں گھر کیا، امیدیں کھل کھیلنے پر آمادہ ہوئیں۔ مگر آنکھیں شرم سے جھکنے لگیں۔ تمنائیں ہر چند کہ ہنستی تھیں مگر حیا مانع تھی۔ کچھ عرصے میں جب بادشاہ نے آغوشِ محبت میں کھینچا حیا نے کنار اکیا۔ نظر سے کیفیتِ مستی ہویدا، آنکھیں سرخ ہو کر طبیعت کا رنگ بدلا۔ یغا شوق نے لب ترکر دیئے۔ مسکرا مسکرا کر خفا ہونے لگی کہ ”صاحب، بچلے بیٹھو، اللہ قسم مجھ کو یہ دھمال پھوٹے دیدوں بھی نہیں بھاتی۔ مردوں کی باتوں سے نفرت ہے کہ جب پاس بیٹھتے ہیں، سوائے نوچا کھوچی کے ان کا ہاتھ رہتا ہی نہیں، قربان کروں، جان ہلکان ہو جاتی ہے۔ ایسی دھاچو کر پی بھلا کس کو پسند آتی ہے۔

یہ کہہ کر اس انداز سے تیوری چڑھائی کہ لشکرِ غمزہ نے ہوس عاشق کو شکست دی۔ بادشاہ منت کرنے لگے۔ نلکے نے ہنس دیا۔ شاہ نے پھر دستِ ہوس دراز کیا۔ اس باقی ستم نے نہیں نہیں کر کے ہاتھ چھڑایا کہ صاحب ”کیا غرض جو ہم اپنے دل پر خبر کریں، اپنے اور بیگانے کے طعنے سنیں، جان کیوں آرزو میں آخر کو دیں شوق دید میں جستجو کریں، فراق میں جل جل مزیں؟“

بادشاہ نے کہا کہ ”اے مایہ ناز، ہر چند کہ میں شاہ ہوں، لیکن تیرا غلام بے اشتباہ ہوں۔“

یہ کہہ کر آنسو آنکھوں میں بھر لائے۔ نلکے نے اپنے دامن سے آنسو پونچھے۔ ہنس کر کہا: ”صاحب، کیا تیری شکل میں رونا لگا ہے! میں رونے آدمی سے گھبراتی ہوں۔“

یہ کہہ کر اسی طرح آنسو پاک کئے کہ وہ گدرا یا جسم سینے سے مل گیا۔ بادشاہ کو تاب نہ رہی، فوراً گلے سے لگایا۔ نلکے ٹپ کر آغوش سے جدا ہوئی کہ ”اولیٰ دم گھٹ گیا!“

اب تو شرم نے آنکھ سے عار کی، آرزوئے ہم کناری دلدار زیادہ ہوئی۔ اٹھکھیلیں کا زمانہ آیا، بیتابیوں کی افزائش ہوئی، مگر پاسِ شریعت مانع از کار تھا، بغیر کلاخ و دونوں جانب خیالِ عصمت و پارسائی کا اظہار تھا۔ ہر چند کہ فعل باطنی یعنی مباشرت سے تو

باز رہے، مگر یہ کیفیت تھی کہ حوصلوں کا گرم بازار، آپس میں ہم آغوش، دھن میں
 مزے بوسوں کے پوشیدہ... نہیں اور ہاں کی لذتیں، سسکیاں بھڑنا، ملکہ کا گردن
 میں ہاتھ ڈال دینا، جھکنا، پیچھے ہٹ جانا، شرمانا، لجانا، مسکرانا، پسینے پسینے
 ہو جانا، چھوٹے کپڑے درست کرتے جانا، کبھی انگوٹھا دکھانا، کبھی زبان کی نوک
 سے رخسار سہلانا، پہلے آپ بوسے کے لئے منہ بڑھانا، پھر شرابا کر فراوانی دکھانا،
 کبھی منت سے سر قدم پر رکھنا اور کبھی خفا ہو کر پاؤں پر دوسروں کو گروانا۔ کبھی
 فدائے روئے یار ہو جانا، کبھی نشہ و صلت سے بے ہوش ہونا، کبھی شمیم زلف جاناں
 سے مد ہوش ہونا، کبھی بغلوں میں منہ ڈالنا، کبھی کبھی شرم کا جلد کرنا، گھبرا کر کہنا،
 کوئی آتا ہے، اور پلٹ جانا کہ دل گھبراتا ہے، کبھی دامن جھٹکنا، تن کر کھڑے
 ہونا، گات کا جو بن دکھانا، کبھی حیران ہو کر چار طرف دیکھنا، آنکھوں کی گردش
 سے عالم و گمگوں کرنا، کبھی الگ ہٹ کر ہاتھ اکوٹ لینا، آئینہ رخسار کی حیرت ناک
 سے بہار دکھانا۔ اس ہنگامے میں چولیاں مسک گئیں، نارستان ملے جو گئے تو سرخ
 سرخ نظر آنے لگے، سیب ذقن گدرا کر زیادہ لطف دکھانے لگے، زلف کا مزاج برہم
 ہوا۔ منہ پر چھڑ آئی۔ گیسو نے لہرا کر باغ رخسار پر گھٹا چھلنے کی کیفیت دکھائی۔
 ساکل باوجود یکہ بال بال گنہ گار تھی، لیکن اترانے پر تیار تھی، بادشاہ اس غیرت ماہ
 سے جب لیٹتے تو آہ سرد بھرتی کہ ”آپ کی وفا کا کیا اعتبار ہے؟ یہ منہ دیکھے کا سب
 پیار ہے!“

انہیں فقروں سے سدا قسم کھلو الیتی، اپنے اوپر دیوانہ بنا لیتی یہی ہنگامہ تازہ
 و نیاز تادیر گرم رہا، ہر ایک بار زوہے شرم رہا۔

کبھی زانو کو باہم بیٹتی تھی
 کبھی کہتی کہ ”صورت دیکھ میری“
 کبھی کہنی سے دینا ایک ٹھوکا
 لیٹنے میں کبھی دے دینا دھوکا
 کبھی کہنا کہ ”ٹھنڈے آدمی ہو
 اٹھے ایوں سے راحت کب کسی کو۔

جب خاطر مشتاق متقاضی ہم بستری ہوئی، بادشاہ طال کر لٹھے، اور ملکہ بھی ضبط کر کے الگ ہو گئی۔ کہا: ”آؤ، چل کر چاندنی رات کا لطف اٹھائیں، بہار باغ سے جی بہلائیں۔“

بادشاہ اس رشک ماہ کو ہاتھ پکڑ کر لے چلے... جا بجا جھولے درختوں میں پڑے تھے، گل عذاروں کے پرے جمع تھے، ملا رگاتی تھیں، چاندنی میں دوڑتی تھیں، پھلی پھلیا کھیل کر بہار جو بن کی دکھاتی تھیں۔ درختوں پر باد لے کی چمک، مقیش کا اڑانا، نور ریز زمین و فلک، نہروں میں بحرے اور مور نکھیاں پڑی، جل ترنگ بتجا، نکھیں چھلیں کرتیں، لب ہر نہر جواہر کار بنگلے بنے، فرش و شیشہ آلات سے سجے، مینا کار برنج بنے آگے ان کے نمگیرے سنک گوہر تنے...

تناول واد کیا دونوں نے کھانا ہوا آغاز پھر گانا بجانا پھرے پھر واد سے آئے خواب گہ میں پٹ کر دونوں لیٹے اک جگہ میں لیکن سونا کیسا! وہی ناز و غمزے کا دور۔ عالم ہی کچھ اور ہوا... انہیں باتوں میں، مزے مزے کی حکایتوں میں سمع انجن فلک بے نور ہوئی۔ یہاں گردن میں باہیں پڑی تھیں۔ ٹانگوں سے ٹانگیں گٹھی تھیں کہ زلف شب سمٹی، مزاج صحرا سے گستاخی ظاہر ہوئی... ..

(امیر بہار سے ملنے آتے ہیں، اور دعائے کر چلے جاتے ہیں)
وہاں جب تنہائی ہوئی، وہی ہنگامہ عشرت ہوا۔ آپس کی چھڑ چھاڑ، اختلاط و پیار ہونے لگا۔ لطف ہم آغوشی، باہم بوسہ بازی، حسرت کی نگاہیں، محبت کی راہیں کھلیں۔ گانا ناچ شروع ہوا، شراب کا دور چلنے لگا۔ باہم عہد و پیمان ہونے لگے۔ وعدہ دیدار و وصال پر قرار کے پھلے بدلے، نشانیاں ایک نے دوسرے کی لیں، قسبیں عاشق و معشوق نے کھائیں کہ جانی، ہم کسی حال میں ہوں گے، مگر تمہیں نہ کسی طرح دل سے اپنے بھولیں گے۔ دن ہجر کی مصیبت کے بھریں گے، خدا چاہے گا تو مل رہیں گے... انہیں شکوہ و شکایت، ذکر ہجر و وصل میں آغوش فلک سے معشوق خورشید نکل کر جانب طلسم مغرب روانہ ہوا... اس آفتاب آسمان دلیری نے رو کر کہا کہ ”لو جانی، اللہ نگہبان! دل سے نہ بھلانا، زیادہ نہ تر پانا۔“

بادشاہ بھی ان باتوں پر اشک فشاں تھے۔ عجیب وقت تھا کہ آہوں کا دھواں بلند ہو کر گویا سحاب بنا تھا، اشکوں کی جھڑی لگی تھی، چہرے تہمتا کر سرخ ہوئے تھے یا گلزارِ حسن میں شفق پھول تھی، ادھر صحرا میں طائرِ بسیرا لیتے تھے، ندیوں سے آبشار تھا پہاڑوں سے جھرنہ جھڑتا، سارا دشت اس بہار کے جانے سے روتا تھا، کوئل اور پیپے اور مور نعرے اور کوک مارتے تھے۔ دونوں وقت ملتے تھے۔ یہ شدید ایک دگر جدا ہوتے تھے۔ ہر سمت سناٹا چھایا تھا، فلک نے جدائی کا نقشہ دکھایا تھا۔

(جلد دوم)

ڈیرے

... دیکھا کہ ایک بارگاہ عالی استادہ ہے... چند کنیزان خوش رو و مہ جمال مصروف انتظام ہیں، روشنی کی تیاری کر رہی ہیں۔ گلاس، ہانڈی، جھاڑ، آتشیں سیارہ بارگاہ میں لگاتی ہیں۔ مسندیں پر تکلف بھی ہیں، پردہ ہائے بارگاہ اسٹھے ہیں۔ بارگاہ سے ہٹ کر میدان میں چند ڈیرے طوائفوں کے اترے ہیں، کس لئے کہ حسب الحکم ساحرہ کنیزوں نے قریہ جات سے رقاصوں کو بلایا ہے... گاڑیاں کھڑی ہیں، جوئے کے نیچے کچھونا بچھا ہے، رنڈیاں سادی پوشاک پہنے بیٹھی ہیں۔ سازندے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کوئی تھیلی سے کنگھی، آئینہ، سرمہ دانی نکال کر بال سنوارتا ہے، کوئی پانڈان سے پان لگاتا ہے، کوئی سازنگی کی طر میں پھیر پھیر کر سردست کرتا ہے، کوئی طبلے کے بڑے ٹھونک کر چست کرتا ہے۔ بیل گاڑی کے پیچھے بندھے ہیں، ٹاٹ کے جھولے میں بھوسا رکھا ہے۔ بعض گاڑی کے برابر ناکہ بیٹھی ہیں، نوچی کو سپردائی گواہ ہے ہیں۔ رنڈی لوٹا لے کر پیشاب کو گئی تھی، ادھر سے جو پھری ہے، ٹوٹنی سے پانی گراتی ہے، کھیلتی آتی ہے۔ دوپٹہ ڈھلکا ہے، جو بن کی بہار دکھاتی ہے۔

(جلد دوم)

حکم حاکم

چاندنی کھلی ہے، چبوترے پرفرش سنہرا بچھا ہے، پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے، ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ بیچ چبوترے پر رنڈی حسین و طرحدار بیٹھی مشغول کرشمہ سنجی ہے۔ منصور پاس بیٹھا ہے، جب لیٹنے کا قصد کرتا ہے، وہ ڈھیلے ہاتھ سے طمانچہ مارتی ہے، بھیتیاں کہتی ہے کہ ”موئے، آتش بازی کے دیو، تیرے منہ کو جھلسا۔ سچلا نہیں بیٹھتا؟“ منصور اس کی باتوں سے مزے میں آکر کبھی چٹکی لیتا ہے، رخسار و پستان پر ہاتھ پھیرتا ہے، شراب کا جام قسمیں دے کر پلاتا ہے، نشہ رنگ جماتا ہے، رنڈی سسکیاں بھرتی ہے۔ ”اوئی!“ ”آہ!“ کی صدا بلند ہے، مستی خانہ دل میں قدم دھرتی ہے۔

وہ لذت میں زباں کا منہ میں دینا	وہ بستر سے اٹھا ہاتھوں پہ لینا
وہ پہلو کے برابر گرد گدھا ہٹ	وہ سینے کی رگڑ سے سلسلا ہٹ
وہ آنا ہوش میں بے ہوش ہو کر	پٹ جانا وہ ہم آغوش ہو کر
وہ گھٹنوں میں چرانا کچھ بدن کا	وہ بڑھ کر سونگھنا ہر عضو تن کا
وہ ہاتھوں کو سر پٹیاں پہ لانا	وہ ہونٹوں کو زباں سے سسلانا

(جلد دوم)

بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلا دہی

عمر و صورت ساحر کے مثل بن کر شکر حیرت میں داخل ہوا، اور اس نے اروغہ زنداں کو قید میں لے جاتے ایک خیمے میں دیکھا۔ سمجھا کہ یہی زندان خانہ ہے، وہاں پہرہ چوکی بھی زیادہ تھا۔ مرزبان در زندان پر کرسی بچھائے بیٹھا تھا۔

اس کو دیکھ کر عمرو نے ایک گوشے میں ٹھیکر کر صورت اپنی مثل ایک زن خوبصورت کے بنائی۔ گیسوئے مشک فام کو بل دے کر رخساروں پر چھوڑا، اور مانگ کو متوہل سے بھرا، جوڑا تر چھا باندھا، چشم غزالی سرمہ آگیاں کر کے رخسار تا بناک کو گلگونہ کش فرمایا، سر سے پاتک زیور مرصع کار پہنا، اس وقت اس کے حسن دل آویز پر لعبتان دھڑا رہاں سے تھارتھے، بلکہ مہر و ماہ تصدق ہر بار تھے۔ موئے قرۃ یوانگیا حسن کو تنکے چناتے اور ابرو اس کے حسام بن کر دل عاشق کو نشانہ بناتے۔ دست و پائیں ہندی رچی دل عاشق کو خون کرتی، دل کی لگی ہوئی آگ کو اور زیادہ بھڑکاتی۔۔۔ اس خوبی سے درست ہو کر دلائی کا جھرمٹ مار کر، جھاڑ لیاں دیتا، کمر اور کولے کا عالم دکھاتا سامنے سے مر زبان کے ہو کر۔۔۔۔۔ نکلا، اور دلائی ہٹا کر آنکھ سے آنکھ لڑائی، اور رخ روشن کی جھلک دکھائی۔ پھر آگے کوچلی۔ مر زبان شیفٹ و فریفت ہو کر بے قرار شعر عاشقانہ پڑھتا اٹھ کر پیچھے چلا، اور جب تنہائی میں پہنچا، بے اختیار یہ زبان پر لایا کہ:

”کون سے دل میں نہیں دل کی تیرے حسرت

کونسا آئینہ ہے جس میں تیری تصویر نہیں“

وہ نازک اندام یہ شعور سن کر پھری اور منہ سے دوپٹہ ہٹا کر مسکرائی۔ مر زبان نے دوڑ کر ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا:

”دور سے بھی کبھی ملنے کے اشارے نہ ہوئے

ہم کہیں کے نہ ہوئے تم جو ہمارے نہ ہوئے“

اس نازک زمین نے ہاتھ جھٹک کر چھڑایا اور کہا: ”جاؤ، جاؤ، میں ایسے بے مروت مردوں سے بات نہیں کرتی“

مر زبان قدم پر گر کر پڑا کہ ”اے جان جہاں، میں تابعدار ہوں۔ تمام عمر گردن اطاعت سے نہ اٹھاؤں گا“

اس محبوبہ نے پاؤں پر سے سر مٹا دیا۔ اور اپنا ماتھا کوٹ لیا کہ ”ہے ہے! میں نگوڑ ماری اس طرف آ کر کس غضب میں پڑ گئی۔ ارے لوگو یہ مرد و ایسا چمچ ہے، کیوں میرے پیچھے پڑ گیا؟ اچھا کہو کیا کہتے ہو؟“

مرزبان نے پھر تو گلے سے لگا لیا، اور پیار کرنا چاہا کہ اس گل پیرا ہن نے کہا کہ ”ہٹو، دیکھو کوئی آجائے گا“ یہ کہہ کر چھوٹے کپڑے اپنے سینہ والے اور خالص نکال کر ایک گھوری کھائی، اور چاہا کہ خاصداں بند کرے۔ مرزبان کلائی پکڑ کر کہا، ”واہ واہ، ہمیں نہیں!“ اس نے انگوٹھا دکھایا، لیکن اس نے نہ مانا ایک گھوری لے کر کھا گیا، اور کھاتے ہی بیہوش ہو گیا۔

(اتنے میں افراسیاب کو جادو کے ذریعے سارا حال معلوم ہو جاتا ہے وہ آ کے عمرو کو پکڑ لے جاتا ہے اور مرزبان کو رہائی دلاتا ہے۔ پھر وہ مرزبان کی مدد کے لئے ایک زبردست جادوگر فی ناگن کو بھیجتا ہے۔ ناگن کے آنے سے مسلمانوں میں ہراس پھیل جاتا ہے۔ عیار بھی حیران و پریشان ہیں)

اسی طرح افسوس کر رہے تھے کہ قرآن نے برق سے کچھ کان میں کہا۔ برق ایک طرف ”بہت خوب“ کہہ کر چلا گیا، پھر قرآن نے اور عیاروں سے بھی کچھ کہا کہ وہ بھی ایک طرف گئے۔ جب یہ جا چکے قرآن بھی ایک جانب روانہ ہوا۔

مگر برق جو اول گیا تھا، ایک مقام پر بیٹھ کر ایک عورت بنا کہ بدن دھڑاؤ گدبدا ایسا دوا کی دھونی دے کر بنایا کہ ہیئت ہی بدل ڈالی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھ، پتلی پتلی انگلیاں، کمر پتلی، کو لے بھاری، موافق کی تیاری، انگلیاں کسی کسی کسائی ٹھیک سر میں زری کا موبان پڑا، اونچا سر گندھا، پیشانی ہموار و بلند، جڑی بھوین، ستوانا کا سبزہ رنگ، گات ابھری، ران پر گوشت بھری بھری، لباس سر سے پائیک ہلکا پیازی رنگا ہوا زیب قامت فرمائے، زیور الماسی مگر مختصر پہنے۔۔۔۔۔ اس صورت دل فریب سے ہو کر ہاتھ میں تھان لئے، کچھ پکوان اور مٹھائی اس میں رکھے نہایت ناز و انداز سے سامنے اس قلعہ ابر کے آکر ایک جانب کو روانہ ہوا۔ کچھ دور گیا ہوگا کہ ضرغام سے قرآن نے کہا تھا کہ تو عاشق بنا، وہ ایک مقام پر ٹولیہ مؤپرشاں حال گریباں چاک کھڑا تھا۔ دوڑ کر اس نازمین کے قریب آیا، اور پکارا کہ

”وہ تمہیں ہو جو چراتے ہو ہمیں دیکھ کے آنکھ

ہم سے دل بھی تو کسی طرح چرایا نہ گیا“

یہ کہہ کر پاس پہنچ کے ہاتھ پکڑ لیا، اس زن ماہ پکیرنے کہا: ”صاحب، تم مجھے

کیوں بدنام کرتے ہو؟ ان باتوں میں جان جائے گی۔ اب محبت سے ہاتھ اٹھاؤ،
ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ میں کہاں تک جنگل میں تمہارے لئے آیا کروں؟ جس دن میرا
خاوند دیکھ لے گا، بڑی آفت ہوگی۔“

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ قرآن لشکر مرد، قوی ہیکل، سونٹا ہاتھ میں لئے
ایک طرف سے آکر پہنچا، اور لٹکارا کہ ”مال زادی، تو ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ مجھے کسی
کے ساتھ پکڑ لو تو میں جانوں۔ آج میں نے تیرے پاس کے ساتھ تجھے پکڑا، آج تیری
ناک کاٹوں گا۔ یہ بیسواپن تیرا سب ظاہر ہو گیا۔“

اس ڈانٹنے کے ساتھ ہی وہ عورت تو سہم کر بیٹھ گئی، اور وہ عاشق بھاگد
پھر کچھ مطلوبہ کا بھی خیال نہ کیا کہ کیا اس پر گزرے گی۔ شوہر مصنوعی نے آکر بال
سر کے پکڑے، اور براہ بناوٹ اس عورت کو مارنے لگا، اور عورت نے شور داد
دے دیا اور فریاد بلند کیا، اور شوہر کو بھی دو ہتھ مارتی تھی اور کہتی تھی کہ ”تیرا
اجارہ ہے؟ جو میرا جی چاہے گا کروں گی، اور تیرے منہ میں پونچھوں گی بھڑے،
آج تجھے بڑی غیرت آئی، اور کل اس نے دس روپیہ کا کپڑا تجھ کو لادیا تو وہ چکے سے
لے لیا، یہ نہ جانا کہ آخر یہ کس علاقے سے دیتا ہے۔ پھر کسی کا مال کھا لینا کھٹے بانی
ہے؟ آج آیا ہے اپنا قرق جتانے! اپنی بھینا پر قرق نہیں کرتا جو دن دھاڑے
یا رہلاتی ہے۔“

غرض کہ عورت تو مرد کو دشنام دیتی ہے، کاٹ کھاتی ہے، اور مرد سونٹے مار
رہا ہے، شور و غل بے انتہا مچا ہے۔ از بسکہ چاندنی رات تھی، اور ابراہیم کا قلعہ
نزدیک تھا، طاق و ایوان میں وہاں کے ساحر تو بیٹھے ہی تھے، انھوں نے بھی
یہ ماجرا دیکھا، اور مرزبان سے جا کر کہا: ”ذرا چل دیکھئے تو جنگل میں عجیب دل
لگی ہو رہی ہے۔“

یہ سن کر اس نے بھی آکر ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ چاندنی میں عورت
کا قد قطع دار ثابت ہوا۔ ایک سحر کا پنچہ بھیجا کہ وہ جا کر عورت اٹھا لایا۔ ...
پنچے نے عورت کو سلنے رکھ دیا۔ اس نے پاس سے جو رخ زیبا کا اس کے نظارہ کیا، اور
از سر تا پا اس کو دیکھا، بیک نظر دیوانہ و فریفتہ ہوا، اور کہا کہ ”اے گل پیر میں“

یہ کون تھا جو تجھ ایسے معشوق کو کہ جس کو گل کا بوجھ بار معلوم ہوتا ہو گا زرد و کوب کر رہا تھا؟“

یہ کلمات سن کر اس میں عذار نے کہا کہ ”آپ آج کی مار کو کیا کہتے ہیں، جب سے میں اس قصائی کے پاس پڑی، ہڈی ہڈی میری چور ہے۔ اس وقت آپ نے بڑا غضب کیا جو اس کے پاس سے مجھے اٹھوا لیا۔ اب وہ بغیر ناک کاٹے یا مار ڈالے مجھے نہ چھوڑے گا۔ مونڈی کا ٹاٹا بڑا بدگمان ہے۔ کہے گا کہ بتا کس یا نے سب تجھے بلوایا تھا؟“

مرزبان نے کہا کہ ”کیا مجال اس کی جو تجھے اب ہاتھ لگا سکے؟“ عورت نے جواب دیا کہ ”کیوں، مجال کو کیا چاہئے؟ وہ میرا شوہر ہی ہے۔ واسطہ سامری کا، اگر مجھ کو آپ نے بلایا ہے تو میرے شوہر کو بھی بلا لیجئے۔ ورنہ بڑی قباحت میرے لئے ہوگی، اور اب میں تو جا بھی نہیں سکتی۔ وہ یہی کہے گا کہ تو آشنا کے یہاں گئی تھی۔ ہائے لوگو، میں کس غضب میں پڑ گئی! اسے صاحب جلد سے بلوایئے؟“

مرزبان نے چاہا کہ پنجنہ بھیج کر بلائے۔ عورت نے کہا: ”پنجنہ نہ بھیجے گا، وہ آدمی جلے تن ہے۔ ناحق مجھ کو آکر مارے گا۔ آبرو کے ساتھ بلوایئے گا کہ وہ خوش ہو، غصہ اس کا اتر جائے، پھر انصاف کرے، رضامند کرے اسے فارغ خطی مجھے دلوائے گا۔“

مرزبان فارغ خطی کا نام سن کر شاد ہو گیا، اور ایک ساحر کو حکم دیا کہ تخت سحر پر بٹھا کر اس کے شوہر کو لے آئے۔ ساحر حسبِ حکم تخت لے کر گیا۔ وہاں وہ مرد بک جھک رہا تھا کہ ساحر نے کہا: ”چلئے، جہاں آپ کی زوجہ ہے، انہوں نے بلایا ہے۔“ اور سوار کر کے اندر قلعہ سیاح کے سامنے مرزبان کے لایا۔

اس نے بہ عزت تمام بٹھلایا۔ بعد کچھ دیر کے سمجھانے لگا کہ ”زوجہ تمہاری آوارہ ہے کچھ روپیہ مجھ سے لے لو، اور اس کو چھوڑ دو۔“

اس مرد نے کہا: ”اس وقت خستہ و شکستہ بہت ہوں۔ صبح کو اس کا جواب

دوں گا۔“

پھر مرزبان نے ایک ساحر کو حکم دیا کہ اس کو لے جا کر خیمے میں رکھو۔ ساحر قرآن کو خیمے میں لایا، پلنگڑی چاندی کی سونے کو دی۔ ادھر عورت سے مرزبان اختلاط کرنے لگا۔

عورت نے کہا: ”میں بھی اپنے شوہر کے خیمے میں جاتی ہوں۔ جب فارغ خطی ہو جائے گی اس وقت دیکھا جائے گا۔“

مرزبان اس کلمے سے بیتاب ہو گیا، اور کہا: ”تم یہیں ٹھہرو۔“ عورت نے کہا: ”خوب! تم تو پرانی جو رو پر لہلوٹ ہو گئے۔“ یہ کہہ کر اٹھی کہ جاتی ہوں۔ مرزبان اٹھ کر لپٹ گیا، اور قسمیں دینے لگا۔ عورت نے کہا: ”ذرا دم لو، میں ابھی تو جاتی ہوں اور جب وہ سو جائے گا تو کسی جیل سے آؤں گی۔“

یہ کہہ کر وہاں سے خیمے میں آئی۔ قرآن سے سب حال کہا: ”اب جا کر میں مرزبان کو پکڑے لیتا ہوں۔“

یہ باتیں کر رہا تھا کہ ایک طرف سے صدا کر اہنے کی آئی۔ برق نے درخیمہ پر آکر ایک ساحر سے پوچھا کہ ”یہ کون آہ آہ کرتا ہے؟“

اس ساحر نے کہا: ”مان ناگن کی بے ہوش اور ماندی رہتی ہے۔ وہی کراہتی ہے۔“

یہ سن کر برق اسی آواز کی طرف گیا۔ دیکھا کہ ایک خیمہ استادہ ہے، اندر اس کے ایک پلنگ پر ایک مریضہ لیٹی ہے، ایک جانب چوک پاخانہ پھرنے کی لگی ہے، دو ایک کینز میں سپارہ جوان خدمت کو حاضر ہیں، پلنگ کے قریب کچھ لٹخے بنے رکھے ہوئے ہیں۔ کھیرے کٹے پڑے ہیں، کچھ عورتیں پٹی پکڑے بیٹھی ہیں، نیکھا جھل رہی ہیں، برق نے قریب خیمہ پہنچ کر ایک عورت کو ان میں سے با اشارہ انگشت طلب کیا۔ جب وہ اٹھ کر واپس آئی، کہا: ”کیوں، گیاں، تم نے ہمیں پہچانا؟“ اس کینز نے کہا کہ میں مطلق واقف نہیں۔

اس نے کہا: ”اب کا ہے کوہچاؤنگی! میں وہی نوکر مرزبان کی ہوں۔“ یہ کہتے کہتے حباب بے ہوشی مارا کہ تڑاق سے اسے چھینک آئی اور بے ہوش ہو گئی۔ برق اس

کو اٹھا اپنے خیمے میں لایا، مگر اوپر سے نہ آیا، پشت پر سے سر اچھ چاک کر کے اندر آیا، اور درخیمہ پر جا کر پکار کر کہہ دیا: ”اندر خیمے کے ہم زن و شوہر سوتے ہیں۔ کوئی یہاں نہ آئے۔ دوسرے جہاں کہیں میں جاؤں، کوئی میرا مراحم نہ ہو۔“ ساحروں نے جو یہ کلام سنا تو سمجھے کہ زن بدکار ہے، شاید کہ یہ شوہر کو سلا کر میان پاس ہمارے پاس جائے، یا کچھ اور کرے، اس کے درمیان میں بولنا اچھا نہیں۔ وہ سب تو یہ سوچ کر چپ ہوئے۔ ادھر اس نے کپڑے اس کینز کے اتار کر آپ پہنے، اور اپنے کپڑے وہی زن نے اس کو پہنائے، اور مثل اس کی صورت کے شکل اپنی بنائی، اور جس صورت پر آپ عورت بنا ہوا تھا اسی طرح کی عورت اس کو بنا کر فلیتہ داغ بے ہوشی سنگھایا کہ وہ ہوشیار ہوئی۔ دیکھا کہ میری صورت کی ایک عورت سامنے موجود ہے۔ یہ دیکھ کر براہ استعجاب اس نے کیفیت پوچھی۔

برق نے کہا: ”گیاں میں تم سے کھڑی باتیں کر رہی تھی کہ ایک ہوا کا جھونکا لگا۔ دونوں بے ہوش ہو گئے، اس وقت سامری کو دیکھا کہ تشریف لائے اور میرے تمہارے منہ پر ہاتھ مارا، اور فرمایا کہ ہم نے تم دونوں کو کایا پلٹ کر دیا، اس میں تمہارے لئے بہتری ہے، اور ہماری مشیت اسی کی مقتضی ہے کہ کینز ناگن کو مرزبان کی زوجہ بنا کر اس کا مرتبہ دو مرتبہ بڑھائیں، اور تجھ کو اس کینز کی صورت بنائیں۔ لو، گیاں، مشیت خداوند میں کیا چار ہے؟ اب تم میری حقیقت سنو کہ یہ شخص جو پلنگ لپٹا ہے، اس کی میں زوجہ تھی، مجھ پر مرزبان عاشق ہے، صبح کو فارغ خطی میرے شوہر سے مجھ کو دلا کر مجھے اپنے تئیں بتلانا، اور مجھ سے مرزبان نے وعدہ لیا تھا کہ جب شوہر تیرا سو جائے تو میرے پاس آنا۔ اب یہ سوتا ہے، تم اس کے پاس جاؤ اور داد عیش و خرمی دو۔ میں تمہارے عوض تمہاری بی بی مرلیضہ کی خدمت میں جاتی ہوں۔

وہ کینز مدت گزری تھی کہ مرد سے واقف نہ تھی، اور تکلیف میں رہا کرتی تھی۔ زبور دیکھ کر اور زور دے اتنے بڑے امیر کا ہونا سن کر نہایت خوشنود ہوئی۔

اور کہا: ”گیاں، اچھا مجھے مرزبان کے پاس پہنچا دو، اور اپنا نام بتلا دو۔

برق نے کہا: میرا نام محبوب ہے۔“ کہہ کر اپنے ساتھ لیا، اور خیمہ مرزبان کا

بتلا دیا وہ اندر خیمے کے گئی۔ مرزبان چشم براہ انتظار تھا۔ اس کو دیکھ پکارا:

”آج آتے ہیں وہ کچھ آنکھوں میں فرماتے ہوئے سحر اور اعجاز اک پر دے میں دکھلاتے ہوئے

یہ کہہ کر اٹھ کر گود میں لے کر پٹنگ پر بٹھایا، لب سے لب ملایا، شراب کا جام ملایا۔
 یہ کینز نہایت سرور ہو کر مصروف عیش و طرب ہوئی۔
 (اس کے بعد عیار اپنی چالاکی سے مرزبان اور ناگن دونوں کو قتل کر ڈالتے ہیں،
 (جلد اول)

بڈھی گھوڑی

اس جادو گرنی کے گلے میں جھولی بادل نہنگار پڑی ہے، ماتھے پر بندی لگی ہے قشقہ
 سیندور کا کھینچا ہے، ماتھا فیل کی متک کی طرح رنگا ہے۔ صندل اور چندن سے تمام
 جسم رنگین ہے، ماراں سیاہ سے گردن کو زمین ہے۔ رنگ سیاہ، نقشہ بھونڈا، گدی پہ
 جوڑا بڑا سا بندھا، گدنا ٹھڈی پر گدا۔ منہ بھار سا کھلا۔

(جلد سوم)

آفت کی پڑیا

اس نے بانے عیاری کے جسم پر لگائے، فلاخن سر سے لپٹی ہوئی، کندوں کے لچھے
 بازوؤں پر پڑے ہوئے، تو بڑا پتھر کا شانے میں لٹکا ہوا، ترکش مثل دم طاؤس کے
 چتر پہلو پر کئے، کمان شانے پر لٹکی ہوئی۔ قنطورے زربفتی اور پتیاوے سقر لاتی سے
 آراستہ حقہائے نفتی گھاٹیوں میں دبے، توڑے شیر کئے ہوئے، حباب بے ہوشی
 ہاتھوں میں لئے، حیلہ ہائے ناحق سے چست ہو کر ایک لٹیا برنجی اس طرح سے تیار کی کہ
 کناروں پر اس کے کندے لگے، اور ان میں زنجیریں بند ہیں، اور سب طرف سے
 زنجیریں مل کر ایک زنجیر اور پر گرفت کرنے کی جو تھنی اس میں اٹکی ہوئیں، مثل اس کے جیسی ایسی
 لوہے کی زنجیر دار ہوتی ہے اور اہل کشمیر گلے میں فرط سرا سے ڈال لیتے ہیں۔ پس اس لٹیا

میں نیچے ایک مخزن ایسا بنایا کہ آگ اس میں دہکتی تھی اور اوپر اس کے سیلاب اور
 روغن مثل تیزاب کے چرخ کھاتا نظر آتا تھا۔ اس لٹیا کی زنجیر پکڑ کر گوپھن کی طرح جب
 یہ گھماتا تھا، سیلاب اس میں سے گزرتا نہ تھا، ایک شعلہ چرخ کھاتا نظر آتا تھا۔
 (جلد سوم)

واکے بچھڑت پھٹے ہیا

(ا فراسیاب کو پتہ چلتا ہے کہ برق عیار نے اس کے ایلچی کو مار ڈالا ہے)
 بادشاہ مذکور یہ حال سن کر آگ ہو گیا، اور سامنے، باغبان، وزیر کھڑا تھا،
 اس سے کہا کہ ”کیوں اسے وزیر خوش تدبیر ہو سکتا ہے کہ تو اس برق ناعیار کو گرفتار کر کے
 سامنے میرے لائے، اور اس کا لیے قرآن کو براہ کفر کرداری پہنچائے، سر اس کا کاٹ
 کر قلعہ طلسم کے کنگرے پر چڑھائے؟“

وزیر مذکور نے عرض کیا کہ ”اقبال حضور شریک حال چاہئے۔ (بھی گیا اور دونوں
 کو پکڑ کے رو بروئے بندگان والا شان شہنشاہ لایا۔“

بادشاہ نے یہ سن کر خلعت رخصت عنایت فرمایا، اور وزیر روانہ ہوا۔ جب
 یہ چلنے لگا تو زوجہ اس کی ملکہ گل چین جادو کہ حاضر دربار تھی، بہ نگاہ حسرت منہ اس کا دیکھنے
 لگی۔ یہ صورت جو بادشاہ نے دیکھی، ہنس کر فرمایا کہ ”کیوں، اسے ملکہ تمہارے شوہر کو
 نہ بھیجیں؟“

ساحرہ نے بہ ادب تمام عرض کیا کہ ”میں کینز شہنشاہ ہوں، اور شوہر میرا غلام ہے۔
 میری مجال ہے جو اس کو منع کروں؟ بلکہ چاہتی ہوں کہ میں بھی ہمراہ اس کے جاؤں۔“
 بادشاہ نے ہنس کر کہا: ”تمہیں بغیر خاوند چین کہا؟ اچھا، جاؤ۔“

یہ حکم پا کر عقب وزیر یہ بھی چلی، اور بہت جلد اپنے باغ میں گئی۔ ایک کینز سے
 کہا: ”جلد جاؤ، وزیر اعظم صحرا تک باغ سیب کی حوالی کے قریب پہنچے ہوں گے۔
 ان کو میرے پاس بلا لا۔ کہنا بیوی نے کہا ہے گھر میں ہوتے جاؤ، ایک بات سن لو،

پھر جانا۔“

کنیز حسب ارشاد ملکہ تب عجل عجل اڑ کر پاس وزیر مذکور کے پہنچی اور پیام وزیر کو دیا، وزیر ناچار خفا ہوتا ہوا کہ ”کام میں شہنشاہ کے دیر ہو گئی۔ ان کو ایسے وقت میں کچھ نہ کچھ جھگڑا نکالنا آتا ہے“ گھر میں آیا۔

زوجہ نے اس کی اٹھ کر، ماتھا اس کا پکڑ کر، دل داری کر کے مسند پر بٹھایا، جام شراب پلایا، اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اور کہا: ”سنو صاحب، میں نے اس لئے تم کو بلا یا ہے کہ جہاں تک ہو سکے سمجھاؤں۔ تم عیاروں کو پکڑنے چلے ہو تو زندہ نہ بچو گے۔ تم کو لازم نہیں ہے کہ عیاروں کے معاملے میں دخل دو۔“ وزیر نے کہا: ”صاحب، مثل مشہور ہے۔ نوکری کیا ہے، خالہ جی کا گھر، مالک نے جس کام کو فرمایا، ملازم کو بجالانا اس کا ضرور ہے۔ اس میں جان جائے یا رہے۔“

بی بی نے اس کو جواب دیا کہ ”میں آگ لگاؤں ایسی نوکری کو، اور منگل اتوار صدقے اتاروں اس تابعداری کو جس میں میرے وارث کے دشمنوں، مدعیوں، کہنے والی بندی کی جان پر بنے۔ نہ صاحب، میں کبھی نہ جانے دوں گی۔ کیا میں میاں شاہ افراسیاب کی سلامتی میں رنڈیا ہو کر بیٹھوں گی، اپنا راج سہاگ لٹاؤں گی؟ وہ اپنی نوکری نہ کر رکھیں۔ اس وزارت کے پیچھے مجھ کو شخصی بننا منظور نہیں۔ وہی مثل کہتے نہیں کہ پھٹ پرٹے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ میرا وارث سلامت ہے تو ایسی بچیس نوکریاں ہو رہیں گی۔ اور نہ ہوگی تو جوتی کی نوک سے، پاپوش کے صدقے سے! ہم دونوں میاں بیوی بھیک مانگ کھائیں، دیس چوری، پر دیس بھیک، اور کسی ملک کو نکل جائیں گے۔ کیا ہمارا ظلم ہو شرابا میں نال گڑا ہے؟“

باغبان نے کہا: ”سنو صاحب، آپ سے باہر نہ ہو۔ تمہاری تو وہ مثل ہوئی کہ بیٹھا بیٹھا ہنپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو! جب تک گھر بیٹھے تنخواہ ملائی، وزارت کا کاروبار رہا جاگیر پائی، منصب ملا، انعام پایا، اس وقت تک تو ہم اچھے، تم اچھے، دنیا کا عیش چین کرتی رہیں، وزیر کی بیوی کہلائیں۔ اب جو سرکار دونوں ملکہ

کا کام پڑا ہے تو ایسی باتیں کرتی ہو۔ تمہاری تو وہ مثل ہے کہ
 کیا کریں گے نوکری، رہیں گے اپنے گھر
 کرتے رہے عاشقی اور خالہ جی کا ڈر

واہ وا، نمک حلال ایسے ہی ہوتے ہیں! اے بی بی، جان و مال، جو روٹ کے،
 اس وقت جو سرکار کے کام آئیں، ملازم کے لئے دریغ نہ کرنا چاہئے۔ افتخار ہے، فوراً
 حق نمک آقا سے جان آبرو دے کر ادا ہو۔ یہی امر باعث نام آوری جہاں میں اور
 سبب خوشنودی خدا ہے۔“

گل چین نے یہ سن کر دامن بھٹک، تیوری چڑھا کر کہا: ”اے مردوئے ہوش
 پکڑ، ہو اس میں آ۔ تو مجھ پانچ بچوں کی ماں کو سمجھانے آیا ہے! میں کیا ایسی نتھی ہوں
 جو دنیا کے اونچ نیچ نہیں سمجھتی؟ تو میرے صاحب بادشاہ کو کیا ایسی گاڑھ پڑی ہے جو
 تجھ کو عیاروں پر بھیجتا ہے؟ کیا جانتا نہیں کہ موئے عیار آفت کے پرکالے، تمام دنیا
 کے جعل ساز، مکار و دغا باز ہیں۔ عورت بنیں، مرد بنیں، بھوت ہو کر لپٹیں،
 منت کریں، ہیکڑی دکھائیں، ہر رنگ میں پانی ہو جائیں اور پھر بہت چھٹ،
 ستیاناس گئے ایسے ساحر کو اس طرح مار ڈالتے ہیں جیسے کوئی جوں یا کھٹل کو مارتا
 ہے۔ انہیں کم بختوں پر بادشاہ تم کو بھیجتا ہے۔ یہ دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ بادشاہ
 کا جی چاہتا ہے کہ وزیر نہ رہے تو بن رہے۔ نہ رہیں اس کے دشمن۔ وہ جم جم رہے
 وہ نہ رہیں جو اس کا برا چاہتے ہوں۔ ہاں، اس بادشاہ کی نوکری نہ کریں گے، اس
 سرکار میں نہ رہیں گے۔ ایسی جگہ سے ہم خود بھاگتے ہیں۔ وہ جو کہاوت ہے، ندیا
 تو گھبراتی کیوں ہے، بندی پاؤں ہی نہ دھرے گی۔“

باغبان نے کہا: ”بس، بس، زبان روکو۔ قسم ہے مجھ کو سامری کی کہ میں شہنشاہ
 کی غلامی سے گردن تابانی نہ کروں گا اور ان کے کام پر جان دوں گا۔ نمک حلالی کر جاؤں گا،
 نمک حرامی مجھ سے کبھی نہ ہوگی کہ میں حکم بادشاہ کا نہ مانوں۔“

یہ سننا تھا کہ گلچیں کھڑے ہو کر بیٹھنے لگی۔ ”لوگو، دوڑو! اس مردوئے کو
 سمجھاؤ۔ یہ مجھ کو راند بناتا ہے۔ میرا راج لٹا جاتا ہے، اے بیویو! میرا وارث
 مجھ سے چھٹا ہے!“

باغبان گھبرا گیا، اور سمجھانے لگا کہ: ”اجی ذرا آپ میں آؤ۔ دیکھو، سو دوست سودشمن ہیں، کوئی شہنشاہ سے جا کر لگا دے گا۔ مفت کی بدنامی ہوگی، میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔“

گلچین نے کہا: ”لگا دے گا تو کوئی لگا دے، میرا کیا کرے گا! جب نہیں کہتی تو اب کہتی ہوں کہ یہ بادشاہ ہمارا دشمن ہے۔ اب وہ دیکھے جلا جاتا ہے۔ اس کے منہ کو سات چھپروں کا پھونس جو میرے وارث کو دیکھ کر خار کھائے وہ ہوا اپنے ہوتوں سوتوں کو نہ دیکھ سکے۔“

وزیر نے کہا: ”تو دیوانی ہو گئی ہے۔ میں جاتا ہوں۔ تو پانچ بچوں کی ماں ہوئی، پچاس برس کا سن آیا، مگر گدھی رہی۔ سوائے پیٹنے کو سننے کے اور کچھ نہ آیا۔ قسم ہے جمشید کی میں ہی ایسا مرد تھا جو تیرے ساتھ نباہ کرتا رہا۔“

یہ کہہ کر اٹھا اور قصد چلنے کا کیا۔ بی بی نے اس کی دامن پکڑا اور کہا: ”یہ تو میں جانتی ہوں کہ جو تم کہتے ہو وہی کرتے ہو۔ میرا کہنا نہ مانو گے، اس فریاب کی رفاقت میں میرا پہلو اجاڑ دو گے۔ اس کہنے والی بندی کو آپ سے دور آٹھ آٹھ آنسو رلاؤ گے، اپنی لاش مجھ کو دکھاؤ گے۔ یا سامری، وہ دن نہ دکھانا، کہنے والی بندی دور پار، شیطان کے کان پہرے، یوں ہو جائیں اور میں بیٹھی دیکھوں۔ بلکہ میری لاش پہلے نکلے، بندی سہاگن مرے۔“ یہ کہہ کر گردن شوہر میں ہاتھ ڈال کر بولی کہ: ”سنو تو بھلا یہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں بیٹھے رہو، اور ایسا سحر کر دو کہ مئے عیار قید ہو جائیں، تم بادشاہ سے کہہ دو کہ لیجئے، میں آپ کے نمک سے ادا ہو گیا۔“

وزیر مذکور نے کہا: ”تم ڈرتی کیوں ہو؟ میں بہت ہوشیاری سے رہوں گا، اور خبرداری اور کیا، یہی چاہئے کہ اپنے پاس کسی کو نہ آنے دے، اور کسی کے ہاتھ کچھ کھائے پئے نہیں۔ میں جانتے ہی ان کو گرفتار کر لوں گا اور اپنے، بیگانے، ساحر، غیر ساحر، جو رو، لڑکے، بھائی جس کسی کو آتے دیکھوں گا، عیار سمجھوں گا، اور اپنے قریب نہ آنے دوں گا۔ پھر ان کی عیاری مجھ سے کیا چلے گی؟“

یہ کہہ کر بی بی کو تسکین و دلدادہ کر کے گھر میں بٹھایا اور آپ روانہ ہوا۔ اس کے جانے کے بعد زوجہ اس کی تادیر نالاں و گریاں رہی، مثال شمع اشک یزاں

رہی افسیں، جلیسیں سمجھانے لگیں کہ : ”بی بی، بدشگون نہ بنائیے، میاں کے لئے دعا کیجئے کہ دشمنوں پر فتح یاب ہوں“ اس نے ایک نہ سنی، اور جذبہ عشق میں یہ نرنگ آئی کہ تو بھی عقب شوہر چلی، اور دیکھ کہ اس سے اور عیاروں سے کیا معاملہ گذرتا ہے۔ بس یہ سوچ کر شوہر کے جانے کے پہر بھر کے بعد یہ بھی بزور سحر اڑی اور ڈھونڈتی ہوئی چلی.. . پھر ان عیار اپنی چالاکی سے وزیر کو بے ہوش کر دیتا ہے)

اقران بغداد تانے دوڑا بس قریب پہنچ کر چاہتا تھا کہ سر
باغبان پر بغداد مارے کہ زوجہ اس کی ملکہ گل چیں جا دو جو عقب میں اس کے چلی تھی
آکر پہنچی، اور اس نے دیکھا کہ شوہر مہرا چت پڑا ہے، اور وہی کالیا عیار اٹھا کا
سفاک ہے، بغداد مارا چاہتا ہے۔ دیکھ کر بدحواس ہو گئی، سحر بھی یاد نہ رہا۔ پکاری
کہ ”ارے“ واسطہ تجھ کو اپنے خدا کا کہ میرا بادشاہی تخت نہ الٹ، میرے سر کا چھتر
نہ اٹھا، میرے وارث کو نہ مار، اور مجھ کو بیوہ نہ بنا۔ میں کہتی تھی مومے شامتی غارت
کے سے کہ عیاروں سے لڑنے نہ جا، نہ مانا، کم بخت اب کیسے چت انشا غفیل پرٹے
ہیں! کوئی پوچھے کہ اب وہ ہوشیاری اور خبرداری کہاں گئی“

یہ کہتی ہوئی جب زیرِ شجر آئی، یہ بھی چھینک مار کر بے ہوش ہو گئی۔ لیکن یہ اپنے ساتھ پتلے سحر کے رکھتی ہے۔ وہ پتلے زمین سے پیدا ہوئے، اور انھوں نے پچکاری منہ پر پانی کی ماری کہ اس کو ہوش آیا۔ اس نے گھبراہٹ میں ہوش آتے ہی سحر پڑھا کہ قرآن کے پاؤں زمین نے پکڑ لے۔

قرآن نے کہا: ”رہ تو کم بخت، میں تیرے خاوند کو تو مار ڈالوں۔ آخر تو پکڑا گیا ہوں۔“ یہ کہہ کر پھر بغدہ تانا۔ وہ سمجھی کہ جب تک میں سحر پڑھوں گی، منتر ختم نہ ہوگا کہ یہ بھیجا پاش پاش کر دے گا۔ بس یہ سمجھ کر قریب آئی، اور ہاتھ جوڑتی ہوئی پاس آکر قرآن کو زمین سے نکالا، اور کہا: مجھ سے قصور ہوا تھا“ یہ کہتے کہتے پھر بے ہوشی نے تاثیر کی، اور یہ پھر چرخ کھا کر چلی مگر کہتی ہوئی کہ ”اے عیار، یہ کیا تو نے کرتب رکھا ہے کہ باتیں کرتے کرتے انسان بے ہوش ہوتا ہے۔“ یہ کہہ کر پھر بے ہو گئی، پھر تپلوں نے ہوشیار کیا، اب جو اکٹھی تو اس جگہ سے بھاگ کر الگ کھڑی ہوئی۔

قرآن نے قتل و زمر میں تامل کیا کہ زوجہ اس کی منت پذیر ہے، شاید یہ دونوں

مطیع اسلام ہو جائیں تو لشکر کو ہمارے بڑی تقویت حاصل ہوگی۔ غرضکہ اب جو ساحرہ اس درخت سے دوڑ جا کر کھڑی ہوئی، پھر اس خیال سے سحر قرآن پڑھ کر دیا کہ میرے شوہر کو مار نہ ڈالے۔۔۔۔۔ فی الجملہ منت کرنے لگی کہ ”اے عیار میں تجھ کو قید سے چھوڑ کر قسم کھاتی ہوں کہ حتی الامکان میں کبھی دغا نہ کروں گی۔ مگر جہاں کہیں یہ مقابلہ ساحران طلسم تو اسبر ہو جائے گا تو افراسیاب جادو سے چھپ کر تیرے پاس آؤں گی، اور تیری مدد کروں گی، اور ہمیشہ تیری پرستار۔۔۔۔۔ رہوں گی اور موقع پا کر جانتاری میں دریغ نہ کروں گی۔ تجھ کو واسطہ اپنے دین کا، اور صدقہ اپنے پیر پیغمبر کا کہ میرے خاوند کو میرے حوالے کر، مگر بخوشی اور اپنا کرتب اس سے اتار لے جس میں اس کو ہوش آئے، اٹھ کے بیٹھے، کھائے پیے، اپنے بیگانے کو پہچانے“

قرآن نے جو یہ خوشامد آمیز باتیں سنیں، کہا کہ ”تیرا نام کیا ہے؟“ اس نے کہا کہ ”تمہاری لینڈی ہوں۔ گلچیں جادو مجھے کہتے ہیں۔“ قرآن نے کہا کہ ”یہ خاوند کو پہلے سمجھایا کہ ہم لوگوں کا مقابلہ نہ کرے؟ اور اچھا آج ہم نے عاجزی سے چھوڑ دیا، اور میرے بھائی بند مار ڈالیں گے اور یہ غور نہ کرنا کہ میں نے قرآن عیار کو سحر سے قید کر لیا ہے۔ سن، میں نظر کردہ غالب کل، مولانا، مقتدانا مظہر العجائب والغرائب، مشکل کشائے عالم ہوں۔ میں ابھی کہہ تو سحر سے نکل جاؤں“

ساحرہ نے کہا: ”اے میاں بچہ ہے، قربان جاؤں ان کے نام کے میوہ مشکل کشا تمہارے بڑے زبردست پیر ہیں۔ میں نے بھی ان کا نام سنا ہے، اور یہ سحر تو میں نے اپنے میاں کے بچانے کے لئے کیا ہے۔ تو میں ابھی اتارے لیتی ہوں۔“ (وہ عیار پیر سے جادو اتار لیتی ہے، قرآن نے وہی فلیتہ دافع بے ہوشی جلتا ہوا لاکر گلچیں کو دیا، اور کہا: ”ناک اپنی بند کے قریب اپنے شوہر کے جا، اور فلیتہ سنگھا، وہ اچھا ہو جائے گا، اور کہہ دینا اس نالائق سے کہ کبھی ہمارا اور ہمارے استاد کا، اور ہمارے بھائیوں کا سامنا نہ کرے، نہیں تو اس کو گھر میں اس کے گھس کر مار ڈالوں گا، اور تیری ناک کاٹ ڈالوں گا۔“

ساحرہ دوڑ کر قدم پر اس کے گری اور کہا: ”اب کیا مجال جو غلام تمہارا
تم سے بے ادبی کرے۔“

یہ کہہ کر شوہر کو ہوشیار کرنے چلی۔ یہ دونوں عیار تو درہ کوہ میں جا کر چھپے ہیں
اور اس نے باغبان کو فلیتہ سنگھا کر ہوشیار کیا۔ جب آنکھ کھلی تو اس نے پوچھا:
”اے بی بی، یہ کیا ماجرا ہے؟“

اس نے کہا: ”تم اس جگہ سے ہٹ کر الگ آؤ تو میں بیان کروں۔“
وہ سایہ درخت سے علیحدہ آیا۔ اس نے کہا: ”اے میاں، جو میں کہتی تھی وہی
ہوانا؟ تم اس طرح چست پڑے تھے ایک لحظہ میں اور نہ آتی تو کام دشمنوں کا تمام تھا؟“
باغبان کے کل اجرا سن کر... ہوش اڑ گئے کہ کیا عیاری کی ہے... یہ
تو ثنا خوان عیاراں ہے، زوجہ نے اس کے پاؤں پر سر رکھ دیا ہے اور سمجھانا آغاز
کیا ہے کہ ”اے میاں، واسطہ سامری جمشید کا کہ اب عیاروں سے مقابلہ نہ کرنا، میری
ناک نہ کٹوانا۔ سامری کی قسم، وہ چلتے چلتے کہہ گئے ہیں کہ ناک کاٹ لوں گا“ اور مجھ کو
بڑا خوف تمہاری جان کا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ ہم اب کی بار بغیر مار ڈالے نہ چھوڑیں گے
اے میاں، میں نے ان کے سامنے قسم کھائی ہے۔ اب تم بھی باز آؤ ان کے مقابلے سے
ہاتھ اٹھاؤ۔“

باغبان نے کہا: ”یہ سب سچ ہے کہ وہ ایسے ہی عیار ہیں۔ لیکن مجھ سے نیک حرامی
کبھی نہ ہوگی۔ میں شہنشاہ افراسیاب سے کچھ ہی کیوں نہ ہو، نہ پھروں گا۔“
زوجہ نے اس کی کہا کہ اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے تو میں زہر کھالوں گی، اپنا گلہ کاٹ
کر مر جاؤں گی۔ سنو صاحب، شہنشاہ سے مہر خ و بہار وغیرہ نئی جادوگر نیاں پھر
گئیں اور مقابلہ کرتی ہیں، تو ان کا شہنشاہ کچھ نہیں بنا لیتے۔ تمہارا کیا کریں گے؟ اے
میاں، اپنی جان ہے تو جہان ہے۔“

باغبان اس عیاری کو دیکھ کر عیاروں کو مان تو گیا ہی ہے، گھبرا کر گویا ہوا کہ
”اے ملکہ، میں عجیب طرح کے محضے میں گرفتار ہوں، کیا کروں کیا نہ کروں؟ خیر اب
دو چار روز کے بعد تمہیں ان باتوں کا جواب دوں گا، اور جیسا تم کہو گی سمجھ لوں گا۔“
یہ کہہ رہا تھا کہ یکایک آواز آئی، ”اے باغبان جلد آؤ!“

اس نے گھبرا کر کہا: ”حاضر ہوا!“

زوجہ نے اس کی پوچھا کہ ”کس نے پکارا؟“

اس نے کہا: ”مجھ کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ ساحراں پکارتے ہیں“
یہ کہہ کر بہت جلد بے تابہ اڑا، آن واحد میں باغ سیب میں آیا۔ شاہ طلسم
تخت پر بیٹھا تھا، اور پتلے نے سحر کے سب گفتگو زن و شوہر کی سن کر عرض حال کیا تھا،
اور یہ آواز اسی کی تھی

بادشاہ نے بطور تجاہل غصے کو ضبط کر کے مسکرا کر فرمایا کہ ”کیوں، اے باغبان،
تم دو چار روز میں بی بی کلچیں کو کیا جواب دو گے؟“
باغبان نے یہ سن کر تخت شاہی کو بوسہ دیا، اور گڑ گڑا کر عرض کیا کہ ”اے بادشاہ،
میں آپ کا بہ دل غلام ہوں، مجھ سے یہ امید نہ رکھے گا کہ میں نمک حرامی کروں گا۔۔۔
از بسکہ بی بی میری ناقص العقل بیوقوف عورت ہے، اس کے پہلانے کو میں لے کہہ دیا
تھا کہ چند روز میں جواب دوں گا۔۔۔۔“

افراسیاب نے فرمایا کہ ”اے باغبان میں تجھ کو اپنا قوت بازو سمجھتا تھا، اور ترقی
خواہ سلطنت اور بڑا نمک حلال جانتا تھا، مگر افسوس ہے کہ تیری زبان سے ایسا کلمہ
نکلا۔۔۔۔ اس وقت خطا تیری تو معاف کی، مگر آئندہ جو تیری زوجہ سے یا تجھ سے
ایسا کلمہ سنوں گا تو بڑے عذاب الیم سے تجھ کو ماروں گا۔۔۔۔۔“

وزیر یہ کلمات عتاب سن کر تھرا یا اور تخت شاہی کے گرد پھر کر سات بار تصدق ہوا
اور عرض کیا کہ ”اے شہنشاہ و فلک جاہ، عورتوں کی نسبت قول بزرگاں ہے کہ
اگر نیک بودے سراخجام زن زناں رامن نام بودے نہ زن
واقعی میری زوجہ نے مجھ کو کہیں کا نہ رکھا تھا، آپ کا کرم میرے آرٹے آیا جو اس
روسایا ہی سے کونین کی میں بچ گیا۔ ورنہ دین بھی جاتا اور نمک حرام بھی کہلاتا۔ اب
مجھ کو دامن عاطفت خداوندی میں چھپا لیجئے، اور میرے گناہ پر قلم عفو
پھیرئے“

(جلد سوم)

سوت کے نام تو سوتیا آم بھی نہیں لیتی

(ایک جادوگر شہزادی ظلمات جادو و عمر و عیار اور برق کو گرفتار کر لیتی ہے، اور انہیں لے کے افراسیاب کے پاس جاتی ہے)

طاہران سحر نے خبر اس کے آنے کی شاہ جادو داں کو پہنچائی جب خبر آمد ظلمات اس نے سنی، جملہ سرداروں کو حکم دیا کہ برائے استقبال جائیں، اور یہ بھی کہا کہ سب ساحران جلیل القدر اس ملکہ کو میری بی بی سمجھ کر تسلیم کریں۔

یہ کلمہ جو ملکہ حیرت نے سنا، تیوریاں چڑھا کر پوچھا ”کیوں صاحب، یہ محل تم نے کب کیا تھا؟ اے میاں، جس دن سے میں نگوڑی نصیبوں جلی تمہارے گھر پر پڑی جلتی رہی، میں کیا خوش ہوئی جو دوسری آکر خوش ہوگی؟ وہ تو کہو میری تقدیر یہی تھی جو ملکہ ظلم بنی، نہیں تو وہی نوکری چین و تاجدار کی تم کو نصیب تھی۔ یہ میری ہی جوتیوں کا صدقہ ہے جو تم بادشاہ بنے، میری تقدیر میں ہے تو ہر جگہ چین کروں گی۔ تم مجھ کو جلاؤ گے کیا؟ میری پاپوش کی نوک کی جھوک پر سلطنت ہے۔ جہاں جا بیٹھو، لالوں کی لال رہوں گی۔ میں کیوں کسی مال زادی کو سوت بناؤں؟ یہ تو وہی مثل ہے کہ کرتا ارمان، نہ کرتا پشیمان۔ جو تمہاری آس رہے وہی جانے، وہ جو کہتے ہیں کہ مونہ سے کاگھاؤ میاں جانے یا پاؤں“

افراسیاب نے یہ تقریر سن کر تیور بدل کر جواب دیا کہ ”اے جی، یہ بدزبانی تمہاری میں بہت اٹھا چکا ہوں، میں ہی ایسا سامری کی قسم، مرد ہوں جو الف سے ب نہیں کہتا ہوں، کوئی اور ہوتا تو ناک کاٹ لیتا، بھلا کہو، عورت کو اس مقدمے میں دخل دینے سے کیا مطلب؟ مرد سوسہ رنڈیاں کرتے ہیں، بادشاہوں کے سینکڑوں محل ہوتے ہیں، تو کیا ان کی بیبیاں نکل نکل جاتی ہیں؟“

یہ کلام جو حیرت نے سنے، اور ناک کاٹنے کا نام سنا، ایک دو ہنٹر اپنے منہ پر مارا، اور کہا: ”میں خاک میں ملاؤں اس مرلیے کو جو میری ناک کا نام لے۔ سامری اس

کاستیا نامس کھڑے، لوصاحب، ابھی سے اس سوت حرام زادی کا ایسا پیار ہوا کہ اس کے بدلے ناک ہماری کٹنے لگی۔ میں اس کو اپنی ایڑی چوٹی پر صدقے اتار دیا۔ اس کو وہاں تصدق کروں جہاں میری دائی نے ہاتھ دھوئے ہوں۔ اس مردوے کی وہ مثل ہوئی کہ دیکھنا نہ بھالا، صدقے گئی خالہ، ابھی اس کی صورت نہیں دیکھی اور اس کے عوصن پھیپھڑا تلنے لگے، ہماری ناک کاٹنے پر موجود ہوئے، جب وہ گلے لگ کر سوئے گی اس وقت تو میاں اپنے ہوتوں سوتوں بھر کی ناک کاٹیں گے میں مردار کے منہ کو منگل اتوار سات جھاڑو میں ماروں۔ نا صاحب، مجھ سے تم سے نباہ نہ ہوگا۔“

شاہ نے یہ سن کر گھر کا کہ ”بس، چپ رہ، نہیں تو مارے کوڑوں کے کھال گمراہوں کا۔ تو نے مجھ کو بھی کوئی اور مقرر کیا ہے؟ بہت چل نکلی ہے جو ٹر ٹر کے جاتی ہے۔ یہی شرط ہے کہ حکم دوں جلا دے کو ابھی سر تیرا کاٹ ڈالے!“
ملکہ مذکورہ سن کر تخت سے اتر کر پیٹنے لگی کہ ”آگ لگاؤں اس سلطنت کو اور بھاڑ میں جائے تیرا ساتھ!“

اب کینزریں اور جادوگر نیاں مغزنہ بیچ میں آگئیں۔ بادشاہ مارنے اٹھا۔ ایک سمجھانے لگی کہ ”اے میاں، جانے دیجئے۔ حق بجانب ملکہ ہے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا مصیبت جھیلی۔ ہا، کوئی عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے!“

بعض عورتیں ملک کو سمجھانے لگیں کہ ”اے بی بی، بہت مرد کے منہ نہیں چڑھتے، یہ سب جانتے ہیں کہ جو تم ہوگی اور کوئی نہ ہوگی۔ ایسی ادا مائیاں بیسیوں آئیں گی اور چلی جائیں گی۔ اور بی بی اس کا برا ماننا کیا؟ وہ مرد ذات ہیں ایک جو تاج چڑھاتے ہیں ایک اتار دیتے ہیں۔ اور ان کو تو سامری نے چار پیسے دیئے ہیں۔ والی ملک کیا ہے، یہاں تو غریب آدمی جن کو اس بات کی لت ہے لنگوٹی میں پھاگ کھیتے ہیں۔ پھر بیویاں، صاحبزادیاں جلتی ہیں اور بھرتی ہیں۔ لے آؤ، اب جانے دو۔“

یہ کہہ کر بعض بادشاہ طلسم کے قدموں پر گریں کہ ”اے میں داری، میرے بھولے کنور کنھیا بادشاہ، اب ملکہ کو کچھ نہ کہنا۔ اس کا دل تھوڑا ہے۔“
بادشاہ بحالت غضب تھراتا ہوا جا کر تخت پر بیٹھا، اور ملکہ کو عورتیں سمجھا کر

وہاں سے لے چلیں۔ اس وقت اس صاحب حسن کا اور ہی نقشہ تھا۔ اس بگڑنے سے دونوں بناؤ ہویدا تھا۔ ہونٹ غصے سے پھرتے تھے، برگ گل کو باد خزاں جنبش دے رہی تھی، حرارت غیظ سے لب کا نیلا ہونا، مجلس حیراں ہونٹوں پر گویا آراستہ، برگ سوسن کا نقشہ ہویدا، یاقوت کا نیلم بننا پیدا، مٹی کی ادا ہٹ اس پر شیدا۔ زلفیں پریشاں ہو کر تمام رخ پر بکھری ہوئی، اور اس میں چشم زگی مجنوں، رخ سے لال لال، گویا مے خانے پر کالی گھٹا چھائی تھی، چہرہ متمایا ہوا تھا، آفتاب سے تمازت زیادہ رکھتا تھا یا کسی مخمور کو نشہ زیادہ تھا۔ دوپٹہ کا نرے سے ڈھلکا ہوا سینہ کھلا ہوا، پائیچے پانچائے کے چھوٹے ہوئے، سلوٹیں رانوں اور پیرو اور چھوٹوں کی نمایاں، صفحہ کتاب حسن پر خطوط عبارت مستانہ عیاں۔ حاصل الامر ملکہ کو تو انیس سمجھا کہ ایک باغ میں کہ قریب تر اس مقام سے تھا، لائیں اور سامان آسائش مہیا کر کے وہاں بٹھایا۔۔۔۔

(بادشاہ ظلمات کو بصد تکریم بلواتا ہے، اور اس سے شادی کر لیتا ہے) یہ دونوں سینہ بسینہ، لب لب، مزے وصلت کے اڑا رہے ہیں، ادھر باغ میں ملکہ حیرت کو غش پہ غش آ رہے ہیں۔۔۔۔ انیسیں دم بہ دم صدقیں قربان جاتیں، اس طرح سمجھاتیں کہ ”بی بی، ان مردوں کی چاہت کا کیا اعتبار ہے؟ جب تم ایسی پریناز کو دم بھر میں چھوڑ دیا تو اس نگوڑی نئی نو بلی کی کے دن محبت؟ یہ کہو ابھی نئے ارمان ہیں، کچھ دنوں یہ بھی کھیل سہی“

ایک انیس بولی کہ ”میں سچ کہوں، ابھی تو کچھ دن اس کی چڑھی بارگاہ رہے گی، پھر دیکھنا بات بھی نہ پوچھیں گے“

دوسری نے کہا: ”اے بوا، تمہارے کہنے کی بات ہے؟ ہماری ملکہ کی برابری وہ چڑو کیا کہے گی وہی مثل ہے نیا نو دن اور پرانا سودن۔ ان کا سنجوگ تو سامری نے شہنشاہ کے ساتھ اتارا ہی ہے۔ اے، دیکھ لینا جو چار دن میں ان کو نکال لائے، اے تو سہی، میرا نام جو منہ کالا کر کے دیں نکال لائے“

تیسری بولی کہ ”بہن، میری بھی اس وقت کی بات لکھ رکھنا۔ یہ بیسوا جواج تخت چڑھی ہیں کل کوئی دو کوڑی کے ان کے ہاتھ سے بیر نہ کھائے گا“

اسی گفتگو میں ایک مغلائی بولی کہ ”اے بی“ ایک میاں جی میرے گھر کے پاس
 رہتے ہیں۔ ساہی کا کاٹھا خوب پڑھتے ہیں۔ ملکہ عالم فرمائیں تو پڑھوالاؤں۔“
 یہ سن کر آتو جی نے کہا ”سات جمعراتیں اگر اس سوت کا نام لے کر ملکہ نیم کی پتی
 اور نمک کنوئیں میں چھوڑیں، یہ ایک پر ایک ہے، فوراً وہ مال زادی نکل جائے گی۔“
 یہ تو سب اس طرح باتیں بتا رہی تھیں، اور ملکہ چشم پیم سے سیل اشک بہا رہا
 تھی۔ آخر اسی بے تابی میں عقل نے یہ راہ بتائی کہ اپنی بہن ملکہ بہار کو بلاؤں اور بطور
 مخفی اس کی شریک ہو کر اس ظلمات کو راہِ ظلمت عدم دکھاؤں۔ یہ تجویز کر کے کنزِ دل
 اور انیسوں سے کہا: ”تم نے کیوں بک بک کر میرا مغز کھا یا ہے؟ جاؤ، اپنے اپنے
 مقام پر سو رہو، مجھ کو اکیلا رہنے دو۔ زیادہ ہجوم سے میرا دم گھبراتا ہے۔ دل الٹا
 جاتا ہے۔“

وہ سب عورتیں یہ حکم سن کر اپنی اپنی جگہ پر چلی آئیں، ملکہ نے باری دارنیوں
 کو بھی ہٹا دیا۔ جب تخلیہ ہوا، شمع کے سامنے بیٹھ کر زبانِ شمع اشک بار ہو کر ایک
 نامہ اپنی بہن کو لکھا۔ مضمون یہ تھا کہ ”میرے ساتھ ماں کی کوکھ میں پاؤں پھیلانے
 والی، اے میری ماں جانی، اے میرے ساتھ کی دکھ اٹھائی، اے میری جان، جان
 دل سے بہتر، اے میری نورِ نظر، لختِ جگر، تیری ماں جانی پر بڑی آفت آئی ہے، گھر
 برباد ہوا، جان لینے کے رنج نے دھوم مچائی ہے۔ اے میرے کلیجے کے ٹکڑے، ذرا
 مجھ کو اپنی صورت دکھا جا۔ اے بہینا، ذرا مجھ تک آ جا کہ ایک نظر تجھ کو دیکھ لوں۔
 پھر خدا جانے کہ میں جیوں یا مروں۔“

یہ لکھ کے جوڑے سے ایک پتلی نکالی۔ وہ لوٹ کر بصورتِ پری بن گئی۔ اس کو
 وہ خط دے کر کہا: ”جہاں میری بہن ملکہ بہار ہے، وہاں لے جا۔“
 (پتلی ملکہ بہار کو بلا لاتی ہے اس کے ساتھ ضرغام عیار بھی عورت کے بھیس
 میں آتا ہے)

حیرت منظر اپنی ہمیشہ کی بیٹھی تھی، صورت دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی اور
 گود پھیلا کر آگے بڑھی کہ ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرا دل تجھ بغیر ٹپتا تھا۔“
 بہار نے سر سینے سے لگا دیا۔ اس نے بلایں لیں، اور سر سے سراتارا۔ پھر

رونے لگی۔

ملکہ نے کہا: ”باجی اماں، آخر کہو تو کیا ہوا؟“

اس نے کہا۔ ”اے بیٹی، یہ بھی میرا مقصود! تمہارے دولہا بھائی نے رنڈی کی ہے۔ ہم کو دو دھ کی ایسی مکھی جان کنکال دیا۔ اے جانی، میرا دل اٹا ہوا ہے۔ جان دینے کو جی چاہتا ہے۔ وہ مثل کہتے ہیں کہ لاکھی مارے پانی جدا نہیں ہوتا۔ میں نے چاہا کہ تجھ کو ایک نظر دیکھ لوں“ یہ کہہ کر جملہ کیفیت رو رو کر آتے ظلمات کی تخت نشینی اس کی بیان کی۔

بہار نے کہا ”اے باجی، میں تمہاری چھوٹی بہن ہوں اور تم کہو گی کہ مجھ پر یہ سانحہ جو گزرا اس سبب سے یہ بھی کہتی ہے۔ قصور معاف، میں تو بیچ کہوں، میرا شوہر جو رنڈی کرتا تو اس کے منہ کو جھلسا دیتی، سر باز از نکل کھڑی ہوتی کہ جا بھڑو تیری یہ راہ ہے، میری یہ راہ ہے۔ اور اے باجی، مجھ کو جو تم نے بلایا ہے تو میں دولہا بھائی کا کیا کروں گی؟ اگر لڑنے کو کہو تو میں مدت سے لڑتی ہوں۔ ہاں، اگر تم خواجہ عمر کی شریک ہو جاؤ تو وہ اس قحبہ ظلمات کی ناک چوٹی کاٹیں اور شہنشاہ کو بھی ناک چنے چبوا دیں اور، میری ماں کے برابر، یقین جاننا کہ میں جب سے شریک خواجہ سلامت کی جا کر ہوئی ہوں، ہر وقت تمہارے بچھڑنے کا خیال رہتا ہے، کسی وقت آنسو نہیں بھٹتا ہے۔ باجی، اپنے دیدروں کی قسم، تم بڑی سنگ دل ہو کہ برے دل سے بھی کبھی یاد نہیں کرتی ہو۔ اچھا، اب ان باتوں کو تو جانے دو۔ لو آؤ، اٹھو۔ میرے ساتھ لشکر خواجہ میں چلو۔ میں تم کو تخت حکومت پر بٹھاؤں گی۔ دولہا بھائی کو بھی قدر عافیت کھل جائے گی کہ ہاں، کسی کو جلانا ایسا ہوتا ہے، اور رنڈی کا یہ مزا ہے۔ اور دوسرے، میں بیچ کہوں مجھ کو تو خواجہ عمر کا دین سچا معلوم ہوتا ہے، اے بہن، اس دین میں حرام نہیں کرتے ہیں، اکیلے خدا کو پوجتے ہیں، جادو کرنے والے کو نام دھرتے ہیں، غریبوں کے حال پر ترس کھاتے ہیں، ہر وقت پاکیزگی اور صفائی لباس اور جسم کی رکھتے ہیں، عباد خدا کی دل لگا کر کرتے ہیں اور باہم الفت محبت ہوتی ہے، ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آتا ہے، جو کچھ بڑا دین کی ہے میں بیان نہیں کر سکتی۔“

حیرت نے کہا: ”بیٹی، یہ تو بیچ کہتی ہے، لیکن میں تو ماں باپ کی لاج کرتی ہوں“

جب تو اس موئے کا ساتھ کر کے مصیبت بھرتی ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ خواجہ صاحب کو بھی یہ موئی ظلمات بکٹے لائی ہے۔ اس کے ساتھ برق فرنگی ہے۔ اگر خواجہ یہاں آتے تو میں ان سے کچھ شرطیں کرتی۔“

یہ اس کا کہنا تھا کہ ضرغام عیار قریب ملک آیا اور کہا: ”حضور، خواجہ کے قید رہنے کی جگہ بتلائیے تو میں چھڑا دوں۔“

حیرت نے پوچھا: ”تو کون ہے؟“

اس نے کہا: ”میں ضرغام عیار ہوں۔“

حیرت کو اس کی صورت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کیا خوب صورت بنائی ہے بس اس نے کہا کہ ”ایک قریب بارگاہ ظلمات ہے۔ اس میں متین جادو رہتا ہے۔ اس نے قفس جس میں عیار ہیں، اپنے سینے کے مقابل لٹکا ما ہے۔ کئی سو ساحروں کا درخیمہ پر پہرا ہے۔ اندر خیمے۔ کہ ساحر مذکور خود حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے پاس جائے تو وہ مارا نہ جائے گا، اس سبب سے کہ نقش جمشیدی اپنے پاس رکھتا ہے۔ چنانچہ جو کوئی خواجہ کے چھڑانے کا قصد کرے تو اول کسی تدبیر سے نقش جمشیدی اس سے لے، کیونکہ خواجہ کا قفس بھی بغیر اس نقش کے لگائے نہ کھلے گا۔ جب نقش عیار حاصل کر لے گا تو اس کی تاثیر یہ بھی ہے کہ خواجہ وغیرہ کو کوئی باہر خیمے کے آتے نہ دیکھے گا۔“

ضرغام یہ حقیقت سن کر گویا ہوا کہ ”اے بی بی، میں ابھی جا کر خواجہ کو لاتا ہوں۔“

حیرت نے کہا ”یہاں سے نہ جاؤ، اپنی جگہ پر سے جانا۔“

عیار مذکور تامل پذیر ہوا۔ ملک بہار بھی کچھ دیر ٹھہر کر رخصت ہوئی، اور اپنے تخت پر بیٹھی۔ ضرغام باغ سے باہر نکل گیا، تخت سحر پر نہ بیٹھا ملک نے تو سحر پڑھ کر لشکر میں اپنے تئیں پہنچایا، اور اس نے لشکر ملک ظلمات کا راستہ لیا، اور اسی خیمہ متین کے پاس حسب نشان دہی حیرت آیا۔ یہاں دربانوں نے روکا۔ یہ زن حسینہ تو بنا ہوا تھا ہی۔ ان سے گویا ہوا کہ ”موؤ، کچھ شامت تمہاری آئی ہے۔ مجھ کو بھی کوئی اور مقرر کیا ہے؟“ سوچو، سوچو ”یہ کہہ کر ایک کاغذ مہری بادشاہ طلسم کا

کمرے نکال کر دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ”اے متین، ہم تمہارے حسن انتظام سے بہت خوش ہوئے۔ از بسکہ تم بسبب حفاظت قیدیاں شریک جلسہ عشرت شادی نہ ہو سکے اس لئے رتبہ بھی تمہارا افزوں کیا گیا کہ جس کا حال آئندہ تمہیں ظاہر ہوگا۔ اب یہ عطیہ دعوت کے لئے تمہاری بھیجا ہے“

یہ مضمون اس کاغذ کا دیکھ کر دربان تو خاموش ہوئے، اور یہ اندر خیمے کے گیا۔ دیکھا کہ بہت آراستگی ہے، شمع ہائے مومی و کاغذ روشن ہیں، فرش پر تکلف بچھا ہے، پلنگری پر جواہر کی ساحر کے لیٹا ہے، نفس اس کے سینے پر ٹنگا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے آگے جا کر ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا۔

متین کچھ نیم خفتہ تھا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ آنکھ مل کر جو دیکھا تو بالیں پر آفتاب محشر نظر آیا، جس نے خواب عدم سے فتنہ خفتہ کو جگایا، کتوں کو خواب گہ گوریں سلاہا، یعنی ایک نازنین شوخ و بیباک، قاتل خلق، پرفن اور سفاک..... بایں شکل و شمائل وہ قمر پیکر میرے سامنے کھڑی ہے، شمع و چراغ کو بھی تو اس کے دیدار کی لگی ہے، فروغ و ضیائے رخسار شمع کی روشنی کو اندھا بناتی ہے، چھوٹ اس کے حسن کی پڑ رہی ہے۔ یہ دیکھتے ہی ہنستا ہوا اٹھا اور ہاتھ اس گل بدن کا تھام کر گویا گویا ہوا کہ

”جان من با آنکھ خاص از بہر رفتن آمدی

ساعتے بنشیں کہ عمر جاوداں گویم ترا“

اس نازک اندام نے ہاتھ چھڑا ماتا تھا کوٹ لیا ”اے میرے سامری، میں نگوڑی جہاں گئی، مردوں نے مستانی ہی سمجھا، لگے دھڑپکڑ کرنے، اور موڑوں کو غیرت نہیں آتی یہستی جاتے ہوئے وہ جو کہتے نہیں کہ

ہونٹوں سے ہونٹ منہ سے مرے منہ ملا لیا

چھڑا کچھ اس طرح کہ گلے سے لگا لیا

اے میاں، کچھ سوتے سوتے بد خواب تو نہیں ہو گئے۔ کچھ جان کی خیر ہے ذرا اپنے ہوش میں آؤ۔ میں صدقے میں دوں اس نوکری کو جس کے کارن آبرو جائے۔ میں نگوڑی کہتی تھی کہ اے ملکہ، اس ادھرتیا کو مجھے غیر مرد کے پاس اکیلے میں نہ بھیجے۔ تو نہ

نا، میری قسمت کا لکھا وہی پیش آیا نا کہ یہ مردو ا مجھ کو آدائی سمجھا کہ

”ہر کجا رفتی ہلال عاقبت رسوا شدی

جائے آں دارد کہ رسوائے جہاں گویم ترا“

متین نے جو یہ باتیں سنیں، اس کی ادائے دلبری پر اور زیادہ فریفتہ ہوا۔ ایک تو وہ سادی سادی وضع، دوسرے یہ متانت، یہ ناز معشوقانہ، تیسرے گوشہ تنہائی، بیتابی دل نے مسند ہوس پر پاؤں پھیلائے اور پکارا کہ ”اے جانی، خفا نہ ہو۔ میرا دل اس وقت قابو میں نہیں ہے... اور میرا تو تیرے عشق یہ حال ہے کہ ایک مدت سے جان دینے پر آمادہ ہوں“ اس دلربا نے ہنس کہا ”مردوئے کیوں باتیں بناتا ہے؟ آج کے سوا تو نے میری پرچھا میں بھی نہ دیکھی ہوگی“

اس نے یہ سمجھا نکلے ظلمات کے پاس سے یہ آئی ہے، اسی کی یہ ملازم ہے، لاؤ اپنا عشق قدیم جتا کر اس بت کو رام کروں۔ یہ سمجھ کر گویا ہوا کہ ”واہ وا، اے صاحب، آپ ملکہ عالم پاس اس دن بیٹھی نہیں تھیں جو مجھ کو ملکہ نے ایک کام کو بلوایا تھا؟ بس اس دن میں آپ کو دیکھ کر فریفتہ ہوا تھا؟“

اس عیار نے یہ تقریر سن کر دل سے خیال کیا کہ اب خوب عشق میں تیرے بے خبر ہے کہ اپنے دل سے باتیں بنا کر مکر تراشتا ہے اور فقرے کرتا ہے۔ یہ معلوم کر کے شرابا کر یہ ناز و ادا گردن جھکالی۔ اس نے یہ ادا دیکھ کر دست ہوس زیادہ دراز کیا، اور پکارا کہ

”پوچھا جو میں نے دل کوئی تم نے چرا لیا

اتنا ہوا کہ شرم سے سر کو جھکا لیا

بوسے سے چوکتا تھا کہیں دیکھے دل ریاض

لاکھوں میں ایک شخص تھا یہ بھی لیا دیا“

اس گل قام نے مسکرا کر کہا: ”مستیاں پھر جتا نا، لو، یہ عطیہ شاہی تو لو۔ میں

جانتی ہوں کہ تم مجھ پر مدت سے مرتے ہو۔ تم چاہنے والے سلامت رہو“

یہ کہہ کر پاس اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی، اور ایک خاصہ ان طوائی کمر سے نکال کر

اس کے سامنے رکھا۔ اس نے اس کو کھول کر دیکھا تو کچھ کلوریاں اور جوا ہر رکھا تھا۔

اس پری ویش نے اس وقت ایک رقعہ بھی نکال کر دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ”اے متین، یہ جواہر تمہاری دعوت کے لئے بھیجا ہے اور چونکہ خالی کوئی چیز نہیں بھیجتے ہیں؛ پس حسب دستور گلو ریاں بھیجی ہیں“ غرضیکہ یہ عنایت اپنی ملکہ کی دیکھ کر وہ سارے بہت خوش ہوا، اور اس نازک بدن سے کہا: ”اے جانی، ایک گلوری اس میں سے مجھ کو اپنے ہاتھ سے کھلاؤ، میرے قتل پر بیڑا اٹھاؤ۔“

اس نکل گوں پیرہن نے مسکرا کر منہ چڑا دیا، انگوٹھا دکھایا، پھر ایک گلوری ہاتھ میں لے کر کہا: ”مردوئے“ تو نے بڑی آفت ڈھائی ہے۔ وہی مل ہے کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ اور پھر نام خدا سے ارمان بھی دل میں بھرے ہیں۔ اور میں نگوڑی تو یہاں آکر بلا میں پھنس گئی۔ لو، منہ کھولو، گلوری زہر مار کر دو، خیر اب تو میری یہ مثل ہے۔

بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے“
وہ یہ سن کر گلوری اس کے دیتے ہی کھا گیا، اور کہا کہ
”اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
شوق فضول و جرات رندانہ چاہئے“

یہ کہہ کر چاہتا تھا کہ سرگرم اختلاط ہو، مگر گلوری میں بے ہوشی ملی تھی۔ اس نے اثر کیا، یہ بے ہوش ہو گیا۔

(ضرغام عمرو اور برق کو رہا کرتا ہے، اور یہ سب اپنے لشکر میں پہنچتے ہیں)
خواجہ سے ہر ایک سردار ملا۔ ملکہ بہار نے جملہ حقیقت اپنی بہن ملکہ حیرت کی بیان کی۔ خواجہ نے فرمایا کہ ”ہمیشہ اپنا وقت کا ٹھہرتی ہے، مسلمان کبھی نہ ہوگی۔ اور اس سے کہہ دینا کہ تم اطمینان رکھو، ہم ظلمات کو قتل ضرور کریں گے۔“
(آخر بہت سے معرکوں کے بعد عیار ظلمات کو قتل کر دیتے ہیں۔ افراسیاب اس کی لاش پہ آتا ہے)

بادشاہ اس کے جسم خون آلود سے لیٹ گیا، اور رخسار پر رخسار اپنا رکھ کر پکارا کہ ”اے، ایسا سوئی ہو کہ تن بدن کا بھی ہوش نہیں، اپنے شیدا کی محبت کا

جوش نہیں۔ اے شرم و حیا دکھانے والی، لوگ آتے جاتے ہیں، تن اپنا ڈھانکو،
 اے صاحب ہاتھ پائی کرنے میں ہاپو، اے جانی، پھر شرما کر نیچی نظریں کر لو۔ پھر
 جھجھک کر گلے سے لپٹو، پھر ہم سے روٹھو، اپنا ماتھا کوٹو، ہائے، وہ دور ناز و
 غمزہ کدھر گیا، اس چاند سی تصویر کو کون خون میں بھر گیا۔ اے میری پیاری، اس
 جنگل کی فضا تم کو بھانگئی، شب وصل میں جاگی تھیں جو ایسی نیند آگئی۔ ہائے
 کون سی نظر بد تمہیں کھا گئی، تخت سلطنت تمہارے بغیر سونا پڑا ہے۔ ارکان دولت
 میں روٹنا پیٹنا پڑا ہوا ہے۔ سب مجراؤں واسطے تسلیم کے حاضر ہیں، تمہارے برآمد
 ہونے کے منتظر ہیں۔ اے صاحب، نذریں اٹھ کر لو، خلعت سرفرازی دو۔ لے
 دلدار، میں تجھ کو اب کہاں پاؤں گا، اور کس کس ادا کو دل مضطر سے بھلاؤں گا؟
 (ظلمات کی تجبیز و تکفین ہو جاتی ہے)

بادشاہ از بس کہ مدت سے فریقہ جمال ظلمات تھا، اور وصل وہ ملکہ
 قبول نہ کرتی تھی، اب مراد بر آئی تھی، بس جدائی اس کی بہت شافی گزری، اور
 اس دربار سے شکایت کی کہ ”دیکھو ہم پر یہ سانحہ عظیم تر گزرا، لیکن ملکہ حیرت نے
 جھوٹوں بھی مجھ کو نہ پوچھا کہ تم کیسے ہو۔ کیا بادشاہوں کے محل نہیں ہوتے ہیں؟ پھر
 اس کا رشک ایسا کرتے ہیں کہ اپنے وارث کے دشمن بن جاتے ہیں؟“
 وزیروں نے کہا: ”واقعہ میں یہ ان کی نادانی ہے۔ اب حضور ان کی خطا
 معاف کریں۔“

یہ کلمات تو بادشاہ سے کہے، اور مخفی ملکہ مذکور کو کچھ بھیجا کہ ”اے ملکہ، تم کو
 لازم ہے نامہ مشتمل بر عذر لکھ بھیجو۔“

حیرت مرگ ظلمات کی خبر سن کر خورسند ہوئی تھی کہ عرضی اعیان سلطنت کی پہنچی اس
 نے مناسب سمجھ کر نامہ لکھا کہ ”اے بادشاہ، مجھ کو نہایت صدمہ آپ کی معشوقہ کے مرنے
 کا ہوا۔ قسم ہے سامری کی، میں ان کے آنے سے ناراض ہوئی تھی، بلکہ اتفاقاً یہ امر ہوا
 کہ حضور سے اس وقت کج بخشی ہو گئی اب میں اس فعل پر نادم ہوں، اور دعا کرتی ہوں
 کہ رنج خاطر شریف دور ہو، دوست شاد دشمن پامال رہیں، ملازم خوش حال اور
 آپ با اقبال رہیں۔“

یہ نامہ زمرہ جادو لے کر آئی۔ بادشاہ کو نذر دی، گرد پھری اور نامہ دیکر کہا: ”ملکہ نے رورو کر جل تھل بھرے ہیں۔ یہی کہتی ہیں کہ میرے وارث کو سامری اس صدمہ جانکاہ سے بچائے، اور مجھ سے چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ میری طرف سے بہت سمجھانا، میری جان کی قسم دلانا۔ اے بادشاہ، چلے ملکہ کے پاس اور انہیں منا لائیے۔“

شاہ طلسم نے فرمایا کہ ”وہ میری جان و مال کی مالک ہے۔ سو اس کے کون میری ولداری کرے گا؟“ یہ کہہ کر وہاں سے اسی باغ میں کہ جہاں حیرت فرکش تھی آیا۔

کنیزوں نے تسلیم، انبیان ملکہ نے بلائیں لیں۔ ملکہ موصوفہ بادشاہ کی صورت دیکھ کر رونے لگی، بادشاہ نے اشک اپنے ہاتھ سے پاک کئے، ملکہ نے ہاتھ ہٹا دیا اور کہا: ”چلو میں ایسے پھلا سٹروں میں نہیں آتی۔ وہی مثل ہے کہ جب آنکھیں ہوئیں چار، دل میں آیا پیار، آنکھیں ہوئیں ادٹ، دل میں پڑی کھوٹ۔ آج تک نہ پوچھا کہ تم پر کیا گزری جب رند ٹی بازی سے فرصت ملی تو یہاں آئے۔ میں ایسی الفت سے درگزری۔“

انبیوں نے یہ کلام سن کر کہا: ”اے شہزادی، یہ تمہاری بے کار کی لڑائی ہے۔ اے بیوی، رہتا پانی رہ گیا اور رہتا پانی بہ گیا۔ اب ان باتوں کا ذکر کیا؟ شہنشاہ خود رنجیدہ خاطر ہیں۔ ہمارے سر کی قسم، ان کی دل جوئی کرو۔“

شاہ جادو داں نے انبیوں سے خطاب کیا کہ ”جمشید کی قسم، میں ان کی انہیں باتوں سے گھبراتا ہوں۔ جب دیکھئے تب جلی کٹی کرتی ہیں۔“

انبیوں نے کہا اے میاں، ناز کرنا زبرداری سے اور سودا کر خریدار سے، مثل چلی آتی ہے، دوسرے یہ کہ آخر بیوی ہیں، کوئی ہاتھ پکڑی تو ہیں نہیں۔ پھر رند ٹی منڈی سے جلیں گی نہیں کہ گھر برباد ہوتا ہے؟ آپ کو مناسب ہے کہ ملکہ کو گلے لگا لیجئے۔ بادشاہ ہاتھ پھیلا کر بڑھا۔ ملکہ نے اس انیس کی طرف تیوری چڑھا کر کہا کہ ”خوب تو نے مجھ کو خیلا بنا یا ہے تو آپ بادشاہ پر مرقی ہے۔ حسرت میں بھری ہے۔ گلے سے کیوں نہیں لپٹی ہے؟“

انہیں نے کہا ”چلو“ میں ہی ہی ۔ کیا کروں، تمہیں کو گلے ملتے دیکھ لوں،
 تصور معاف میں ہی تو رو یا کرتی تھی؟ اسے بیوی، بس باتیں نہ بناؤ۔ لو آؤ، گلے
 سے مل جاؤ“

یہ کہہ کر ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، اور بادشاہ کے قریب کر دیا۔ اس نے آغوش
 محبت میں لیا، ملکہ نے غصہ ہو کر کہا: ”اے مرد دے“ میرا ہاتھ دکھا جاتا ہے! کچھ
 تیری شام نہ ہے؟ واہ، مجھ کو یہ سنسی نہیں بھاتی ہے۔ لو، اور چوخیلے کی خوبی
 دیکھو

ملکہ کا بکنا کسی نے نہ سنا، گلے لگا کر ایک بوسہ رخسار نازک کا لیا۔ پھر تو ملکہ نے
 خوب اپنے دل کا حوصلہ نکالا، اور گلا اور شکووں کا دفتر کھولا۔

”مبارک ہو جو بھایا خوب بھایا	مزا اچھا کوئی دل میں سما یا
مبارک آپ کو ہو آپ کا گھر	بلا سے گر پھروں میں خوار مضطر
بیاس عشق چھوڑا مجھ کو تنہا	اجی اچھا کیا اس سے مجھے کیا
کسی کے دل پہ میں حاکم نہیں ہوں	بلا سے ہو تمہاری میرا گم خوں
بنا لیا تم نے مجھ کو فاحشہ کیا	کہ جب چاہا گلے آ کر لگایا؟
کبھی تم سے تعلق اب نہ ہوگا	زیادہ اور اس سے اب کہوں کیا؟
مناسب ہے کہ مرجاؤں اسی دم	کہ پھر باہم نہ ہوں تا حشر ہم تم
یہ کہہ کر اک نکالا اس نے خنجر	یقین تھا اس کو پہنچائے جگر پر
وہیں سلطان نے روکا ہو کے بیتاب	کہا اس سے کہ ”سن لے رشک مہتاب
میں صدقے، ہوش کیوں کھوتی ہو جانی	ابھی دیکھو بہار نوجوانی
مجھے دشمن تم اپنا جانتی ہو	طبیعت کو نہیں پہچانتی ہو“
یہ کہہ کر پس گلے سے اس کو لپٹا	بہایا اشک کا آنکھوں سے دریا
بہم زاری رہی تا دیر باقی	پھر اس کے بعد بدلائنگ ساتی

غرض دونوں میں اتفاق ہوا، دو ردلوں سے نفاق ہوا۔ انجمن عشرت ترب
 ہوئی، دور سا غرچلنے لگا۔ خلوت میں وصل کا ڈھنگ جا۔

(جلد سوم)

رنگ میں بھنگ

(ملکہ) بہار نے حکم مہیائے سامان دعوت کا پرہیزان ریاست کو دیا اور فرمایا کہ باغ میرا آراستہ ہو..... اس گلشن پر ویرانی چھائی تھی، اُداسی ہر رخ گل پر آئی تھی۔ سوسن کا لباس کبود تھا، سرو آزاد غم سے جھک گیا تھا، گویا درد آلود تھا۔ چنبیلی زرد ہو گئی تھی، سنبل کے بالوں بالوں پر گرد جمی تھی، زگس حیران تھی، زلف بنفشہ پریشان تھی۔

مختصر یہ کہ اب اس میں بہار از سر نو آئی، شمع رخسار گل پر ضو آئی، انہیں کھریاں جو اہر کار لے کر برگ و بار خزاں دیدہ چنتان سے دور کرنے لگیں۔ درخت سینچے گئے۔ تھالوں میں آب رحمت بھرنے لگیں۔ سر تراشی سے جوانان چمن کا خط اصلاح پذیر ہوا، دن بھر چاندنی دیکھنے کا انتظام ہوا۔ یہ کیفیت ہوئی کہ شجر گل بصد تجمل قبائے ارغوانی زیب قامت فرما کر اور رنگ چمن پر جلوہ گستر ہوا۔ بہار کو نظم و نسق سپرد ہوا، ہوئے فصل بہار پیش کار ہوئی، نئے نئے گل کھلانے پر تیار ہوئی۔ رعب شہر یار گل سے دبے پاؤں آنا، صرصر خزاں کو بھگانا کہ زیادہ شاخوں کو نہ ہلائے، جسم نازک ان کا نہ دکھائے۔ دیوان کدہ گلشن میں صیاد پر سید خلی کا پروانہ جاری، گل چمن کے لئے تجویز سزا کی بہت بھاری۔ بلبل دختراں کی در پیش رو بکاری۔ خزاں کو حکم ہر چمن سے نکل جانے کا ملنا، بلبل کا مقدمہ سرسبز ہنا۔ غنچوں کا چٹخنا، نقارہ درود بادشاہ گل تھا، گل عباس شہناؤ از بے تامل تھا۔ تندر دو طاؤس بیان نقیب چادش صدائے دور باش موسم مہرگاں کو دیتے۔ نہال پوشاک سندس و استبرق زیب قامت رعنا کر کے انجن گلشن میں جم گئے۔ شاخیں گھنگھر و غنچوں کا باندھ کر تقاصہ بنی تھیں۔ رامش گری کا عالم دکھاتیں، پتے تالیاں بجاتے، مرغان خوش الحان ترانہ مبارک بادی گاتے۔ عندلیباں خوش الحان غزلیں گاتیں، مبارک بادی کی دھوم مچاتیں.....

ملکہ بہار ملکہ زلزلہ وغیرہ کو ہمراہ لے کر داخل گلستان عشرت کا رہوئی، پھپھلا پھر،

دن باقی تھا کہ لب نہری گل عذرا زیب و سادہ سبزہ زار ہوئی۔ خواصان گل پیریں
یا سمن بدن نے آکر جام سے گل رنگ دینا آغاز کیا۔ کنارے جو سبزہ لگا تھا، لطف
مے کشی تھا کہ مینا کے فلک سے آقائی خورشید سا غم غرب میں ساقی دہرنے بھری،
اور سرور نشے کا سواد چشم شاہد شب میں آیا۔ ہر سمت عالم نور نظر میں سمایا۔۔۔۔۔
باغ میں مقیش اڑنے لگا۔ رقص ہونے لگا، بام بارہ دری پر ملک بہار مع مہانوں کے
زیر نگیرہ زرتار میں آکر جلوہ بخش ہوئی۔

اس وقت کی کیفیت قابل دید تھی۔ وہ جلسہ اگر نظر سے گزر جائے، تمام عمر ای
کی حسرت میں بشر افسوس کر کے مر جائے۔ ناز مینوں کے جسم منور کی چمک اور پھولوں کی، ملک
شبنمی دوپٹوں کی آڑ میں جو بن کی بہار، سینوں پر کچوں کا ابھار۔ قہقہے ان کے خندہ
گل کو شرانے، لب لعلیں غنچہ نیم بشگفتہ نظر آتے، بھٹلیاں چھاتیوں کی اودی اودی
کنول پر بھونرے کی کیفیت دکھاتیں، زرا ہصد سالہ کو جوش مستی میں لاتیں۔ چاندنی کا
کھیت کرنا، نہروں کا موج مارنا، پھولوں سے دماغ دہریس جانا۔ عجیب ایک
ہنگامہ عشرت تھا، سامان مسرت تھا۔ اس عالم میں ملک کو صحبت بادشاہ اسلامیان
یاد آئی۔ شب ہجر وہ شب مسرت پائی، آہ کا دھواں ایسا بلند ہوا کہ سروستان باغ
محبت بن گیا۔ درد جگر نے لب خوش رنگ پر جم کر مستی کا عالم دکھایا، دھن تنگ غنچہ
سوسن نظر آیا۔ سینہ داغوں سے گلشن بنا۔ ملک زلزلہ سے کس سفر کا حیلہ کر کے... وہاں
سے آنکھوں میں آنسو بھرے، کاسہ زکس کو صدف گوہر بنائے، موتیوں سے ساغر جاب
لبریز کئے بارہ دری میں آئی۔ پردے اس کے چھوڑ کر کینزوں سے فرمایا کہ خدمت مہمان
جا کر بجالاؤ۔ وہ سب چلی گئیں۔ جب تنہائی ہوئی، بے قراری سے کروٹیں بدلنے لگی۔
مگر کسی پہلو قرار نہ آیا۔ قلم عشق نے جوش مارا، طائر عقل اڑ گئے۔ غم ہجر نے بے ہوش
کیا۔ چشمہ چشم اس لئے فرط گریہ سے گہر ریز تھے کہ آنکھوں میں صورت پھرتی تھی، اس
پر یہ موتی تیار کرتی تھی۔ جسم دم بھر میں زعفران زار رنج نے بنا دیا، اشک گل رنگ
نے رخ رنگیں پر گلگونہ لگا دیا۔ قفس تن میں بلبل جان گھبرائی، برنگ گل چاک گریبان
کی نوبت آئی۔ وہ گلشن بن سے بدتر نظر آیا، ابر غم گھر آیا، غنچہ نمط بے کلی ہوئی، گلوں
نے یاد اپنے گل کی دلا کر لبان خار کھٹک دل میں پیدا کی۔ پلنگ پر فرط بیتابی سے پاؤں

لٹکا کر بیٹھی، اور باد صبا سے مخاطب ہو کر یہ زبان پر لائی کہ

”اے باد، اگر بہ مینی خوبان سر و قد را

عرض نیاز من کن با ناز پرور من“

(ادھر افسر سیاب دور بیٹھا جادو کے ذریعے ملکہ کا حال دیکھ رہا ہے) تا دیر
اداے مستانہ، اور تر پنا اور بلبلانا ملکہ مسطور کا دیکھا کیا، اور اس میں کبھی ہزاروں
طرح کا بناؤ اس کا دیکھا کہ زلفیں چہرے پر کبھی ہوئی، دوپٹے طوق گلوں گھڑا
ہوا، پاؤں پلنگڑی سے لٹکے ہوئے، چہرہ تہمتایا ہوا، پسینہ رخسار و جبیں پر
آیا ہوا، قطرات اشک بسان شبنم رخ گل رنگ پر ڈھلکے ہوئے، سرمہ بہنے سے
نشان خال خال روئے نمود پر بنے ہوئے۔ وہ بتیابی میں اتنا فکرتنا، اور کبھی آہ
کرتے وقت منہ بنا کر ہاتھ سینے پر دھرتنا، کبھی گھبرا کر ہر سمت دیکھتا کوئی میرا حال نہ
دیکھتا ہو، کبھی کسی کی آہٹ پا کر شرما جانا کہ کوئی آتا نہ ہو، کبھی ہونٹوں پر زبان پھیرنا
کبھی تصویر یار میں حیران ہو جانا، کبھی کچھ سوچ کر آپ ہی پشیمان ہو جانا۔

(جلد دوم)

نہلے پہ دہلا

جادوگر نیاں آپس میں سمدھنیں بن کر ڈھول بجاتیں اور گالیاں گاتیں، پھکڑ
لڑتیں۔ باہم دھول جھکڑ، موتا۔ ہر ایک اپنی خودی سے گم، دل لگی کا عالم۔

دکھلاقی تھی جوتی کوئی آئینہ بنا کے
مٹکاتی تھی پیڑ کوئی تالو کو بجا کے
آنکھوں کو کوئی پھیر کے چپکاتی تھی ابرو
کہتی تھی کہ ”یوں دیکھو پلٹ جاتا ہے جادو“
بیخود کوئی ایسی تھی کہ پشوا نذالٹ کر
ہو جاتی تھی غصے سے کوئی جاے سے باہر

دکھلا کے انگوٹھے کو بجباتی کوئی سماں
 ہنس ہنس کے کوئی دیتی تھی سمدھن کو یہ گالی
 ”بھاتا نہیں سمدھن ترا غم سبزہ مجھے پھیکا
 ہانڈی کا مزا تیری جو چکھے تو ہے میٹھا
 کیا ری تیری کیا پیاری ہے سبزہ بھی اگا ہے
 لہلوٹ اسی سبزے پہ سمدھی کا ہے بکرا
 سب چاک دلائی ہے تری نیچے سے سمدھن
 ثابت نہیں استر ہے نہ مضبوط ہے ابرا“

(جلد سوم)

سات دریا کے فراہم کئے ہوں گے موتی

بال بنگالے کے، طول شب ہجر عشاق
 صورت پاک بنارس کی، زمانہ مشتاق
 لکھنؤ کا وہ غضب ٹھکا، پریر و دقاق
 حسن کشمیر تھا مشہور میان دقاق
 چشم پنجاب، کمر دہلی کی، شملے کی گات
 جسم لاہور کا اور قامت و قد گجرات

(جلد سوم)

جس میں کھائیں، اسی میں چھید کریں

شہزادہ مصروف عیش و عشرت تھا کہ خاطر پر کدورت دہر کا غبار نکلا، نیا
 اجر اپیرا ہوا۔ یعنی درہ کوہ کی جانب سے گرداڑی۔ جب دامن گرد پنجہ ظلم صبا
 سے چاک ہوا، دیکھا کہ کئی ہزار زنگیان آدم خور، مسلح و کمل گینڈوس پر سوار آتے

ہیں، اور آگے سب کے ایک حبشی سیاہ قلب و تیرہ روبا لکل الو، جاہل و بد خو ہے ایمان، نطفہ شیطان، مردم آزاد، خدا ناترس، کاہل و زبوں شعار... وہ خبیث بھی کرگدن پر سوار، ارہ پشت، نہنگ گراں وزن باندھے، اور ہر ایک ہمراہی اس کا جلادی، اور ستم گری پر کمر کسے، ایک دیو خصلت، چہرے سے قزاقی ظاہر ہے حیاں ان سے اور وہ بے عزتی سے خوب ماہر قامت جن کے دراز، بیج ہے کہ بے عزتی کی عمر دراز، ہاتھ دامن ہمت کی طرف سے کوتاہ، دل حرص و آز کی طرف گزوں بڑھا ہوا، پاؤں عرصہ ہمت و پائردی میں سرگرم رفتار، ایک سمت کو سوار اور پیدل، توبے کی طرح ہنستے، بینگن پھٹے ہوئے چہرے ان کے نظر آئے۔ برچھے تسموں میں لگے سناب چمکتیں، ترکش کے بردار تیرول سے بوموں کی دم لگی، یا سینچر اور زنب کا قران۔ غرض کہ اسی شوکت و شان سے رواں تھے، اور پیچھے ان بد شعاروں کے کئی سو عورتیں بے مقنع و چادر شتران برہنہ پر سوار بحالت سوگوار تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے آگے ان کے پیٹھے، بال ان بکیوں کے رخ پر کھلے ہوئے، پشانیوں ان کی خاک میں بھریں پیٹھے تازہ بانوں کی ضرب سے زخمی۔ ہر ایک زن ماہ سیاہ مہر طلعت آلودہ غبار، رخ و مصیبت، ہجوم یاس و بکیسی ہمراہ، سب کے لب پر نالہ جاں کاہ۔ کسی نے ظمانچوں سے منہ اپنا نیلا کیا تھا، گل کو سوسن بنا دیا تھا، کوئی بسان گل گریبان چاک، کسی کے سر پر خاک، غم سے ہر ایک نوحد گر...

وہ بے چاریاں، آفت کی ماریاں تو شرم سے سرد گریباں تھیں، گمہ بچے سمجھے ہوئے ماؤں کے کیچے سے لیٹے اور پانی مانگتے۔ حرامیان لعین ان کے رونے پر ہنستے اور پانی نہ دیتے۔ ان سب بکیوں کے آگے ایک زن خوب روشتر پر سوار تھی کہ بال اس کے رخ پر جو کھلے تھے وہ صحرا سنبلتاں نظر آتا تھا، یا کیچے پر کافروں کا دھاوا تھا۔ یا ملک حلب زنگیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ آنکھوں سے جوئے اشک اس کے جاری تھے یا مشاطہ حسن بزرگ باغبان گلستان رخ کے لئے مصروف آبپاری تھی۔ گریباں اس کا چاک تھا یا آفتاب ظلم نے قرص ماہ کو تخت شعاع کیا تھا۔ ایک لڑکا پانچ برس کا سن، بھولی صورت، امیدوں کے دن، گلاب کی پتی اس کے رنگ و رخ کے روبرو، شرمندہ چہرہ اکلا یا ہوا سر برہنہ، کرتا پھٹا، سہا ہوا، آگے اس زن مہیا کے

بیٹھا تھا۔

(شہزادے کو ان پر رحم آتا ہے۔ وہ حبشیوں کی فوج پر حملہ کر کے سب کو قتل کر دیتا ہے، اور عورتوں کو بعد تکریم لاکے بارگاہ میں ٹھیراتا ہے) جب وہ بکیں آب و طعام سے آسودہ و سیراب ہو چکیں، شہزادہ دربار گاہ پر گیا اور اپنے آنے کی خبر بھی۔ وہ عورت جو سب کی ملکہ تھی، اس نے اندر بلا بھیجا۔ جب شہزادہ بارگاہ میں آیا، اس نے جسم اپنا سرتاپا چادر سے چھپا کر تسلیم کی اور فرزند پنج سالہ کو بھی بہر آداب خم کرایا۔ شہزادہ مسند پر جلوہ گر ہوا اور وہ لڑکے کو لے کر گاؤ کی آڑ میں بیٹھی۔

شہزادے نے فرمایا: ”تم اپنی کیفیت سے مجھ کو ماہر کرو۔ میں تمہارے خاندان تک با آبروئے تمام تمہیں پہنچا دوں گا، اور جو کوئی تمہارا دشمن ہوگا اس کو سزا دوں گا“ وہ زن نیک سیرت یہ کلمات شفقت بن کر عرض رضا ہوئی کہ:

”اے وارث غریباں، خضر راہ گم کردگاں، تیری ذات ستودہ صفات ہم لوگوں کی حیات کا باعث ہے۔ مجھ شوریدہ بخت کی یہ حقیقت ہے کہ شوہر میرا ملک سلطان تاج بخش نام، کوہ ارم کا حاکم ہے۔ قلعہ کوہ مذکور میں ساٹھ ہزار فوج جوار اور سرداران نام دار تھے۔ یہ لڑکا بھی اسی بادشاہ کا میرے بطن سے ہے۔ میرے جہیز میں ایک لونڈی آئی تھی تو سنگ زرد و نام کہ قوم کی زنگن تھی، اسی کا یہ زنگی کہ جس کو آپ نے قتل کیا ہے، بیٹا تھا۔ چنانچہ یہ حبشی خیرہ سراز بسکہ گھر کا خانہ زاد تھا، اس سبب سے گھر میں آتا تھا، اور اس کا نام میں نے شمشاد رکھا تھا۔ اس بے حیا نے میرے اوپر نگاہ بد ڈالی، اور بے ہودہ ہنسی ہنسنے لگا۔ ایک روز اکیلے میں میرے قدم پر گرا، اور منت کہہ کے کہا کہ ”اے شہزادی! میری جاں تجھ پر جاتی ہے! واسطہ اپنے دین مذہب کا، اپنے وصل سے مجھ کو شاد کرو۔“

”میں اس وقت اکیللی تھی۔ اس خوف سے کہ یہ مجھ کو ہلاک نہ کرے، گویا ہوئی کہ ”اچھا میں آج نہیں، اور کسی دن تجھ کو اپنے ساتھ سلاؤں گی۔“

”وہ بے حیا یہ سن کر بہت خوش ہوا، اور مجھ کو اس فعل شنیع پر راضی سمجھ کر پیار کرنے کا ارادہ کیا۔ میں اس مقام تنہا سے ہنستی ہوئی بھاگ کر جہاں اور لوگ تھے، چلی آئی، اور

وہ روسیہ سمجھا کہ ناز معشوقانہ کرتی ہے، خیر آج نہیں، پھر اور کسی دن بھی۔ یہ سمجھ کر باہر محل سے چلا گیا، اور جہاں باورچی، فراش، نائی، درزی وغیرہ ایسے پیشے کے لوگ جو رذیل کہلاتے تھے، بیٹھے تھے، اور انہیں لوگوں سے اس سے یار نہ تھا۔ وہاں بیٹھ کر شیخی بگھارنے لگا۔ یعنی درزی سے مخاطب ہو کر بولا کہ خلیفہ، اب ہم نے بھی ایسی کتربیت لگائی کہ کچھ دنوں میں قطع ہی اور ہو جائے گی۔

”نائی بولا کہ ”ارے میاں، وہ جو تم ہم سے ذکر کرتے تھے، وہی معاملہ ہے؟“

”اس نے کہا ”ہاں، وہی۔“

”نائی قہقہہ مار کر ہنسا کہ ”واہ، یار، لانا ہاتھ! اب کیا پوچھنا ہے۔ مگر، یار، کہیں ایسا نہ کرنا جو سر منڈاتے آدھے پڑیں۔ بھئی، اب اور کسی سے ذکر نہ کرنا۔“

”واہ، کیا معقول یار ہیں، اور کتنی فصاحت آمیز اور مہذب گفتگو ہے، اور پردہ دار کا راز کس قدر ہے کہ ایک جلسہ عوام میں اس کا ذکر بے باکانہ ہو رہا ہے، اور اسی طرح باورچی نے بھی اپنے اڑھائی چاول گلائے کہ ”میاں، تم بھی صاحب قسمت ہو۔ وہاں اپنا ہانڈی میں سا بھا گیا ہے کہ جہاں فرشتے کی بھی دال نہ گھلتی تھی۔ اب کیلے؟ بڑھ بڑھ کے ہتے مارو۔ پانچوں گھی میں، سر تہارا کڑھائی میں!“

”فراش بولا کہ۔ ارے میاں، چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ۔ ابھی تو وہ ان کی ایسی مطیع ہوگی کہ سامنے بچھ جائے گی۔ انہیں یہ چاہئے کہ فرش نہ ہو جائیں، اس پر چھائے رہیں، جب تو وہ ان پر فضاغت کرے گی، نہیں تو اور کسی کوتاہی کے گی۔ پردے میں زردہ لگانا انہیں بیسواؤں کا کام ہے۔“

”حبشی بولا کہ ”اب تو اپنا خیمہ ڈیرہ پڑ گیا۔ پھر سمجھ لیں گے جیسا ہوگا۔“

”غرض کہ یہ تو اپنا فخر یہ بیٹھا بیان کر رہا ہے، ادھر میں نے خواجہ سرا کو بھیج کر سلطان کو بلا بھیجا۔ بادشاہ محل میں آئے، میں نے تعظیم کے مسند پر بٹھایا، اور صاف صاف تو اپنے حال کا اظہار نہ کیا، باب سخن اس طرح کھولا کہ سنا صاحب، میں ان میں تو ہوں نہیں کہ اپنی پارسائی جتاؤں، اور کہوں کہ لوگ میرے دامن پر نماز پڑھیں، میرا منہ اس قابل کہاں! سو خرابوں کی خراب، ہاں، خاک چاٹ کے کہتی ہوں اور خداوند، بڑا بول نہیں بولتی ہوں، جہاں مجھ نگوڑی کو کوئی پارسا نہ کہے گا تو بدکار بھی نہ کہے گا اور کچھ میں ایسی خوبصورت

بھی نہیں، لیکن اچھی نہیں تو اب اُتارنے جوگا بھی نہیں؟ خیر، جو سو سے بری تو دس سے اچھی ہوں۔ اے میرے خالق، تیرے صدقے جاؤں، تو نے ناک نقشہ درست بنایا، لولا نگر ۱، کانا کھدرا نہیں پیدا کیا۔ اے بادشاہ، اس گئے حال پر اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے کنبے میں جوشہزادیاں ہیں، ان میں بیٹیوں تو یہ کوئی نہ کہے گا کہ ان میں یہ ملتی نہیں، بلکہ میرا ہی پیلا چمڑا ان کے حسن سے کہ جو خوبصورتیں کہلاتی ہیں، اچھا معلوم ہوگا۔“

”بادشاہ نے یہ باتیں سن کر فرمایا کہ ”اے ملکہ، اس وقت پارسائی اور حسن کا ذکر کیا ہے؟ والدہ تم پر سے بہتر ہو، اور اگر تم بد صورت بھی ہوتیں تو میرے نزدیک حور تھیں، کیونکہ عورت کو پارسا ہونا، اور رضا جونی شوہر کہنا ہزار حسن سے بہتر ہے۔ آخر کہو، کسی نے تم کو برا کہا ہے یا عیب لگایا؟ کیا ماجرا ہے؟“

میں نے کہا: ”حال تو کچھ نہیں، جوان جہاں ہوں۔ یہ موا حبشی شمشاد محل میں نہ آیا کرے۔ دیکھو صاحب، کل کو تمہیں مجھ کو بدر راہ کہنے لگو گے۔ میں سچ کہوں، یہ حبشی موا بد نظر ہے، آج مجھ سے دل لگی کرنا تھا۔“

”بادشاہ نے جو یہ سنا، آگ ہو گئے اور فرمایا کہ لوگ جا کر اس کو پکڑ لائیں بلازم جب تک جائیں جائیں، ماں اس کی جو محل میں موجود تھی، پیٹ پکڑے باہر گئی اور مقام عملہ پر جا کر جہاں بیٹا اس کا ڈینگ مار رہا تھا، پہنچی۔ وہاں اور اتفاق سے، کہ حبشی اپنے یاروں میں باتیں کر رہا تھا اور کپڑا قطع کرانے اور خط نانے سے بنوانے دو ایک ملازم بھی آئے تھے۔ انھوں نے بھی یہ حال سنا، اور سمجھے کہ کسی کا ذکر ہوگا۔ انہیں باتوں میں نائی کہہ بیٹھا کہ ”بھائی، اب تم سے ڈرنا چاہئے کہ آدھی گدی کے تم بھی مالک ہوئے۔ بادشاہ سے آدم آدمہ سا بھا کیا۔“

”یہ سنا تھا کہ ان شریفیوں کے ذہن میں آیا کہ شہزادی کا ذکر ہے۔ بس پھر تو جوتا پاؤں سے اتار کر ہت تیرے خلیفہ کی ایسی تھپی، آؤ دیکھا نہ تاؤ، پڑا پڑ کی صدا آنے لگی۔ ایک دو اور تین، پھر کون گنتا ہے! نائی کو آشنائی حبشی کی راس نہ آئی۔ چند یا گنجی ہو گئی، باورچی کا تو دمہ کر دیا، فراش کے مارے جوتیوں کے فرش کر دیا، درزی کی قطع بگاڑ دی، سر میں بخیر حاجت ہوئی۔ ایک غلغلہ ہوا، کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی، سوائے اس کے کہ ”کیوں“

پھر کہے گا ارے حرام زادے اور کچھ لے گا؟“ اور ”تیری نانی کی یوں کی یوں تیرے باورچی کی یوں کی یوں کروں۔ تر تر، پڑا پڑا، لوگ اور طرف سے آگے ہیں“ وہ سمجھاتے ہیں: ”ارے بھئی جانے دو۔ ابے میاں کیا ہوا؟“ ان سے ذرا بھی کچھ اشارہ اس حال کا کسی نے کر دیا، وہ لوگ بھی مارنے لگے۔

”غرض کہ حبشی کے یار تو خوب پٹے اور اسی ہنگامے میں تو سنگ زدہ رہ گئے، اور بیٹے کے ایک دو ہتھ مارا کہ ”ارے“ بادشاہ نے تیرے قید کرنے کا حکم دیا ہے، شہزادہ نے تیرا ماجرا بادشاہ سے کہا ہے۔“

”یہ سنتے ہی زنگی کا منہ سفید ہوا، وہ سرخی بشارت کی کا فور ہوئی۔ مع اپنی مادر زرد رو کے وہ سیاہ رو گر پڑا ہوا، اور یہ دونوں سبز قدم بھاگ کر قلعے سے باہر نکل گئے اور روپوش ہوئے.....“

(تین سال بعد ایک دن بادشاہ شکار میں فوج سے الگ ہو گیا۔ اتنے میں ایک شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس حبشی نے آگے بادشاہ کی جان بچائی۔ بادشاہ نے اس کا قصہ سنا، معاف کر دیا اور اس کو سپہ سالار بنایا۔ حبشی نے امر اسے سانٹھ گانٹھ کر لی اور ایک دن بادشاہ کو دھوکے سے لے جا کر ایک قلعے میں بند کر دیا)۔ ”زنگی رو سیاہ نے قصر شاہی کا محاصرہ کر لیا اور مجھ شوریدہ بخت سے کہلا بھیجا کہ ”اے زن پرفن، اب مجھ کو منظور نہ کرے گی تو اس حال خراب سے تجھ کو قتل کروں گا کہ فلک غدار و روزگار آزار کو تجھ پر رحم آئے گا۔ اور میں ترس نہ کھاؤں گا۔“

”میں نے کہلا بھیجا کہ اس لاڈلے ہر آلود قسم سے کہہ دو کہ خزانہ حسن میرا تیرے لئے نہیں..... اور میرے بوستان جمال میں زراغ و بوم کا گزرنا محال ہے، ہر چند کہ میرے وارث رہے نہیں مگر

گر ہما از جہاں شود معدوم کس نیاید بزیر سایہ بوم“

”یہ کلام جو اس بد انجام نے سنے، کچھ فوج لے کر محل میں در آیا۔ اس وقت عجب طرح کا تلاطم مشکوئے خسروی میں برپا ہوا۔ بحر غم گویا جوش میں تھا، نواب خواجه سرا اور قلماقنیاں، ترکین، اردو بیگنیاں، کنیزان یا سمن پیکر، لاٹھیاں اور ”نوابیں وغیرہ جو کچھ تہذیب کہ ان کا دستیاب ہوا لے کر اس خیرہ سر کے مقابل ہوئے۔“

لیکن یہ پرزاد اس دیو قوی ہیکل کا سامنا کیا کرتے؟ قتل ہوتے تھے، گر جھپٹ کر اس کو گھیرتے تھے، اور چار سمت سے تیغ و سنگ و چوب لگاتے تھے، مگر وہ جب دھڑک سپر کی مارتا، دس دس گر کر ترپنے لگتے۔ جب وہ قبضہ شمشیر لگاتا، سر جھپٹ جاتے، جب کہنیاں ہوں کر کے گھاتتا، آدمی پر آدمی گرتا، ایک ہنگامہ عظیم برپا تھا، خون عورتوں میں ٹوڑ کر زخمی ہوتیں اور جان دیتیں، بڑھیاں گود بھیل کر کوتلیں کہ

”اے تیرا زور ڈھے جائے! خدا تجھے غارت کرے! موئے مرنے جو گئے، تجھ کو آج ہی ہینہ آئے۔ میرے قد برابر بجلی کر لگتی تجھ پر گرے۔“

”ایک طرف خواصوں کا زور لٹ رہا تھا، ایک سمت زخمی عورتیں کرا رہی تھیں۔ محل میں لاشیں نائیناں گل اندام کی پڑی تھیں۔ بعض عورتیں خون سے کنویں میں گری تھیں، بعض کو ٹھوں پر سے پھاندی تھیں، بعض تہ خانوں میں تھپی تھیں۔ میرا یہ حال تھا کہ انگشتری الماس کی کچل کر پھاٹکنا چاہتی تھی، مگر دایہ اور کھلائی وغیرہ سیری انیسیں ہاتھ پکڑ لیتی تھیں کہ ”اے شہزادی، دیکھو تو کیا ہوتا ہے۔ دنیا میں کبھی کبھی ہے کبھی کبھی ہے یکساں زمانہ نہیں رہتا ہے، بلک مارنے میں حال دگر گلا ہے، جان دینا زبوں ہے۔“

”غرض سب رفیقان نیک خواہ میرے بھی قتل و آوارہ و زخمی ہو چکے۔ وہ نونگی میرے قریب آیا، اور مجھ کو بے حرمت کرنا چاہا۔ میں نے کہا ”میں اپنی جا دوں گی، مگر تیری آرزو نہ پوری کروں گی۔“ وہ موذی سمجھا کہ اس کو اسیر کر کے تکلیف شادہ پہنچاؤں، آپ ہی راضی ہو جائے گی، یا یہ کہ اس معیبت میں جان دیگی۔ پس اس نے مع ان عورتوں کے جو آپ نے میرے ساتھ دیکھیں، مجھ کو اسیر کیا اور اختروں پر سوار کر لے چلا۔ قلعے میں اس وقت ماتم و شیون برپا تھا، دوست بادشاہ کے میرے حال پر روتے، غم سے جان کھوتے تھے.....

غرض کہ وہ نونگی زشت کردار ہم سب کو لے کر اپنے ملک کی طرف (روپوشی کے زمانے میں حبشی نے ایک حبشی خرا د بادشاہ کے یہاں پناہ لی تھی۔ جس نے اس کی ماں کا محل کر لیا تھا، جانتا تھا کہ آپ نے اس دشت میں کام اس شقی نافر جام کا تمام کیا۔ اب باپ اس کا میرا زندہ رہنا سن کر میرے ملک پر یقین ہے کہ آئے اور

وہی روز بد پھر دکھائے۔ دوسرے یہ کہ تک بھی میرا قبضے میں میرے نہیں اب ہیں
 کدھر جاؤں، اور کیا کروں؟ بہتر یہ ہے کہ مر جاؤں!“
 شہزادہ قاسم نے جب یہ سرگزشت اس نیک نجت کی سنی، بے اختیار رو دیا،
 اور زبان تسکین بیان سے ارشاد فرمایا کہ ”اے ہمیشہ عصمت مآب و عظمت قباب،
 وہ سانحہ عظیم کہ جو تم پر گزر گیا، خواہش و تقدیر و مرضی خدا تھی، کیا اس سے بشر
 کو چارہ ہے، مجھ کو یہ حال سن کر بہت رنج ہوا۔ اب یہ فرزند سلطان میرا فرزند
 دل بند ہے، میں اس ظلم میں جا کر تمہارے شوہر کو بھی لاؤں گا، اور انشاء اللہ تعالیٰ
 اس زندگی کے باپ کو بھی واصل جہنم کر کے اس کی مادر کو سزا دوں گا۔“
 (جلد دوم)

شغل بیکاراں

(۱۱)
 سامان روانگی کرنے لگے۔ سیارہ بن عمرو نے پیش خیمہ اشتر و خاطر
 پر بار کرایا، بارگاہ طلسم افراسیابی بار ہوئی چالیس ہزار ارچیدہ روزگار سات لاکھ
 کے لشکر سے بہرہمراہی منتخب ہوئے۔ قراول، پھیلے، میرنکار، یوزباشی جانوراں
 شکاری لے کر اسی ذلت کو ج کمر گئے بازدار باز ہاتھ پر بٹھائے در دولت پر حاضر
 ہوئے، بحری، ترمقی، باشہ، جرہ، لکھڑ، بگھڑ پسند ہونے لگے۔ موسیٰ نیوے کی
 چونگلیاں ہمراہ لے چلنے کا حکم ہوا۔ جانوران چند کے شکار کو چیتوں کی کھڑیاں تانگوں
 پر لگائیں، سگان تازی کی جوڑیاں ڈور سے لے کر صحرا کو چلے، دام دار دام بردوش
 چڑیا فرماں گوش پھٹکی کیا درست کئے، دھوکے کی ٹیاں کندھے پر لادے روانہ
 ہوئے۔ ہاتھی جو شیر کو ٹھکرا کر مار ڈالیں، ان پر چار خانے کھینچ گئے ہودج زریں
 رکھے گئے، لباس چرمی فیل بانوں نے پہنے۔ دن بھر یہی سامان رہا....
 رات کو بکا دل اور جھاڑ ساز اور باغبان جو صحرا کو بہ از گلشن جاناں کر دکھائیں،

بہر آرائش خیاں و مقام روانہ کئے گئے، جنہوں نے پاتنج پاتنج کوں پر خیمہ آراستہ کر کے نہر حشمہ ہائے دشت کے کنارے گلشن نگار بنادیا، فرش سکنت بچھا دیا، دگیں چڑھ گئیں، طعام لذیذ تیار ہونے لگا۔ یہاں شہزادے نے سلج خانہ کھلوا دیا، تیر عمدہ چھانے کئے، تیغیں چورنگ جو خوب کاٹتی تھیں، پسند خاطر ہوئیں۔ شمشیر و دمہ ہندی زیب کمر کی۔ وہ وہ تلوار جو دم شکار گینڈے کی پشت مثل خیار تر کھٹے تنگ پشت کا بحر میں لہو چائے، پسند خاطر دلا وراں ہوئیں۔ آپس میں چہلیں رہیں۔ کوئی کہتا کہ کچھار میں شیروں کا مسکن ہے، اسی طرف ہمارا کل رواں تو سن ہے۔ بندہ تو شیروں ہی کا شکار ہمیشہ کرتا ہے واللہ جو لشکار کرنام اسدا اللہ الغالب شیر کو نہ مارا تو کچھ کام نہ کیا۔ بعض کا مقولہ تھا کہ ”شیر سے تین دو احرام زادہ ہوتا ہے، میں تو اس کو ڈھونڈ کر ماروں گا۔“

غرض کہ وہ رات اسی حرف و حکایت میں بسر ہوئی۔ جھاڑیوں کا ذکر رہا کہ ہر جھاڑی موجب ہیبت قلب ہے۔ کوئی کہتا کہ پہاڑ کی گھاٹی میں جانے سے روح دلا وراں سلب ہے۔۔۔۔

صبح ہوتے ہی ہر سپہر صاحب قرانی مامن بارگاہ سے طالع ہوا اور خانہ غریب کو مرکب شیرنگ زہرہ جبین کے منور و روشن فرمایا۔ سردار مثل خطوط شعاع گرد اس نیر تاباں کے رواں، چالیس ہزار چلتے پوش ہمراہ، جوڑیاں نقار ہائے نقرہ طلا کی بجٹیں۔۔۔ فی الجملہ جب صحرائے سبزہ زار میں پہنچے جانور مان شکاری کو صید پر چھوڑا۔ شکار کا لطف، مرغزار کی کیفیت، چشموں کی طراوت اور لہراتے سبزہ زار کی نزارت دیکھتے روانہ تھے، کبھی چیتوں کو ہرن پر چھوڑا، کبھی شیر بر کو گھیرا، کہیں پاڑھا نشانہ تیر ہوا، کبھی آہو بچالہ کی کند میں اسیر ہوا۔

شہزادہ اسی طرح اس بیشہ کی طرف کہ جس کا ہر کاروں کی زبانی حال سنا تھا، چلا، اور بیشہ حیرت پوچھتا ہوا آخر اسی دادی میں پہنچا۔ دیکھا تو واقع میں ہر کاروں کے بیان سے اس جگہ کو دو چند عمدہ پایا، قدرت کد یور حقیقی کا جلوہ چشم تقدیر نے دکھایا۔ دامن کوہ کے نیچے نہریں جاری، اترا تری پھرتی باد بہاری، جھرنا جھپٹتا، فر باد کی روح کا حوصلہ نکلتا۔ دامن کوہ پھولوں سے بھرا یا، آغوش تینائے عشق

میں معشوق رنگین ادا، ہر نہر کے کنارے فوارے چھوٹتے، جس کو دیکھ کر روح
 محروم مزاجاں درود پڑھے۔ فضاے گلزار سراپا بہار سو جہان سے اس جنگل پر
 نثار، طبقہ ارض پر بہار۔ برنگ دامن قباے دلدار۔ ہر طرح کے پھول اور ہر قسم
 کا میوہ فصل و غیر فصل کا تیار، نہال پر ثمر و بار آور سبز رنگاں دھڑے کہیں بہتر شاخ
 سے شاخ بروش ستانہ یا برنگ مشاق جانانہ عشق بیچاں کی طرح باہم دست و گریباں
 کہیں جھاڑی مثل زلف شکن در شکن محوشاں پر بیچ جس کے سامنے چوٹی سنبلا چرخ
 اختری کی، بیچ۔ صباے بہاریں کا ستانہ بھر نادم، بطور قاذو و قرقروں کے خرام پر
 جان خوش رفتاراں بے دم۔ کوئل کوکبی، پیپے کے بولنے پر سودا زنگان محبت کی
 زبان لہو تھوکتی، طاؤسوں کا رقص، عجب طرح کا جھکڑا، برسات کی آمد، گرمی کا
 جانا، ہر جگہ چشمہ ہائے سرد کا لہرانا۔ زمین پر فرش زمر دیں بچھا، ہر شجر پر بلبلوں
 کا چہچہا۔ رضوان اسیر دام الفت وہاں کا ہو کر مثل طائر پھڑکتا، نغمہ سنجی مرغان خوش
 الحان، نئی طرح کا زمزمہ، خوشبو سے گلوں کی دشت مہکتا، بلبل چہکتا، مسافر خیال
 کا قدم بہکتا۔ کبھی بدلی گھر آتی، کبھی بجلی چمک جاتی۔ یہ بہار ہر سمت تھی....

شہزادے نے لب نہر بارگاہ آراستہ ہونے کا حکم دیا۔ خیام وغیرہ تو پہلے
 ہی سے آراستہ تھے۔ شہزادہ گھوڑا اٹھا، اتریوں میں آکر ٹھیرا۔ وہاں جھولے
 پڑ گئے، تار چھڑ گئے، بایں کی کمک نے ناہید فلک کو، بیچ کا رہ بتایا۔ معشوقان
 شکل اندام پہلو میں آکر بیٹھ گئے۔ محبت کے پنگ بڑھے رنڈیاں جو سرداروں کی
 ملازم تھیں وہ ہر ایک کے ہمراہ جھولا جھولنے لگیں۔ عجب طرح کا سماں بندھا۔ اس
 وقت ٹھیک دوپہر کا وقت آگیا تھا مگر وہ زمانہ بھی خالی از لطف نہ تھا۔ بگولے
 بن بن کر اٹھتے تھے۔ قامت یار، شوخ و طرار نظر آتے تھے۔ جھونکے ہوائے گرم کے
 گرما گرمی معشوق کا رنگ دکھاتے تھے۔ جوہرں جست کر گیا کسی خوش چشم کا دم کرنا
 یاد آگیا۔ دشت میں دھوپ کا تھرا نا تھا یا مشاطہ فلک کا عروس عنبر آلود کو آئینہ مصفا
 دکھانا تھا۔ سطح ارض چمک میں مرآت رخسار جاناں تھا، ذروں کی چمک سے ماتھا
 شاہد زمین کا پرافشاں تھا۔

(جلد سوم)

شہزادہ (تورج) اجازت پانے سے سلام رخصتی بجالایا، اور دربار سے اپنی بارگاہ میں آیا۔ سرداروں کو اپنے بلا کر خردہ صید و شکار سنایا۔ ہر ایک خوشنود ہو کر سامان روانگی کرنے لگا۔ شہزادے کے لئے ایک بارگاہ معہ سامان زرہفتی اشتر و پر بار ہوئی۔ خیمے ڈیرے ہاتھیوں پر سرداروں کے لہ گئے۔ چالیس ہزار سوار زرہ پوش بہر شکار تیار ہوئے، بہادر مسلح و مکمل ہو کر عازم شکار ہوئے۔ قراول، پہلیے میر شکار، یوزباش حاضر ہو کر جانور پسند کرانے لگے۔ چرخ شکار کے ڈور بے لاسے لگے۔ چیتوں کی بھی کھولیاں تانگوں پر کھینچ گئیں۔ جانوروں کے طعمے روکے گئے، بھوکیں دی گئیں۔ پار، باز، بہری، شاہیں، جرہ، شکرہ، ترمی وغیرہ، ہاتھوں پر بٹھا کر ٹوپیاں آنکھوں پر چڑھا جانے لگے۔ طبل طغرل پر چوب پڑی، کمانداروں نے ترکش درست کیا، کند انگن دُام دار پہلے سے جنگل میں جا کر کمین گاہ بیٹھے۔ قراول لاتی لگانے کی فکر میں پھرنے لگے۔ گورو گوزن کا پتہ لگاتے تھے، سب تو جنگل گھرتے جاتے تھے کہ

درختوں نے صحرا کے سن کر یہ حال کہ صید انگنی کا ہے شہ کو خیال
کیا جلد ترتیب سامان صید لگے کرنے بلبل سے گل مکر و کید
کے بعد سنبل نے گیسو دراز کہ مجھ کو بھی کوئی کہے جعل ساز
ہوا زر گس مست کو جو وصلہ کہ آنکھوں کو اپنے ہرن کر لیا

بیچ صحرا میں بارگاہ استادہ کرائی۔ شیروں کے لئے ہکو کرنے کی تیاری ہوئی۔ باجے اور آتش بازی کے ٹوکے روانہ ہوئے۔ رات بھر یہی سامان رہا۔ جس وقت کہ صحرائے اخضر آسمان میں صیاد دھرنے باز تیز پرواز آفتاب کو طائران انجم پر چھوڑا، اور طاؤس فلک نیلی نامہ نے دانہ کو اکب کو چن لیا۔

کہ چمکا مہر تاباں جب سحر گاہ
دل شہ کو ہوئی پھر سیر کی چاہ
طلب فوراً کیا شب ریز چالاک
ہوا رونق فزائے زین وہ بیباک

کچھ ایسا خوبصورت تھا وہ مرکب

کہ پہنچے اس کی تیزی پر خرد کب

غرض گھوڑے کو اس نے جب بڑھایا

سوئے صحرائے لالہ زار آیا

ابھی اچھی طرح روشنی نہ ہوئی تھی کہ کنول بردار فانوس ہائے زریں آگے
آگے لئے رواں تھے، ہمراہ سواری ہزار ہا نوجوان۔ نسیم سحری فر فر چلتی، غنچہ خاطر
شگفتہ کرتی، بسان شاہد صحر رخسار ناز ملتی۔ گھوڑے طرارے بھرتے۔ جنگل میں نئے نئے
گل کھلے، قطرات شبنم سبزے پر پڑے نظر آتے، مور صحرا میں شور مچاتے۔ کچھ عجیب
ہنگامہ تھا۔۔۔۔۔

(جلد دوم)

دو پھول تو ایک کانٹا

(شہزادہ تورج ایک جادوگر کی قتل کر کے ایک جواہر کا پھول حاصل کرتا
ہے۔ جس کے پاس طلسم کی لوح ہے، اس کی جان یہی پھول ہے)

شہزادے نے پھول تو کمر سے باندھا۔۔۔۔۔ اور وہاں سے آگے بڑھا۔ سیر
طلسمات کرتا چند منزل طے کر کے ایک ٹک کے قریب پہنچا۔ دیکھا کہ حصار شہر پر مصقلہ
سوئے کا کیا ہے۔ آفتاب کی جوت سے ہر سمت آفتاب نکلا نظر آتا ہے۔ دیوار و در
جگمگاتا ہے، دروازے میں تمام جواہر بچی کاری کیا ہے۔ آئینہ و روند کارستہ ہے۔ مرد
کم کم ہیں۔ ہزار ہا زن خوب رو و حور شامل کاہرا ہے۔

شہزادہ اندرون شہر قدم زن ہوا۔ اندر آ کر جو دیکھا ہر سمت عورتوں ہی کا
انتظام پایا، ہر بازار مینا بازار نظر آیا۔۔۔۔۔ ہر طرف راز و نیاز کی گرم بازاری،
خوب رویوں کی طرح داری۔۔۔۔۔ دکانوں میں سرمایہ عمدہ و بدیع، دوکاندار
کی شان رفیع۔ کہیں تبولن اپنی سرخروئی جتاتی، کہیں ساقن دل عشاق کے دھوئیں

اڑاتی۔ تبنولن کی دکان پر ہر ایک جاں سپاری دل خون ہو جانے کا بیڑا اٹھاتا
 سائے تبنولن کے آئینہ لگا، ادھر ادھر آئینے کے سونے چاندی کے مرتبان جن
 میں معبر و معطر کتھا، چونا، پانوں کی سائے کھلی ہوئی ڈھولیاں، سرہائے نقد و ہوش
 ڈھولتی تھی، حسن پر اپنے موہ لیتی تھی وہ لب رنگیں پر اس کے مٹی کی دھڑی
 اور اس پر پان کا لکھوٹا ساقن کے حسن کا بھی یہی حال ہے کہ دم اس کا بھی غنیمت
 تھا وہ میزوں پر قرینے سے بچوان دھڑے، پینے والوں کے دماغ خوشبو سے
 تمباکو کے بے اور بھرے فرشی حقوں کی تمنا میں لب فرش خریدار کھڑے۔ ساقن کے سرخ
 کا پسینہ عرق بہا رکھ کر تے جان کو اس سے بساتے، دار و مدار یہ ان سے ہوتے جاتے
 کہ ”دم بغیر ہم نہ محروم پھر میں، تیرے عشق میں، اے گل، یہاں جل جل کر مرے“
 کسی طرف بزازہ گل بدن دکان لگائے بیٹھی مہر طلعتوں کا دل اس کے
 حسن کو دیکھ کر کتان کی طرح پارہ پارہ، عاشقوں کو کم خواب آتا، دل اسی کا یاہ گاڑھا۔
 اسی طرف ایک مست شیرینی فروش یعنی حلوائی تلخ کا مٹی خریدار ان کھویا کرتی ہرافہ
 وہ حرافہ نو جان عاشق کوڑیوں کے مول لیتی محکم امتحان میں ہر ایک
 بہ نظر سنجیدگی تول لیتی، گانٹھ گمہ کا اس کی زلف رسا کھول لیتی ایک طرف گندھن
 رشک چین، گل پیرہن جو کوئی صندل مول لینے جاتا، اس کو دیکھ کر زردادن و
 درد سر خریدن کا نقشہ نظر آتا ایک جوہری بچی کان جو اہر دکان کو بنائے بیٹھی
 تھی بالا اس کے کان کا ہالہ مہر و ماہ سے بالا، عاشقوں کو بتاتی وہ ٹالا بالا
 شہزادہ آگے بڑھا تو قسم قسم کی دکانیں، نظر آئیں۔ کہیں میوہ فروش، کہیں
 ترہ فروش اپنی خوبی حسن کی سرسبزی دکھاتیں، سکر نیس انگیا میں کولے چھپاتیں، عاشق تن،
 دولت عشق سے نہال، شجر محبت سے باغ دل ہرے، ثمر الفت سے مالا مال، رنگترے رس بھر،
 عاشق چاشنی ان کی چکھنے کو کھڑے کسی مقام پر بھٹیاریوں کی طرف آباداری
 حسن نمکین ان کا دل میں شور محبت ڈالتا تھا کہیں کلال کی دکان تھی
 کلوارن نشہ حسن سے مخمور بیٹھی تھی، پیانہ، چشم سے شراب غمزہ ناز دیتی تھی۔ بارہ کشوں
 کا اس جا جاؤ، ہر ایک کی زبان پر لاؤ لاؤ
 شہزادہ قریب دارالامارت شاہی سیرکناں پہنچا۔ یہاں طرفہ ماجرا دیکھا،

کہ قہر شاہی سے بہت دور تک ہزار ہا مال غنچہ دہن ٹوکریاں پھولوں سے بھرے بیٹھی ہیں۔ ہرے ہرے پتوں کی چنگیریں بنا رہی ہیں، چھڑیوں میں گہنا گوندھ کر لگا رہی ہیں۔ (مالین اسے بتاتی ہیں کہ اس شہر کی ملکہ ہواداد جادو کو ایک پھول کی تلاش ہے۔ چنانچہ مالین دور دور سے پھول لاتی ہیں، اور شہزادی سب خریدے جاتی ہے۔ یہ سن کر شہزادہ بھی اپنا پھول لے کر کھڑا ہو جاتا ہے)

سہانا وقت ہوتے ہی اس بازار میں سفیناں بھی نوجوان، حسینہ و جمیلہ تھیں۔ دست نگاریں ان کے حنا آلود، جوڑے ان کے ترچھے بندھے، بادل نگار رنگیاں کندہ پر ڈالے۔ آڑے قسے گلے میں پڑے، سونے کے کانٹے لگے۔ وہ ان کا اتر کر چلنا، نقیوں میں انگیا کے واٹر گول گلاس کا عالم، لبوں پر مسی کی دھڑی، اس پر لالی جی، کالی گھٹا میں بجلی چمک رہی۔ کانوں میں بجلیوں کا ترپنا دل پر بجلی گرانا، دست رنگیں کا ہر چھپلا عاشقوں کو گل کھلواتا۔ پائے نازک میں کڑے پڑے نرم دل عشاق کو کڑا پن دکھاتے، پا مال ہونے کی ہوس بڑھاتے۔ ان رنگیں اداؤں نے تمام بازار میں چھڑ کاؤ کیا، اور سڑک کو ہم شکل آئینہ سکندر بنا دیا، کوچہ کوچہ گلاب کی بوڑے سے بسا دیا۔

بعد کچھ دیر کے اہتمام سواری کا ہوتا نظر آیا، آگے آگے ہانا رہن کو نظم پایا۔ پھر ترکنیں، حبشیں، قلماقنیاں، اردا بیگنیاں، داغستانیاں، بزرگ قس کا ندھوں پر رکھے گزریں۔ ان کے بعد کئی سوچوب دارنیاں عصا ہائے طلانی و قنری لے، وہ ببل کی طرح چمکتیں، آوازیں طر قوا کی دیتیں، ”ہٹو بچو“ کا شور بلند پڑھے عمرو دولت شہنشاہ ارجمند، پکارتیں، چاؤشوں کی طرح لٹکارتی نکلتیں۔ ایک ایک ان میں پری رخسار تھی، حسن کا جوش، جوانی کی بہار تھی۔ وہ ان کا اٹھلا کر پاؤں دھرنا، وہ سر پر تمغوں کا چمکنا، پمھلیوں کا ہلنا۔۔۔۔۔ ان کے گزر جانے کے بعد ہزار ہا کینزاں مہر دیدار لباس اور خوانی و زعفرانی زیب جسم کئے، زیور و جواہر آگئیں پہنے، مرکبہائے باد و قمار پر سوار پیدا ہوئیں، کلغیاں مرکبوں کی چوٹیوں پر لگیں، زین جواہر دوز، پاکھریں پر تکلف پٹھوں پر پڑیں، دہانے رشک ہلال چڑھے، کندہ کئے ہوئے۔۔۔۔۔ وہ نازنین شمشاد قماستان چھٹیر چھاڑ آپس میں کرتی جاتی۔

کوئی اپنے عاشق کو کڑا پن دکھاتی، کوئی آنکھ سے آنکھ لڑاتی، کوئی شرمناک جاتی، تن کر جو بن کا عالم دکھاتی.... آئینہ رویوں کا برا بر صفت باندھ کر چلنا، نواب ناظر اور خواجہ سرا، غلمان پیکر سرگرم اہتمام، ہٹو بچو کا غل، نہایت دھوم دھام، کہاریوں کی صورتیں پیاری، مچھلیاں سروں پر لگیں، لہنگے پاؤں میں بھاری۔ ہر ایک اپنے جو بن میں اترا تھی، ہنستی کھلکھلاتی تھی....

ایک سراپا ناز، عربہ ساز ہوا دار پر سوار، گرد اس کے پیروں کی تھلا ظاہر ہوئی، شہزادے نے ایسی صورت کبھی نہ دیکھی تھی.... اس نازک بدن نے بازار میں پھر کر جتنے گل فروش بیٹھے تھے، سب کے پھول مول لئے، اور پھرتی ہوئی قریب شہزادہ آئی۔ طرفہ ماجرہ دیکھا کہ ایک گل باغ نوجوانی، شہزاد حسن میں لاثانی.... ایک پھول ہاتھ پر رکھے کھڑا ہے۔ غور سے جو دیکھا وہی پھول پایا کہ جو اپنی زندگی کے باغ کا ہے۔ پھول تو باعث حیات ہے، مگر پھول والا سبب ممات ہے۔ دیکھتے ہی ہوائے عشق نے گہائے ہوس ریاض دل میں کھلائے.... اپنی کنیزوں سے کہا کہ ”جس پھول کی تمنا تھی وہ آج نظر آیا۔ گل مراد پوتا امید میں باغبان قدرت نے شکستہ فرمایا، تم جلد یہاں سے جاؤ۔ اس جوان بے معنا کو جو پھول لئے کھڑا ہے، میرے پاس بلا لاؤ۔“

یہ حکم سن کر محکم جادو نام ایک انیس مع چند کنیزان بآئین سلیس روانہ ہوئی، اور بعد انداز شہزادے کے پاس آکر گل فشان کی کہ ”اے میاں مسافر، جلوہ بازی ملک نے تمہیں بلایا ہے....“

شہزادے کا بھی اس آئینہ رو کو دیکھ کر سکتے کا عالم تھا۔ ان کنیزوں کے کلام کا اس حیران نے مطلق جواب نہ دیا۔ پھر تو وہ تہقہہ مار کر سنسین اور گویا ہوئی کہ ”خدا خواستہ، کیا حضور کے دشمن ہرے ہیں؟ ارے صاحب، ہم غریبوں کی نظر نظر مرحمت فرمائیے۔ ملک صاحبہ نے بلایا ہے، تشریف لے چلے۔“

شہزادے نے اب بھی لبوں سے سخن کو آستانہ کیا۔ ایک کنیز نے ان میں سے کہا: ”اے بوا، اس مردوے کو بڑا غرور ہے، اپنے ٹھسے میں کسی سے آنکھ نہیں ملاتا ہے۔“

دوسری نے کہا: بہن، نہیں، ایسا تو نہ کہو۔ یہ تو ہنستی پیشانی نظر آتا ہے

چہرہ اس کا روتوں کو ہنساتا ہے۔“

تیسری بولی کہ ”مجھے اپنے دیدوں کی قسم، اتنا اغماض بھی پھوٹے دیدوں نہیں بھاتا۔“ چوتھی نے شہزادے کا بازو پکڑ کر ہلایا اور کہا: ”اے میرے اللہ! آپ کو مارے غرور کے بات کرنا بھی دشوار ہے۔ ذرا تو منہ سے بولے، سر سے کھیلے۔ کیا ہم سب کو آپ نے کوڑا سمجھ لیا ہے یا دیوانہ بنایا ہے؟“

شہزادے نے یہ تقریر سن کر جواب دیا کہ ”ہماری چشم نناک ہے، دل دشت منزل صد چاک ہے۔ جامہ ہستی اندام شوق پر تنگ، جینسے ہم کو تنگ، دل پھوڑے کی طرح ٹپکتا ہے۔ کچھ خون بدن کا خشک ٹاپے کچھ آنکھوں سے پگھلتا ہے۔ زبان ناطقہ لال تھیر کیا بتائیں کیا حال

وہ بد خو اور مبیری داستان عشق طولانی

عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

یہ جملہ سن کر وہ گل اندام پھر کھل کھلا کر ہنسیں، اور آپس میں کہا ”اے بوا، میرا مردہ دیکھے، کچھ بھی تیری سمجھ میں اس مردے کا کہنا آیا؟“

اس نے جواب دیا کہ ”بہن، میں تو خاک نہیں بھی نہیں سمجھی۔“ یہ کہہ کر تیسری کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا: ”اے بہینا، سچ کہنا، کچھ تیری سمجھ میں آیا کہ اس نے کیا کہا؟“

اس نے جواب دیا کہ ”اپنی جان جوانی کی قسم، جو ذرا کبھی میرے خیال میں ان کی بات آئی ہو۔ اب اس سے دوبارہ میں پھر پوچھتی ہوں یہ کیا کہو گے بڑھی، اور شہزادے سے گویا ہوئی کہ ”حنور کو ملک صاحبہ بلاتی ہیں۔ وہاں قدم رنجہ فرمانے کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟“

شہزادے نے بجواب اس کے کلام کے یہ اشعار پڑھے کہ:

”ہوئے ہیں چھاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی

نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھیرا جائے ہے مجھ سے

سنہیلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے

کہ لو امان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے، ادھر یہ ناتوانی ہے

نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

ان نازنیوں نے کہا: ”اے بہن، واسطہ سامری کا، جلد یہاں سے چلو، نہیں تو دق کا عارضہ ہو جائے گا۔ دم گھبرا کر لب پر آگیا۔ میں تو سڑن ہو جاؤں گی۔ اس الجھن کی کب تاب لاؤں گی؟“

انہیں میں سے ایک بولی کہ ”نوج بیوی، ایسا کون مستحق مردو امیں نے نہیں دیکھا اور نہ یہ تین سیپاروں کا سبق آتو نے مجھ کو پڑھایا۔ پناہ! اے نہ صاحب، بھلا ان سے کون مغز بھونکائے گا؟ ہاں ہاں، چلو۔ ملکہ صاحب جانیں اور ان کا کام جانے“ یہ کہہ کر سب وہاں سے پھریں، آن واداد کھاتیں۔ ملکہ پاس جا کر عرض پڑا زہوئیں کہ ”واری! وہ مردو تو نہیں معلوم کیا پڑھتا ہے۔ جمشید قسم، کچھ ہم گھوڑیوں کو سمجھائی نہیں دیا، اور نہ کچھ اس نے ہماری بات کا جواب ادا کیا۔ کچھ عشق عشق کے گیا“

ملکہ یہ سن کر سمجھی کہ یہ شخص کسی پر فریفتہ ہے، جیسی اس طرح حیران کھڑا ہے۔ تو خود چل کر اس مرغین عشق کی عبادت کر۔ یہ سوچ کر ہوادار کو بڑھا کر قریب تر شہزادہ شوریدہ سر کے آئی اور اتر کر زمین پر کھڑی ہوئی۔ شہزادے نے دیکھا کہ سایہ مردان بھی اس پر بار ہے ناز کی سے کھڑا ہونا دشوار ہے۔ شہزادہ ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہوا، اور اس نازک نے پانچے سنبھال کر کلائی پر ڈالے، کینزوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت آہستہ سے لبوں کو جنبش دی۔ اور ہوا اے کلام نے گلہائے بیان کی خوشبو شام شہزادہ میں پہنچائی، یعنی وہ پری سخن زبان پر لائی کہ:

دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر، ہم کو

نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

”اے گلچیں باغ محبت، اپنا نام بتا، یہاں آنے کا کام بتا“

شہزادے نے گلفشانی اس گل رو کی دیکھ کر فرمایا کہ

جلاتے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا

کر دیتے ہو جواب را کہ جستجو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی

تو کس امید پہ کہنے کہ آرزو کیا ہے

(یہ سن کر ملکہ سمجھ جاتی ہے کہ یہ مجھ پر عاشق ہے، اور شہزادے کو اپنے محل میں لے جاتی ہے۔ شہزادہ اس پر ایسا لٹو ہے کہ پھول اسے دینے کو فوراً راضی ہو جاتا ہے)

ملکہ بھی اس پر فریفتہ ہو چکی تھی، ان باتوں سے اور زیادہ آتش محبت شعلہ ہوئی۔ پھول تو ہاتھ پر سے شہزادے کے اٹھا لیا، اور کہا: ”اس بنگلے میں جو نہر کے کنارے بنا ہے، تشریف لے چلے۔ میں بھی آتی ہوں“

شہزادہ اس کے کہنے سے اٹھ کر بنگلے کی جانب چلا، کنیزیں چند ہمراہ ہوئیں۔ حال اس کی دایہ محو جادو نے جو دیکھا پکاری کہ ”ارے، کنواری، تو گور سے درگور ہو، تیرا ستیاناس جائے، اب تو مسلمان ہو کر اس مرد دے کے پہلو میں بیٹھ گئی؟“ ملکہ نے کہا: ”دایہ اماں، میں نے محبت جتا کر پھول اپنا اس سے لے لیا“ دایہ نے کہا: ”او چھو کری، تیری تو وہ مثل ہوئی کہ جن جائے انہیں لجاے، کیوں مجھ کو دم دیتی ہے؟ میں ننھی بھولی نہیں۔ ساٹھ برس کی جڑوا۔ تو میرے آگے کی چھو کری، کیا میں تیرے فقرے جانتی نہیں؟“

ملکہ نے یہ کلام سن کر دایہ کو گھڑکا کہ ”جا، دور ہو، مردار! جو میرے جی میں آئے گا کروں گی“

یہ سنتے ہی دایہ سر پیٹنے لگی کہ ”ارے، تیرا ستیاناس جائے تو نے مجھ کو مردار کہا! اری میں نے بتیس دھار کا تجھ کو دودھ پلایا۔ کیلے میں آپ سوئی، سوکھے میں تجھ کو سلایا۔ اور تو نے اوجھتیی، مجھے مردار بنایا! تجھے کیا کہہ کے نہ کہوں؟ رہ تو جا تیری ایسی کی تیری“

یہ کہہ کر دو ہتھ اٹھا کر جانب ملکہ چلی۔ ملکہ نے دونوں ہاتھ پکڑ کر دھکیل دیا۔ پھر تو اور بھی قیامت ہوئی۔ دائی تو پیٹنے لگی، اور کنیزیں جو دایہ سے جلتی تھیں، آپس سناتے لگیں۔

ایک بولی: ”انا جی، تصور معاف، جوان لڑکی کے منہ ہر وقت تم چڑھی

جاتی ہو۔“

دوسری بولی : ”ہاں، سچ تو ہے، ہر وقت کی نصیحت بھی نہیں اچھی ہوتی۔
ملکہ ہی کا، میں سچ کہوں، جگر اسے جو ہوں سے توں نہیں کرتیں۔ بھلا اور کوئی کا ہے
کو یہ بولیاں اٹھاتا؟“

تیسری بولی : ”ملکہ ایسی نیک کوکھ کی لڑکی ہے۔ سامری اس کی ماں کی کوکھ
ٹھنڈی رکھے۔ مگر صاحب، پھر کہاں تک؟ آدمی ہے، بندہ بشر ہے، پھلی کے
بھی پتا ہوتا ہے، کب تک چپ رہے؟“

چوتھی نے کہا : ”صاحبو، مثل چلی آتی ہے کہ رکھ پت رکھا پت۔ انا جی
نے وہ زور باندھا ہے کہ شہزادی کا نام میں دم کر دیا ہے اور نہیں معلوم یہ دوتر
کا ہے پر ہے، جمشید ان کا دوتر ڈھائیں! یہ محل سے نکلیں تو روز کی دانتا کل کل
جائے۔“

پانچویں گویا ہوئی کہ ”شہزادی کا روز کی تانس میں خون خشک ہو گیا، آدمی
نہیں رہی۔ وہ ایسی بے زبان ہے کہ دودھ پیتے بچے کی بھی زبان ہے، اور اس کے
زبان نہیں۔ پھر لوگو، یہ ہیں کون جو ہر دم حلق کی دربان، جان پر تعین، مالک مختار
بن بیٹھیں؟ دودھ کیا پلا یا کہ مول لے لیا!“

چھٹی بڑ بڑانے لگی کہ ”اونی فوج، درگور، چھائیں پھوئیں۔ اس انا کے
براہر بھی کوئی جھاڑ کا نشانہ ہو! یہ تو بلا ہے۔ موئی بڑھیا، ہمو، ڈاسن! جس کے
پٹ پڑتی ہے۔ پیچھا چھڑانا اس کو مشکل ہوتا ہے۔“

دایہ نے یہ باتیں سن کر کہا : ”ارے ستیا ناس، کیوں، موئی باندیو! تم کیوں
میری جان کھانے لگیں؟“

بوندٹیوں نے کہا : ”انا جی، ہم کہے دیتے ہیں، تم ہمارے منہ نہ لگنا۔ یہ
ملکہ صاحب ہی ایسی گیگی ہیں جو تمہاری اٹھائی ہیں۔ ہم ایسی چرخاؤں کو ٹھیک
بنادیتے ہیں۔“

دایہ ان باتوں سے کانپتی ہوئی اٹھی کہ ”لو، موئی باندیوں کو بھی دن لگے۔
خدا کی شان! رہ تو جاؤ، مارے جوتیوں کے چندیا گنجی کر دوں گی۔“

کنیزیں دایہ کے اٹھتے ہی اس پر جا پڑیں، کسی نے بال نوچے، کسی نے منہ پکڑ کر مل دیا۔ کوئی سر پر جوتی مارنے لگی۔ کوئی کپڑے پھاڑنے لگی۔ غرض خوب مار پیٹ ہوئی۔ دائی نے بھی مارا، اور بس چلا تو کاٹ کاٹ کھایا۔ آخر روتی پٹتی دائی تو باغ سے نکل گئی، اور ملکہ ہنستی ہوئی بنگلے میں آئی۔ شہزاد کے پہلو میں بیٹھی، لیکن تکیہ بیچ میں رکھ لیا، اور کہا: ”اے میاں، جاؤ، ہوا کھاؤ۔ پھول مجھ کو چاہئے تھا وہ میں نے لے لیا۔ اب تم کون، میں کون؟“

شہزادے نے کہا: ”میں تم کو غنچہ دل دے چکا ہوں۔ اے پیاری، اب اس پھول کا کیا ذکر ہے؟ اب تو بموجب

غنچہ، ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
 بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں“

ملکہ کھکھلا کر ہنسی، اور شہزادے نے دست آرزو بڑھا کر گود میں کھینچ کر بٹھا لیا۔ پھر تو عجب سماں بندھا۔ ملکہ نے اطاعت اسلام قبول کی۔ دو درجام مئے رنگین چلنے لگا۔ گائیں خوش گلوز ہرہ جبیں تانے لگانے لگیں

بعد تناول طعام تخلیہ ہوا۔ اب آپس میں چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ اختلاط کا بازار گرم ہوا۔ شہزادے نے کبھی اس راحت جان کو دل کی طرح پہلو میں بٹھایا، کبھی نوچومی، کبھی گد گدایا، کبھی زانو مسک کر دل شاد کیا، خانہ شرم و حیا برباد کیا، ملکہ کبھی سہمی، کبھی جھجکی، کبھی ڈر جانے کے حیلے سے لپٹ گئی، سینے سے سینہ ملا دیا، کبھی تیوری چڑھا کر عاشق کو رلا دیا، کبھی مسکرا کر منہ سے منہ ملا دیا، مہمان ہو کر عاشق کو ہنسا دیا۔

(جلد سوم)

ہتے پہ ٹوک دیا

(۱۱)

جو نازنیناں..... دربار گاہ پر کھڑی تھیں، ان میں سے ایک کو احتیاج

کی حاجت ہوئی۔ اس نے اپنی ساتھ والیوں سے کہا کہ ”بھینا، مجھ کو جائے ضرور
کی جانے کی حاجت ہے، کوئی چلتا ہے میرے ساتھ؟“

سب نے کہا: ”تجھ کو ہر بار ایسی ہی جگہ پر احتیاج ہوتی ہے۔ بھلا یہ
کون موقع ہے؟ شہنشاہ آنے والے ہیں۔ نہ بی بی، ہم میں سے کوئی نہ جائے گا۔
یہ کیا تو نے عادت سیکھی ہے کہ ایک تو آپ جاتی ہے اور دوسرے اور کو لے
جاتی ہے!“

ایک عورت نے ان میں سے کہا کہ ”یہ رنڈی اپنے پیلے چمڑے پر اتراتی ہے۔
جانتی ہے مجھ سے بڑھ کر کوئی خوبصورت نہیں!“

اس نازنین نے کہ... جس کو احتیاج تھی، ان باتوں کا جواب دیا کہ
”اوئی اتنا میرا پوچھنا کہ ساتھ چلتی ہو غصہ ہو گیا۔ ہزاروں باتیں کہنے مجھے
پکڑائیں۔ اگر تم میرے ساتھ نہ جاؤ گی تو مجھ کو کوئی کھانا جائے گا۔“
یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی، اور شکر سے نکل کر ایک گوشے میں بہر رفع احتیاج
بیٹھی۔ (جلد سوم)

(۲)

ایک عیار صنعت جادو کو قتل کرنے کی فکر میں کنیز کی شکل بنا کر آیا ہے،
وہ کنیزیں عہدے ہاتھوں میں لئے کھڑی تھیں۔ کسی کے پاس پنکھیا تھی،
کوئی چنگیر پھولوں کا لئے تھی۔ چنانچہ وہ کنیز جس کے پاس گلابوں کا خاصہ ان تھا،
اس کو ضرورت پیشاب کی ہوئی۔ اور وہ بانداز و ناز پائے کلائی پر ڈالے برائے
رفع احتیاج چلی۔ جب عیار مذکور کے پاس سے نکلی، اس نے کہا: ”دوئی رنڈی،
تجھ کو سوائے اترانے کے اور کچھ نہ آیا! اب ملکتی ہوئی نہیں معلوم کہ ہر جاتی ہے۔ کچھ
بھی تجھ کو مالک کا خیال ہے؟“

اس کنیز نے اس کو اپنے ساتھ کی سمجھ کے ہنس کر کہا کہ ”اے بی بی، اتراتی تم ہو
کہ ہر بات میں میں میخ نکالتی ہو۔ کوئی پیشاب کو نہ جائے، پھر کیا تیرے حلق میں
موتے؟“

اس نے کہا: ”جروا، تو بولا کیوں گئی؟ میں نے تیرے نفع کی بات کہی کہ تو

جاتی ہے اور خاصداں بھی لئے جاتی ہے۔ اگر ملکہ عالم گلوری مانگیں تو کون دے گا؟
 پس نیکی برباد، گناہ لازم، تو مجھی کو قائل کرنے لگی! اچھا تو جان اور تیرا کام جانے“
 اس کنیز نے یہ تقریر سن کر کہا کہ ”بیوی، ہنسی میں کھسیانی کیوں ہو گئیں؟“
 خاصداں لئے رہو۔ اتنا کام میرا کرو کہ حضور کو گلوری کھلا دینا، اور جو پان کی قسم
 سے اور مسالے کی ضرورت ہو، سامنے چھنجی میں مقابلہ حسن داں وغیرہ موجود ہے،
 جب ملکہ نے گلوری کھا کے عیار کی سورت دیکھی تو کہا: ”گلوری والی کہاں
 گئی؟“ اس نے آنکھیں میچ کر کٹھن کر کہا: بیوی مرے بیٹھے میں کیا کہوں کہاں گئی؟ جس بات سے بشر چارہیں وہاں
 گئی ہیں۔
 (جلد سوم)

آڑی ترچھی

ملکہ حیرت کی کھلائیاں ریحانہ اور نگار مسلمانوں سے لڑائی میں اس کی مدد
 کرنے آتی ہیں،
 ریحانہ اور نگار بارگاہ حیرت میں آئیں ملکہ نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے
 دعا دی کہ ”بچی، مانگ کو کھ سے ٹھنڈی رہو۔ بوڑھ سہاگن ہو، وارث جے“
 سہاگ بنا رہے۔ تیری ایڑی دیکھ کے میاں تیرا کسی کام نہ دیکھے۔“
 (اس کے بعد وہ) ملکہ سے رخصت ہو اپنی بارگاہ میں آئیں۔ نگار ریحانہ سے
 بہت چھوٹی ہے، اور یہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ ریحانہ چھوٹی بہن کو بجائے دختر کے
 سمجھتی ہے اور جب سے شوہر اس کا مر گیا ہے، یہ بہت دل جوئی اس کی کرتی ہے.....
 اس وقت جو بارگاہ میں دونوں آئیں، نگار نے کہا: ”باجی اماں، میرا تو
 دم گھبراتا ہے، میں تو سیر کو جاتی ہوں۔“
 ریحانہ نے کہا: ”بیٹیا، یہ مقام پر آشوب ہے۔ دشمن سے مقابلہ پڑا ہے
 صدقے، یہ بھی کیا تم نے اپنا گھر بنایا کہ جہاں پایا وہاں ماری ماری پھریں؟ اب
 یہاں تو بیٹھو۔“

اس نے کہا : ” ابھی تو لڑائی موقوف ہے۔ میں خالی بیٹھ کر کیا کروں ؟ نا صاحب، میرا دم اکتا کر نکل جائے گا۔ اور دشمن سے مقابلہ ہے تو کیا، میں اس کے لشکر میں تھوڑے جاؤں گی۔ جنگل میں پھر چل کر دو گھڑی دل بہلاؤں گی۔ پھر چلی آؤں گی۔“

ریحانہ یہ گفتگو سن کر سمجھی جائے گی یہ ضرور، کیونکہ اس کی عادت ہے کہ ایک جگہ تلوار نہیں لگاتی ہے۔۔۔۔۔ یہ سوچ کر اس سے کہا کہ ” بیٹا ہوائی دیدہ تو ہمیشہ سے تم ہو۔ اچھا، اس شرط سے جانے دیتی ہوں کہ لب دریا فرش بچھاؤ، جلسہ جاؤ، ہر سمت دوڑتی نہ پھرو۔ میری جان، میں تمہارے ہی بچے کو کہتی ہوں۔ یہاں گورکھ عیار غضب کے ہیں۔ ان سے مجھ کو خون ہے۔“

بہن نے اس کی کہا : ” اچھا، باجی اماں، کیا مضائقہ، کہیں نہ جاؤں گی، ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر دل بہلاؤں گی۔“

(نگار دریا کے کنارے جاتی ہے، اور وہاں ناتج گانا ہونے لگتا ہے۔ ادھر برق عیار اسے قتل کرنے کی فکر کرتا ہے)

برق نے۔۔۔۔۔ اپنی صورت ایک زن حسینہ کی ایسی بنائی۔۔۔۔۔ بھرے پر فرش عمدہ بچھا کر شست ہاتھ میں لے کر سوار ہوا۔۔۔۔۔ اور مورچکھی رواں ہوئی۔ اس چاندنی رات میں ماہی کا شکار یہ ماہ تاہاں حسن کھیلتی روانہ تھی۔ مورچکھی ہوا کی طرح سن سن چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اسی مقام پر پہنچی کہ جہاں نگار لب ساحل جلسہ جائے بیٹھی تھی۔۔۔۔۔ از بسکہ یہ ساحرہ حسن دوست بہت ہے، تاب نہ لاسکی کھڑی ہو گئی اور آگے بڑھ کر پکاری کہ ” بہن، ذرا ٹھیرو۔“

اس ہم خوبی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کا اشتیاق اور زیادہ ہوا، پھر پکار کر کہا : ” اللہ رے غرور آپ کا اور ٹھٹھا۔ ہم پکارتے ہیں اور آپ جواب نہیں دیتیں ! آگے صاحب ذرا ٹھیریے، اپنے حسن پر مغرور نہ ہو جائے، اے بوا، ہم کوئی رذیل نہیں ہیں۔ اپنی جگہ کی شہزادی ہیں۔ قربان آپ کی بے اعتنائی کے ! ہم جانتے ہیں کہ بچرا بھی آپ کا ہے، مانگے کا نہیں ہے۔ آپ شہزادی ہیں۔ لیکن آنا غرور سامری کو پسند نہیں کہ منہ ہی سے نہیں بولتے۔ یہ خلائ انسانیت ہے، ذرا ٹھیر جاؤ، کیا

”حرج ہوگا؟“

اس قلم جال نے اس کے بکنے پر کبھی کچھ جواب نہ دیا، جب تو اس کو غصہ آیا۔ اور گھٹنوں بھر پانی میں اتر گئی، اور ماتھے پر ہاتھ برسہم سلام رکھا۔

اس بحر حسن نے جواب سلام دے کر کہا کہ ”بہن مجھ کو معاف کرنا، میں ایک کار ضروری کو جاتی ہوں۔ ورنہ تم سے ضرور ملاقات کرتی۔“

یہ کلام جو اس نے سنے اور زیادہ جسارت تکلم ہوئی۔ بولی کہ ”رنڈی“ اتنی باتیں نہ بناتی تو کیا ہوتا؟ کیا تمہارے دشمن کسی کے نوکر ہیں جو میاں خفا ہوں گے؟ دیر کیا ہوتی ہے؟ ایسی باتیں میں بہت جانتی ہوں۔ تم مجھ کو کیا چٹکیوں میں اڑاؤ گی؟ تم ایسی دس کو راہ دکھاؤں۔ بوسا صاحب، ہمارا تو اس پیار سے بلانا، اور آپ کا یہ اترنا، جروا، تو ناک چوٹی میں گرفتار کیوں ہے؟ اتنا بھی روکھا آدمی مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ذرا یہاں آجا، چاندنی کا جلسہ دیکھ اور دو ایک جام شرب کے ہم تم سا تھ پییں گے، ذرا ہنسیں گے، بولیں گے، اور ہمارا کیا کام ہے تجھ سے؟“

عیار نے یہ گفتگو سن کر تیوری چڑھا کر کہا: ”اے بی، ہوش میں آؤ۔ جو اس پکڑو، عقل کے ناخن تو۔ بھلا مجھ سے تم سے کہاں کی جان پہچان ہے جو اتنا جلد پھسل پڑیں، میرے پیچھے بھوت ہو گئیں، بلا کی طرح چٹ گئیں! واہ واہ، چوچلے کی خوبی! بزرگی خودی سب اس دریا میں ڈوبی، نگوڑی میں کیا جانوں کہ تم کون ہو۔ تمہیں میرے روکنے سے کیا مطلب؟ میں اپنی راہ جاتی ہوں، تمہیں کیا معلوم کوئی کس کام کو جاتا ہے کس کام کو نہیں۔ تم سے کوئی کیا بتائے تم تو لپٹ پڑیں کہ یہاں آؤ۔ یہاں آؤ۔ اے بی، ذرا تمیز سیکھو۔ بوڑھی جروا، بد تمیزی یہ کچھ!“

نگار نے کہا: ”ماشاء اللہ! کیا فرزند بان چلتی ہے! جھاڑ کا کاٹا ہو گئیں۔ ہماری تو یہ محبت اور عاجزی، اور آپ کی یہ بے پردائی! آپ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ آپ کو خود تمیز نہیں ہے۔ آدمی سے آدمی ملتا ہی ہے۔ میں نے پکارا تو کیا تباہت ہو گئی؟ اے بی آدمی کو آدمیت لازم ہے۔ تم کو اتنی نوازش

نہ اُنی کہ میں پانی میں تمہارے لئے اتر آئی اور تم نہ ٹھہری۔ ہاں ہاں، سچ ہے، تمہارا کوئی منتظر ہوگا۔ اس کا پاس کرونگی یا میرا؟ سامری کی قسم، میں نے ایسی اول جلول اور جلد باز رنڈی نہیں دیکھی۔ خیر، اچھا ہے۔ اپنے منتظر کی جہاں اتنی دیر ہوئی شاق رہاں لمحہ بھر اور سہی۔ تم کو اپنے چاہنے والے کی قسم، تمہیں اپنے دیدوں کی قسم، ذرا ٹھیرتی جاؤ بھتی آگے جائے تو دیدے ہی پھڑٹیں۔“

اس گوہر محیط خوبی نے جواب دیا کہ ”اے واہ، تم تو خوب فیصل لائیں! اے بی، میرا منتظر نگوڑا کون ہوگا؟ یہ تمہیں ایسی آدماتی ہو کہ جنگل میں منگل کر رہی ہو۔ یہ کہو کس کے انتظار میں یہاں آکر بیٹھی ہو؟ مجھ کو بھی وہی راہ سکھایا جاتا ہے؟ یہ میری جان بخیریت ہے۔ بندی ایسے بھرے میں نہیں آنے کی، یہاں جمشید کی قسم، میرا کلیجہ دھاک دھاک کر رہا ہے۔ کبھی اتنی دور ایلی کا ہے کو آتی۔ آج شامت جو آئی، ادھر نکل آئی۔ میں کم بخت کیا جانوں اندھیرے اجائے نکلنا، میرا دیدہ ایسا موٹا کا ہے کہ وہ کہہ کر غیر جگہ اتر پڑوں۔ اس وقت دل کا حال سامری جانتے ہیں۔ بوٹی بوٹی میری کانپ رہی ہے۔ جب گھر پہنچوں تو زندگی دوبارہ ہو۔“

اس نے کہا: ”اے بی، یہ باتیں نہ بناؤ۔ یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ ہم بھی لازم شہنشاہ کے، تم بھی ان کی رعیت، کسی آدمی کی ایسی طاقت نہیں جو ہم سے اٹکھ ٹائے۔ تم خوف نہ کھاؤ، اتر آؤ۔ ہماری جان کی قسم، زیادہ نہ ٹھیرنا۔ مجھے بھر میں چلی جانا، میں کوئی پاجی نہیں ہوں، کوہ ریجانہ ونگارستان کی شہزادی ہوں۔“

اس نے جواب دیا کہ ”تم سچ کہتی ہو، لیکن بڑے بھیا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ اگر سن لیں گے تو مار ڈالیں گے۔“

نگار نے کہا: ”آؤ بھتی، چلی بھی آؤ۔“

عیار کو تو اتنا منظور تھا ہی، بعد تکرار بسیار مور نکچی سے اترا۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر مسند پر بے جا کر بٹھایا۔ ساتی نے جام دیا۔ اس نازنین نے شراب کر جام ہاتھ سے رکھ دیا، اور نیچی نگاہ کر کے بیٹھی۔

نگار اس کا حسن و جمال دیکھ کر فریفتہ ہو رہی تھی۔ اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر گویا ہوئی کہ ”اے بہن! تمہیں شرم بہت آتی ہے! تم میدان میں نہ بیٹھو، میری

باہی اماں پاس رہی جانہ کے پاس چلو۔“

اس عیار شوخ طوار نے جھجک کر کہا: ”اے بی، کیوں مجھ کو دیوانہ بناتی ہو۔
نا صاحب، وہاں مردانہ ہوگا۔ کیا تم میری آبرو کے پیچھے پڑی ہو؟ سامری کی قسم،
اباجان تو خیر بڑے بھیا اگر یہاں کا ٹھیکر ناسن پائیں تو میرے دھڑے اڑا دیں۔ نہیں
معلوم میرا کیا حال کریں۔“

نگار نے یہ تقریر سنی، اور چپ ہو رہی۔ لیکن اس کو تاب کہاں۔ پھر بولی کہ
”اے بہن، تم بہت آدمیوں میں شرماتی ہو تو چلو، وہ جو سانسے سبزہ زار ہے، ہم تم
چل کر بیٹھیں۔“

یہ عیار اس کلام پر چپ رہا، اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی مگر مستفسر ہوئی کہ تم
کو کچھ گانا بھی آتا ہے؟“
اس نے کہا: ”گانا تو مناسب کو آتا ہے بس۔“
یہ سن کر خواصوں سے کہا کہ ”ستار اور بایاں لے کر چند آدمی میرے ساتھ
آؤ۔“

کنیزیں یہ حکم عمل میں لائیں۔ اور یہ کچھ دور جلسے کے مقام سے اکرب سال
بیٹھی، اور کشتی شراب طلب کی اور اس نازنین سے کہا کہ ”میں بایاں بجاتی ہوں۔ تم
ستار چھیڑو۔ گانے میں تم کو شرم آئے گی۔ یہ تو ہاتھ کا کام ہے۔“
اس نے اس کے اصرار سے ستار کی طرح درست کر کے اس طرح بجا یا کہ درو
دشت کو مست بنایا.....

نگار بخوبی تعریف کرنے لگی کہ ”اور!“
(برق نے اپنے پاس سے شراب نکال کر سب کو پلائی۔ جب سب میہوش
ہو گئے تو نگار کو قتل کر دیا)۔

ادھر ریحانہ کو بھی خیال آیا کہ بہن میری دیر سے گنتی ہے۔ میں بھی جا کر دیکھوں۔
پس اڑ کر چلی..... یہ زمین پر جو اتری، بہن کا اپنی سر جدا پایا۔ پس اپنا گریبان
پھاڑا، اور نعرہ آہ مار کر بچھاڑ کھائی۔ پھر لاشہ ہمیشہ سے لپٹ کر بہن کرنے لگی کہ
”اے میری ناشاد و نامراد بہن، ہائے! میں کہتی تھی کہ تو میر کو آگ لگا۔ میرا کہنا

نہ مانا۔ اے بیٹا مجھے اکیدا کر گئیں۔ اے بیٹا، اپنی چندری پر یہ آفت تم نے کی۔ میری مکتور گئیں۔
 ابھی تم نے دنیا کا کیا دیکھا تھا ہائے۔ مجھ دکھیا کو موت نہ آئی اے بیٹا، اپنی نہ کچھ کہی نہ میسری
 سنی، مجھ سے ایسی بیزار ہوئیں کہ اب منہ سے نہیں بولتیں۔ افسوس اب کسی بات سے
 تمہیں مطلب نہیں۔ اے بیٹا، سیر کرنے کو جاؤ۔ اے فرزند، اب پھر مجھ سے ضد
 کر کے بٹھلاؤ، میری گود میں چل جاؤ، پھر چپکے چپکے مجھ کو کوسو، پھر دھک کر مجھ
 سے الگ جا کر بیٹھو۔ مائے اب تم کچھ نہ کر دو گی، تمہارا یہ حال ہے۔“

(جلد سوم)

ساجھے کی ہانڈی

نور پیر بن جادو شاہ افراسیاب کے نام خط لے جا رہی ہے۔ برق اور
 ضرغام دو عیاران کی فکر میں ہیں)

صحرا میں ٹھہر کر صورت اپنی ساحرہ کی ایسی دونوں نے بنائی۔ مگر خوبصورت
 جادو گر نیاں بنے۔ مانگ میں سیندر بھرا، بندی ماتھے پر لگائی، سرخ چندریاں
 اوڑھیں، لہنگے قیمت کے پہنے، سر سے پاؤں تک چاندی کا زیور پہنا، پات بالیاں
 کانوں میں، گلے میں جگنو، تورا طوق، ہاتھوں میں کڑے، بازو پر جوشن، پاؤں میں
 کڑے جھانچ وغیرہ پہن کر ایک سانوے، رنگ کی عورت بنا اور ایک گورے
 رنگ کی۔ ایک کا حسن زیادہ اور ایک کا کم، مگر دونوں کا حسن نمک پاش.....

اس صورت نہریا پر راستہ ہو کر باہم کچھ مصلحت کر کے ٹھہرے تھے کہ
 ساحرہ اڑتی ہوئی سامنے سے پیدا ہوئی۔ اس کو آتے دیکھ کر دونوں نے ایک
 دوسرے کو گالیاں دینی شروع کیں۔ وہ جو کم سن تھی، اس کو سن دار نے دڑ کر
 پکڑا، اور اس نے بھی اس کے بال پکڑے۔ دونوں ”مال زاری“ بیسوا، چھناں
 کہہ کر غل کر تیں۔

ایک کہتی اری قحبہ بارہ تو جا، میں تیرا کورے استرے سے سر مونڈوں گی۔
تو نے اچھے گھر بباہ دیا، موئی تھتکاری،

وہ دوسری کہتی، ”موئی بازارن، تو جب دھکڑے کرتی ہے، تو نہیں کہتی۔
اور میری پا پوش تیرے خصم سے بات کرتی ہے۔ میرے لاکھوں خریدار ہیں۔
ایسا ہی مجھ کو کرنا ہو تو ایک صبح کروں، ایک شام کروں۔ اور میری کیا شامت
ہے جو تیرے خاوند پر گردوں گی! یہ تو ہی ایسی ہے کہ میرے دیور کے نیچے پھیل
گئی، کچھ تیرے میاں میں نعل لگے ہیں جو میں اپنی آبرودوں گی۔“

اس نے کہا: ”اری چھتسی۔ کرتی ہے! میں نے تجھ کو اور اس کو ابھی
ایک جگہ پکڑا ہے۔ یہ تو کہو وہ بچا بھاگ گئے، نہیں تو اس وقت دکھا دیتی،
موے کو داماد تیرا بنا دیتی۔“

اس نے پھر جواب دیا کہ ”اری دیدا پیٹی، تو کیا مجھ کو ایک جگہ پکڑے گی!
نہیں ابھی اس سے کچھ واسطہ تھا تو اب سہی، اے دیکھوں تو میرا کیا
کرتی ہے۔“

یہ کہہ کر جھونٹے باہم پکڑ کر گھونسوں اور طمانچوں سے رطنا شروع کیا، اور
ایسا غل مچایا کہ نور پیرہن قریب پہنچ چکی تھی۔ ٹھیکر ان کی رطائی دیکھنے لگی۔ انھوں نے
اس کو دیکھ کر لپکا کر کہا: ”حضور، ہمارا انصاف کر دیجئے۔“ وہ ان کی رطائی دیکھ
کر ہنس رہی تھی، زمین پر اتر آئی، اور کہنے لگی: ”ارے، تم دونوں کیوں رطائی
ہو؟ آپس میں کیوں بھڑتی ہو؟“

ایک نے کہا، ”سنئے، حضور، میں ان کے میاں کو بلانے نہیں جاتی۔ ان
کے گھر میں قدم نہیں رکھتی۔ پھر یہ مجھ کو دکھ کیوں دیتی ہیں؟ وہی مثل ہے کہ اپنے
دام کھوٹے تو پر کھیا کو کیا دوش۔“

دوسری نے کہا: ”یہ اس نے سچ کہا۔ لیکن میں آپ سے کہتی ہوں کہ
جب مجھ سے اس سے ہنپا پا ہوا، اور اس کو میں نے اپنے گھر بلایا، جب تو
میرے آدمی نے اسے دیکھا۔ اس کو یہ لازم تھا کہ میرا ہی گھر اجاڑے؟ یہ
کتوں کے پاس جاتی۔ مگر اس سے بات نہ کرتی۔“

اس نے کہا: ”کتوں پاس تو آپ جاتی! تیرے ہوتے سوتے جاتے، لو، مولیٰ بات کرتی ہے کہ گالی دیتی ہے۔“

اب پھر رڑائی شروع ہوئی۔ نور نے کہا: ”سنو، بات سیدھی طرح کر۔ رڑو نہیں اور مجھ کو تم دونوں کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر اس گوری عورت سے کہا کہ ”تم اپنے میاں کو ان سے لگاتی ہو، کہ آشنائی ہے، سنو، میری بنو، اس تھپڑی سے فائدہ کیا؟ پھر میری جان، جو میاں تمہارے گھر سمجھیں گے تو جو تم ہو گی وہ کوئی نہ ہو گا۔ یہ بھی چار دن کا ہے۔ چپ رہو۔ دیکھو تو اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔“

اس نے کہا: ”نا صاحب، میں کبھی سویتا آم نہیں لیتی، سا جھے کام نہیں کرتی۔ میرے پڑوس میں دو جو رو کا خاوند اگر آکر رہے تو میں وہ گھر چھوڑ دوں۔ بھلا مجھ کو اتنی تاب کہاں کہ یہ نا جو میرے ہوتے اس سے ایسے بلسیں، میں آگ لگا دوں گی ان کے منہ کو!“

اس دوسری نے کہا: ”آگ لگے تیرے منہ کو، جھلسا پڑے تیرے گھر میں! مولیٰ کے تن میں کپڑے پڑیں۔ جمشید کرے کوڑھ ٹپکے، جیسا مجھ کو اس نے بدنام کیا ہے، سب خلق میں رسوا کیا ہے، جھنڈے پر چڑھا یا ہے۔ سب برادری بھر میں میری ناک کٹ گئی۔ وہی جو کہ کہنے نہیں، کھالی پھوٹی یا نہ پھوٹی، جھنکار تو ہوئی۔ سب خلق کہتی ہو گی کہ اب مداری چورہری کی بہو ایسی ہو گئی، ایک یار صبح بلاتی ہے ایک شام کو۔“

اس نے جواب دیا کہ ”افاہ، بڑی تو نیک بخت ہے! تیرا آنچل کسی نے نہیں دیکھا! یہ سلاری کے بیٹے سے ختم کے جیتے جی میں پکڑی گئی تھی! بدھو میرے ہی لئے تو ددنے مٹھائیوں کے لانا تھا! ایک دن میرے ہی خاوند نے تو آموں کی بغیا میں جنیا سے مجھ کو پکڑا تھا! آج میں برادری میں بدنام ہو گئی! وہ مثل کہتے ہیں کہ کوری پیٹھ پچھنے لگے۔“

اس نے کہا: ”اری پیٹھ! تو کیا میرے ثابت کرے گی، میں پچاس دھکڑے تو خود تیرے ثابت کر دوں گی۔ یہ بہشتی کے نوٹے سے کون

پھنسا تھا؟ اور وہ چکروے والا میرے یہاں آتا تھا؟“
اس نے جواب دیا کہ ”میں تو ہوں ہی خراب۔ لیکن تو میرے آدمی سے بات نہ
کیا کر۔“

اس نے کہا: ”اب تو میں بدنام ہوئی، وہ میاں جاتے کہاں ہیں، میرا من منائیں گے۔
یہ کہہ کر ملک نور کا دامن پکڑا کہ ”میرا فیصلہ اس مرد سے کر دیجئے۔“
ادھر اس دوسری نے کہا: ”اچھا یا تو یہی رہیں یا میں رہوں۔ مجھ کو اس
مرد سے نارغ خطی دلوا دیجئے۔“

نور نے کہا: ”بی بی، یہ کئی دن کا جھگڑا ہے، مجھ سے نہ فیصلہ ہو سکے گا۔
میں اپنے مالک کے کام کو جاتی ہوں۔ اور کام بھی وہ کام ہے کہ ذرا دیر ہو جائیگی
تو نہیں معلوم کیا آفت آئے گی۔ مرد عیار ایک ہی آنت کے ہیں وہ میری
مالکہ کو کچھ ستائیں اور ضرور ہی ستائیں گے کہ ان کم بختوں کے دل سے لگی ہوگی۔
سارا شکر ان کا قید ہے۔“

یہ جو ان مصنوعی عورتوں نے سنا، کہا: ”آپ کو جلدی ایسی ہے کہ گھر
بھی اپنے نہیں لے جا سکتیں؟“

ایک عورت نے کہا: ”بھاڑ میں جاے رٹائی، چولہے میں جاے قصہ۔
یہ تو آپ بتائیے کہ حضور آتی کہاں سے ہیں؟ آپ نے شکر کا نام لیا، جب
مجھ کو خیال آیا۔ شکر ملک حیرت میں فیروز جادو میرے باپ کو کرہیں۔ جن کے بھروسے
پر میں میاں سے نارغ خطی مانگتی ہوں۔ آپ کو کچھ میرے باپ کا بھی حال معلوم
ہے؟“

(اس بہانے عیار سارے راز معلوم کر لیتے ہیں، اور نور جادو کو پکڑ بھی
لیتے ہیں)

(جلد سوم)

دھینگا مشتی

بادشاہ افراسیاب کا ایلچی طمطراق طاق جادو شکر میں آ کے ٹھہرا ہے۔

ہرق عیار اسے قتل کرنے کی فکر میں ہے،

مر شام عیار مذکور نے ایک مقام تنہا میں ٹھہر کر صورت اپنی مثل ایک عورت
کسی کے بنائی..... سینہ انمول، چھاتیاں اس کی گول سڈول، باغ خوبی کے دو
رنگترے رس بھرے، بازو کو ترقا کس بھرے..... اس صورت زیبا سے
درست ہو کر جانب لشکر اٹھی چلا۔

قریب لشکر جب پہنچا، دیکھا کہ کیدان رسالہ اور افسران لشکر خمیوں کے دروازوں
پر کر سیاں مونڈھے بچھائے بیٹھے ہیں۔ کسی طرف گھوڑوں کی لین تھی، کہیں سپاہ مشغول
آرام دہین تھی۔ بازار لشکر میں کھلا تھا، کٹورا کھنکاتا تھا۔ سپاہیوں کے بستر لگے تھے،
کڑھاؤ چڑھے تھے۔ ہر سمت گہا گہم، مردان لشکر خوش فہم۔ ان شکریوں نے جو دیکھا
کہ ایک معشوق گل بدن و گل پوش، خندان لب شیریں مگر خاموش، بصد آن و
اداء کھلاتی اس طرف آتی ہے..... یہ دیکھتے ہی ہر ایک لشکری مفتون و فریفتہ
ہوا۔ مفلس کا تو کمر بند ڈھیلہ ہوا، وہ گردن جھکا کر رہ گیا، مال داروں نے سر ہلکایا۔
نوجوان حسن، جوانی اور دولت شباب سے مغرور، تن کر اپنی انگ دکھانے لگے۔
زوردار تمکنت کا ڈھنگ دکھانے لگے۔ کوئی اس کی زلف پر خرم کی تعریف کرتا، اور
کوئی رخسار انور کا دم بھرتا۔ کوئی شعر عاشقانہ پڑھتا.....

یہ اشعار اس عیار دلدار نے سنے اور زیادہ کمر کو بل دیا کو بہوں کا عالم دکھایا
کبھی مسکرائی، کہیں تیوری چڑھائی، دوپٹے کو کاندھے پر سے ڈھلکایا۔ سینہ کھل گیا
انگیا میں پستانیں برچھی کی انی بن کر جوانوں کے سینے میں پار ہوئیں۔

ایک خدمت گار سے ایک کیدان نے اشارہ کیا کہ ”لا اس نازنین کو میری
خدمت کے لئے۔“

خدمت گار اٹھ کر ساتھ ہوا، اور ایک مقام تنہا پا کر اس غنچہ دہن کو روکا اور
کہا: ”آپ طوائف ہیں تو، بیوی، اپنا معمول بتائیے۔ آپ کے سبب سے دو پیسے
ہیں بھی مل جائیں۔“

اس فتنہ گرنے ہنس کر کہا کہ ”کس طرف سے تو پوچھنے آیا ہے؟“
اس نے کہا: ”بیوی، ہمارے کیدان صاحب پان سو روپے کے ملازم

میں۔ ان سے تم سے رسم ہو جائے گی۔ تو آج پر کیا ہے، بہت کچھ فائدہ ہمیشہ ہوا کرے گا۔“

اس پرنے نے کہا: ”میں پانچ اشرفی شب بھر کی لیتی ہوں۔“
خدمت گار یہ سن کر کیدان پاس گیا، اور اشرفیاں اس سنگر کے پاس لایا۔
اشرفیاں دے کر اپنے حق کا طالب ہوا۔

رنڈی نے کہا: ”تو مجھ کو میاں کے پاس بے چل، بہت کچھ دلا دوں گی۔“
خدمت گار اس کو ہمراہ لے کر پشت خیمہ کیدان مذکور کی طرف آیا، سرانچہ اٹھا کر اندر خیمے کے اس کو پہنچایا، اور آپ اگر میاں کو اشارہ کیا کہ ”جائے، میں لے آیا، اندر خیمے کے وہ موجود ہے۔“

کیدان برخاست کر کے اٹھ اور اندر خیمے کے آئے۔ یہاں فرش مکلف پچھا تھا، پلنگ ایک طرف آراستہ تھا، نیچے پلنگ کے مسند بھی تھی، چنگیر پھوٹوں کی دھری، کشتی شراب تاب کی آراستہ تھی۔ کیدان نے آتے ہی اس کو آغوش محبت میں کھینچا۔ یہ تڑپ کر علیحدہ ہوئی اور کہا ”صاحب، نیچے بیٹھو۔ مجھ کو یہ دھما چو کرٹی میں سچ کہوں، پھوٹے دیدوں نہیں بھاتی۔ کیا نگوڑا اس نوچا کھوچی ہی میں اضلاع رہ گیا ہے؟“

کیدان نے کہا: ”اے آرام جاں،
ہے شوق، گھرے ہوئے ہیں بادل ہے دل کا ابھی یہ جوش اول“
اس عیار کو تو یہ منظور ہے کہ کسی طرح میں طاق اپچی کے پاس پہنچوں اور اس کو قتل کروں۔ جب کیدان کو جوش مستی میں پایا، ہاتھ پائی کرنے لگا، کبھی گود میں اُبیٹھا، کبھی مثل سیاب پہلو سے بے تاب ہو کر نکلا، جیسے عاشق کا دل پر اضطراب بے قرار ہو، یوں پہلو سے یار میں تھا۔ کبھی سسکی بھرتا، کبھی غمزہ چشم و ابرو سے سہل کرتا، کبھی ماتھا کوٹتا اور کہتا:

”آیا ہے کہاں سے مرد بے تنگ
میں سخت ہوں اس کے ہاتھ سے تنگ“

اسی ہاتھ پائی، دھینگا مشتی میں اس نے ایک جام شراب کا پیا اور چاہا کہ

اب اس شوخ و خنپل کو اپنے ڈھنگ پر لاؤں۔ اس عیار نے اس کے تیور پہچان کر اور اس کی آغوش سے نکل کر درخیمہ پر اپنے تئیں پہنچایا، اور کہا: دھائی بے طاق جادو کی، اس موئے کیدان نے میری آبرو بھی لی اور میرا سا راگہنا اتار لیا۔ ہائے، میرے چھڑے بڑے کڑے پن سے اتارے، چوہے دتیاں بھی موس لیں، بالیاں ٹالا بالا بتا تھیں نہس کیں۔ کیا اس کم بخت کے یہاں روپے کا توڑا تھا، جو میرا توڑا لیا؟ سر کا چھپکا لے کر محتاج کر دیا، ارے، دو ڈرو، میری فریاد کو پہنچو۔

اب تو شکر کے لوگ دوڑے۔ کیدان صاحب حیران، سب مستی غائب کر مفت میں بدنام بھی ہوئے کہ بڑے یہ بد معاش عیاش ہیں، اور چور بھی بنے، لعنت بہ کار شیطان، جو آتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ اس عورت کے بال کھلے ہیں، بوسوں کے نشان رخسار پر ہیں۔ پانچے چڑھے ہیں۔ رانیں پیٹ کر اس نے لال کی ہیں، کیدان چپا سکتے کے عالم میں کھڑے ہیں، شگی بانہہ رہے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر بازاری آدمیوں کی زبان کون روک سکتا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ ”بھئی، غریبوں کا کیا ذکر، امیروں کا یہ حال ہے۔“

کوئی کہتا: ”جی امیروں کی تو بن پڑی ہے۔ وہ جانتے ہیں، میں کوئی کچھ نہ کہے گا، اگر کیسے گا بھی تو کوئی یقین نہ کرے گا۔“

کوئی بولا: ”ارے بھائی، نام بڑا درشن تھوڑے۔ مشہور تو کیدان صاحب اور حرکتیں یہ نامعقول!“

کوئی پکارا: کیوں، تم اس تراق کے پائے کیوں کر پڑیں؟، تمہارا گہنا قیمتی ہوگا؟ ”زندگی بولی کہ“ اسے میاں، فقط ہیرے کے کڑے ہزاروں کے تھے۔“

ایک بازاری نے سن کر یہ جواب دیا کہ ”بھائی، تھ ہے ایسی عیاشی پر!“ دوسرے نے کہا: ”یہ کیدان آخر کیوں کر بنے؟ یوں ہی مال مار مار کر آخر موٹے ہو گئے!“

کیدان کے ملازموں کو یہ آوازے جو برے معلوم دیئے، سب کو مارنے دوڑے، کہ بد معاشو، تم کو کس نے انصاف چکانے بلایا ہے؟ وہ سب

پہلے تو متفرق ہو گئے مگر یہ کہتے ہوئے، ”یہی تو ترکیب رکھی ہے کہ جو کوئی بوے گا تو اس کو ڈانٹ لیں گے۔“ صاحب، پر ایسا مال چھین لیں گے کہ بوہ نہیں!“

یہ کہتے ہوئے اُگے بڑھے اور ہجوم کیا، پھر خدمت گاروں نے کمیدان کے للکارا: ”چلو میاں، کیا بھیڑ لگا رکھی ہے!“

اس رنڈی نے دو ایک کا دامن پکڑا: ”ارے میاں تمہارے صدقے گئی میرا

اسباب دلا دو۔“ اب تو ان کو زیادہ بولنے کا موقع ہاتھ آیا، رنڈی کے وارث بن گئے، ”بوے:“ ہم تو دم بھر میں انسان کی آبرو بگاڑ ڈالتے ہیں۔ اس میں اپنا سگا باپ کیوں نہ ہو۔ یہ تو کمیدان ہی ہیں۔ کیا دل لگی ہے، رنڈی کا مال ہضم کر لیا؟ اے آئیے، اسی میں خیر ہے کہ چپکے سے دلواریجئے۔ نہیں ساری کمیدانی معلوم کر دوں گا۔“

کمیدان کو غصہ ان باتوں سے آیا اور کہا: ”جا، ورنہ مار ڈالوں گا۔“ لازم تلواریں لے کر بڑھے۔ بانکے لوگ، رنڈی کے حمایتی یہ کہتے ہوئے پیچھے ہٹے کہ ”اری، اُدیکھ، ہم بھی ان کا زبردستی پتا دکھائے دیتے ہیں۔ دیکھو ساری ہیکڑی نکلی جاتی ہے۔“

یہ کہہ کر رنڈی کا ہاتھ پکڑے سیدھے بارگاہ طاق کی طرف چلے۔ اب پھر ان پر لوگوں نے آوازے کنا شروع کر دیئے۔

کسی نے کہا کہ ”لٹنی کے وارث ہیں!“

کوئی بولا: ”بھائی، خوب کمیدان پاس بھیجی۔“

کسی نے کہا: ”ارے میاں، یہ پیشہ کب سے تم نے سیکھا؟ اور اگر پیشہ بھی اختیار کیا تو ایسے کنگلوں، مال مردم حوروں سے بچتے رہے ہوتے۔“

ان باتوں کا یہ جواب دیتے کہ ”یہ ہم پیشہ نہ کرتے تو مارے فاقوں کے

تم مرنے جاتے؟ پھر تمہاری بہنیں ردی کیوں نہ کھاتیں؟“

غرض کہ خوب پھکڑ ہوتا، غول کے غول ساتھ، شور قہقہوں کا بند، قسریب

بارگاہ ایچی پہنچے۔ اس نے جو یہ ہنگامہ اور غوغا اندر بارگاہ کے سنا، گھبرا گیا۔

ان سب نے سلام کر کے حال عرض کیا۔ اس نے جملہ ماجرا سن کر رنڈی سے کہا:

” رات کو میری بارگاہ میں چل کر رہ، صبح کو کیدان سے گھنا بھی ولادوں گا، اور
 میں بھی بہت کچھ سرفرازوں کا۔“

رنڈی رانٹی ہوئی، ”واندہ بارگاہ کے گئی۔ ہانکے نوگ منہ دیکھ کر رہ گئے۔
 یادوں نے پھر کہا: ”اب میاں، اپنا حق تو مانگ لو۔“

اب ہوا: ”کتنی پہنچائی خوب!“

دوسرے نے کہا: ”ابقی ذات خیریت سے گزرے تو صبح خیر صلاح پوچھنے
 آئیں گے۔ اسی وقت انجام بھی پائیں گے۔“

غرضکہ مجمع ہنستا بولتا تو ایک طرف رواں ہوا، اور طاق پھر بارگاہ میں
 آیا رنڈی ایک کونے میں گوشہ فرش پر بیٹھی تھی۔ اس نے اس کو صورت دار اور
 صاحب وضع دیکھ کر کمال پسند کیا۔ اور خادم خدمت گار وغیرہ کو اشارے سے کہا،
 تم باہر ہو جاؤ۔

وہ سب چلے گئے۔ تنہائی جب ہوئی، یہ اس غارت گرجاں کے پاس
 آیا۔ اس نے بھی انگریزی سے کراچی گات دکھائی، چھاتیوں نے سرکشی بتائی۔ یہ
 رڈ کرپٹ گیا، اس نے بھی سینے سے سینہ ملا دیا۔ گود میں اس کو اٹھا کر مسند پر
 لایا۔ اس نے ہلدی سے چھوٹے کپڑے ڈھانکے اور جوڑا بال کا سمیٹ کر باندھا۔
 منہ بنا کر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو دابا، اور کہا: ”نگوڑے کے ہاتھ
 نہیں، جیسا میرا گناہ موئے نے اتار دیا، یا ساری، ستیا ناس کم نجت کا ہو۔ جشید،
 چھی طرح سے میرا بال نہ کھا سکے۔ سنا، میاں؟ میں نے بھی موئے کی خوب بوٹیاں
 نوچیں۔ ایسا کاٹا ہے کہ مونڈی کا پنڈا ہی جانتا ہوگا۔“

اپنی نے یہ کو سنا اور منہ دیکھ کر نقد ہوش کھویا، اور گلے سے
 رکا لیا، کہا: ”میں گناہ تجھ کو دیتا ہوں۔“

طاق تو صندوق سے زیور نکالنے لگا، عیار نے شراب میں بے ہوشی
 ملا دی۔ اتفاق سے طاق نے دیکھ لیا۔ عیار بھی بھانپ گیا، اور فوراً سراپچہ
 اٹھا کے بھاگ گیا۔

(جلد سوم)

نامردوں کی دوربلا

(۱)

ملکہ مہرخ نے اپنے لشکر کو جادوگروں پر حملے کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔

سب نے عرض کی: ”اے شہنشاہ گردن پناہ! وہ ڈریا جو پیدا کرنے والے سے منخرن ہیں۔ دونوں طرح ہماری آبرو سے، غازی رنیا و عقبہ میں دونوں جگہ سرخ رو ہے۔“

اپس میں عہد و پیمان واسق ہوا، ایک کے ہاتھ میں ایک نے ہاتھ دیا۔ نامرز بزدلوں کو بھاگنے کی فکر ہوئی۔ چپکے چپکے مال و اسباب سنبھالے گئے۔ افسروں سے چلے جانے کی باتیں۔ بھاگنے کی گھاتیں۔

کسی نے کہا: ”کیدان صاحب، گھر سے خط آیا ہے، بیٹی کے عقد کا زمانہ قریب ہے، یہ معاملہ عجیب ہے۔ نہ جائیں گے تو برادری والے صحن آریں گے کہ نکھٹو باپ نہیں آیا۔ بیٹی کو رخصت نہ کر گیا۔ میں، حضور، رات ہی کو جاؤں گا، صبح کو گجر دم چلا آؤں گا، آپ کو سوتے میں جگاؤں گا۔“

بعض نے کہا: ”رسالدار صاحب، گھوڑے کے پیٹ میں کرکری ہو گئی ہے۔ دوا پوچھنے سلوتری کے مکان پر جاؤں گا۔ گھوڑے کو بھی سے جانا ضرور ہے۔ میاں سلوتری کا مکان بہت دور ہے۔“

بعض نے چپکے چپکے تھپتھپا کر سنبھالے، کمر باندھی، گٹھری کپڑوں کی اٹھائی، سلام علیک کر کے چلے۔ افسر نے کہا: ”میاں سپاہی صاحب، کہاں؟“
دور جا کر جواب دیا۔ ”حضور، یہ اسباب گھر پر رکھ کر چلا آؤں گا۔ آخر وقت کا آکر پہرہ دوں گا۔“

بعضے دس بیس ایک مقام پر جمع ہوئے، حقہ بیچ میں رکھ لیا، دو گھنٹی ہونے لگی۔

ایک نے کہا۔ ”بھائی، تم نے سنا؟ خواجہ عمر و قتل ہو گئے۔“
ایک نے کہا: ”بھائی، آخر سرکشی کا یہی انجام ہے۔“
ایک نے کہا۔ ”میاں تم کو کیا کام ہے؟ ہم تم تو، بھائی، بڑھتی کے ساتھی ہیں۔ نام کٹواؤ، آج ہی نکل چلو۔ چاندنی رات ہے۔ صبح ہوتے ہوتے اپنے گاؤں میں پہنچ جائیں گے۔ ہم تم، بھائی، کسان ہیں۔ کھیتی کر کھائیں گے۔ ہم تم، بھائی، جلوسی لوگ ہیں۔ سینکڑوں جگہ نوکری کی۔ جب رانی کا موقع آیا، آبرو سے اپنے گھر چلے آئے۔ اسی دن کے نئے پانچ کے نوکر ہیں۔ ادھر ادھر سے لوٹ مار کے کھاتے ہیں، تنخواہ اپنی بجاتے ہیں۔ گھر چل کر چار پانچ بیگھے زمین کا پٹہ کریں گے۔ محنتی ہیں۔ ایک کوئی بیل کی خریدیں گے، وہ الگ کرے پر چلے گی۔ جنس کی رقم بچے گی۔ سوائے پر اسامیوں کو دیں گے۔ فصل پرین کا سوائس لے لیں گے۔“

یہ آپس میں باتیں کیں۔ دو دو کر کے نکل گئے۔

سو اگر جہاں دکانیں بند کر رہے ہیں۔ مال زکانوں سے نکال دیا۔ غلاموں کے ہاتھ طرف شہر ناپرساں کے (جادو گردن کا شہر) روانہ کیا۔ کان میں لگائے کے کہہ دیا: ”در شہر ناپرساں پر چل کے دکانیں لگاؤ۔ مسلمانوں کا اب ستارہ گردش میں ہے۔ یہاں مال رکھنا بہتر نہیں ہے۔ جاتے ہی دکان کا ٹکٹ لے لینا۔ ایک مہینہ کامل یہ میلہ رہے گا، مال خوب بکے گا۔“

جو مردان عالم کہ جاں نثار ہیں، نک حلال، صاحب جاہ و جلال، مالک کے خیر خواہ، رپا ہی زارے، بانگے ترچھے، رٹے بھڑے، ان کے الگ مجمعے ہیں۔ اسباب جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔

ایک کہتا ہے: ”بھائی..... جب مردان عالم کی تلوار کھنچی، ملازمان افراسیاب بوردے ہیں۔ ہمارے منہ پر کیا چڑھیں گے۔ دم بدم جوانوں کے قدم آگے ہی بڑھیں گے۔ ایک قدم آگے رکھا، آبرو پائی۔ ایک قدم پیچھے

ہٹا، ذلت اٹھائی، بزرگوں کے نام نہ مٹاتا، سینوں پر تلواریں کھانا، ڈٹ کے رٹنا۔
دشمنوں کو روکنا، مجمع کو روکنا..... اگر آگ کا دریا ہوگا، کو د پڑیں گے پس آگ برسا دیں گے
بھائیو، اپنے اپنے خیمے میں چل کر بیٹھو، سلاح جنگی درست کرو۔

داہنے ہاتھ سے کھانا حرام ہے، سپاہی کا نیک انجام ہے۔“

(جلد پنجم حصہ اول)

(۲)

(رٹائی سے ایک دن پہلے) جن کو جان کے خوف میں وہ بھاگنے کی تدبیر
کر رہے ہیں، دم نامردی کا بھر رہے ہیں۔ حیلے حوائے کی تلاش ہے۔ کیا کہہ کر
افسر سے فرصت لیں، اپنے گھروں کو پہنچیں۔

اگر اسی طرح جان دیتے، چالیس برس کا سن کیوں کر پہنچتا؟ سینکڑوں
رٹائیوں سے بھاگے، باعزت اپنے گھر چلے آئے، یہ بڑی بات ہے۔ لوگ
بھگوڑا کہیں گے، زخم داری کی زحمت سے تو بچیں گے۔ منہ پر ہمارے کوئی
کہہ نہیں سکتا، مرد سپاہی مشہور ہیں، ادھر کی تو ہم ایسے آتے ہیں، بڑے بڑے
گھبرا جاتے ہیں۔ آخر براتے ہوئے اٹھے، رسالدار کے پاس آئے، کہا:
”میاں افسر صاحب، ہماری جو رو علیل ہے۔ ہم کو فرصت دیجئے۔ ابھی گھر
جائیں گے، سڑک کے چلے آئیں گے۔“

افسر نے کہا: ”آج کی شب فرصت نہیں مل سکتی۔ صبح کو میدان کا رزار
میں لڑو، نام بزرگوں کا روشن کرو۔“

انھوں نے جواب دیا: ”حضور، میں اب آپ کے کہنے سے زیادہ ضد
ہوں۔ برگز نوکری نہ کریں گے۔ ابھی چلے جائیں گے۔“

یہ کہتے ہوئے بارگاہ سے نکل آئے۔ گھوڑا تیار کیا۔ پرتل کے ٹٹو پر
اسبابہ، لادا، ٹخ کر تے ہوئے چلے۔ راہ میں کوئی دوست ملا، پوچھا،
”بھائی جان، کہاں چلے؟“

جواب دیا: ”بھتی مرزا، تم نے سنا؟ آج بڑی خیر ہو گئی۔ رسالدار
صاحب بہت گھبرا گئے ہیں، نوٹ مار میں مال پا گئے ہیں۔ ہم سے کہتے ہیں،

رٹری لاؤ۔ بھلا ہم ایسی باتیں کب سننے والے ہیں۔ ابھی استعفا دیا۔ لیکن کل کی رٹائی ضرور رٹیں گے، اسباب گھر پہنچا کر چلے آئیں گے۔“
 یہ کہتے ہوئے گھوڑے کو بڑھا کر نکل گئے۔ صدا تو ایسے جیسے
 حوائے کر کے نکلے، بعض بیٹھے رونے لگے، غش کھا کے گرے۔ ساتھ دار
 دوڑے، کہتے ہوئے ”بھائی شیخ صاحب، کیا ہوا؟“ بڑی مشکل سے آنکھ
 کھولی، ہانپ رہے ہیں، کانپ رہے ہیں۔ بڑی مشکل میں جواب دیا: ”بھلا
 ڈولی منگوا کر ہم کو سوار کرا کے گھر پہنچا دو۔ درد گردہ اٹھا ہے۔ اسی عارضے
 میں دارا پر دارا مرے۔“

لوگوں نے گھبرا کر ڈولی میں سوار کیا۔ اشارے سے کہا: ”گھڑی بچی
 بھی رکھ دو۔ صبح کو زندہ رہے تو رٹائی کے وقت ضرور آئیں گے۔“
 ڈولی میں پردہ بندھوا لیا، لشکر سے نکل گئے۔ جب جنگل میں پہنچے،
 تلوار کھینچ کر نکل آئے۔ کہا روں سے کہا: ”ابے حرام زادو، تم نے ہمیں
 مردہ سمجھا؟ کہاں لاد کے لائے ہو؟ جو ان لوگ کہیں ڈولی میں سوار ہوتے۔
 ہیں؟ جاؤ، سامنے سے تل جاؤ، نہیں قرابین ماروں گا، دھواں تک پیٹ
 میں اتر جائے گا۔“

کہا رہیچارے رزاں ترساں بھاگے، مگر کوستے ہوئے ”یالات اعلیٰ
 یامناات معلیٰ، اس ظالم کو سزا ملے۔ وہاں سے سوار ہو کر آیا، دو کوس پر لاکے
 چھوڑا۔ ٹرکا کہاری کا نہ دیا۔ اس کو بھی سزا ملے۔“

رات کا وقت، بیچارے کہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے،
 اس خیال سے کہ رات کو بھٹک کر نہیں معلوم کہاں نکل جائیں گے۔ مگر وہ
 ظالم شیخ بڑاتا بڑاتا جاتا تھا، قریب ایک گاؤں کے پہنچا۔ دس پانچ پاسی
 کنارے گاؤں کے اکے دکے کی خیر منانے کو آ پہنچے تھے۔ انھوں نے
 آدمی کی آواز سنی، پکارے، ”کون آتا ہے؟“

اب شیخ جی گھبرائے۔ جواب دیا، ”ہم میں فتح دھڑیم خاں!“
 پاسیوں نے کہتے چڑھائے، تکیے جوڑے۔ کہا: ”میاں، ہتھیار کپڑے

رکھ دو۔“ جب تو شیخ جی ہاتھ جوڑنے لگے، کہا: ”بھائی، نو، رکھ یو۔
تم سے ہم کو کیا عذر ہے؟“ پاسیوں نے غرقِ بندھوادی۔ اب شیخ جی
سوچے، سوائے شکر کے اب کہاں جائیں، چلو پلٹ چلیں، روتے پٹتے ملے۔
کہاروں نے کہا: وہی مسخرائنگا پچلا آتا ہے۔ پکار کر پوچھا: ”میاں شیخ جی
کیا ہوا؟“

کہا: ”بھائی مہرا، میں غصہ آیا کہ جا کر حریف کو ماریں۔ اب اس وقت
ہم اپنے جاے سے باہر ہیں۔ چلو، تم بھی چلو۔ ہماری جرات دیکھو۔“
نامرد تو یوں جان بچاتے پھرتے ہیں۔ گردہ جو صاحبانِ جرات و
لیاقت ہیں، آمادہٴ مرگ و مہیا سے قضا ہیں۔ باپ بیٹے کو سمجھا رہا ہے:
”اے نور نظر، نمک سرکاری کھایا ہے۔ قدم پیچھے نہ ہٹانا۔ ڈٹ کر تلواریں
منہ پر کھانا.....“

(جلد پنجم حصہ اول)

کبوتری

(برق عیار نے) ایک نشئی نوجوان کی ایسی صورت بنائی۔ لہنگا نہایت
پر زور پہنا قیمتی، جس میں گوٹ کی جگہ پٹھاٹکا تھا، اور اس کے بوجھ سے کمر
فرط نازکی سے چکا کھاتی، چھڑیاں چٹکی کی ٹکی ہوئی... گرتی ناف تنک کی
استینوں دار، گلے میں دوپٹا ایسا رنگا ہوا کہ جس میں تصویریں سوراخ اور خچر
اونٹ کی بنی تھیں، سبز گوٹ لگی تھی، پکا ٹکا تھا، اڑا کر کے گات چھپائے
ایک آنچل کا ندھہ پر دوسرا لٹکتا ہوا سر پر، مانگ نکلی، اس میں سینہ در بھرا
ماٹھے پر بندی لگی، کانوں میں اوراج اٹے ہوئے، چاندی کے تھکے نو
میں پڑے ہوئے۔ ہاتھوں میں کڑے چاندی کے پڑے پاؤں میں گھنگرو

بندھے۔ بڑا سا قدرِ رفتار میں ظاہر قیامت بالوں کا جوڑا بندھا.....
 اس شکل و شمائل سے آراستہ ہو کر ناک میں بھاتی ڈال کر بصدِ ناز و ادا
 لشکرِ حیرت میں آیا، قریب بارگاہِ حیرت جو خاص بازار تھا، اس میں ہر دکان میں کڑا
 ہو کر گاتا اور کھڑا ناچتا۔ دو دو آنے اور چار چار آنے ہر دکان سے لیتا پھرتا
 بعض دکاندار شوقین گوٹے کی ٹوپی اس کو پہناتے اور کھڑا ناچتے۔ یہ کمر پہ
 ہاتھ رکھ کر لہنگا چٹکی میں پکڑ کر توڑا لیتا، اور چکر باندھ کر ناچتا اور گاتا
 ”کوئے رسیا نے مارے ہی بان مارے ہی بان، مورا نکسے پران“
 (جلد سوم)

پیٹا سے پیر نکالے

(ملکہ سمنکال کی بھانجی شبنم مسلمانوں سے مل گئی ہے۔ وہ ایک ساحرہ بھیج کے
 اسے پکڑوا لیتی ہے۔ شبنم نفس میں بند اس کے سامنے آتی ہے)
 سمنکال تید میں دیکھ کر سر پیٹنے لگی: ”ہے، ہے، بچی، اسی دن کے لئے
 پالا تھا کہ تجھ کو اس حال سے دیکھوں؟ مومے عمر دے کر کیا سحر کیا؟ ہماری محبت
 کو فراموش کر دیا۔ میں نے اپنی ساری جوانی تم پر گنوائی۔ پہلو میں تم کو لے کر سوتی
 تھی رات ساری جاگ کر بسر ہوتی تھی۔ اب نام خدا جوان ہوئیں، ہماری جان باری
 کو فراموش کیا.....“

شبنم نے... جواب دیا: ”خالد اماں، آپ ناحق جان دیئے دیتی ہیں۔ نہ
 مجھ پر کسی نے سحر کیا، نہ جادو کیا۔ میں نگوڑے عشقِ عاشقی کا نام نہیں جانتی۔
 مذہب مسلمانوں کا پسند آیا۔ افراسیاب کے نام سے نفرت ہوئی۔ بی حیرت
 سرد بار بار ذلیل کیا... چاہو قتل کرو، چاہو بخشو۔ میں مسلمانوں کا ساتھ نہ

چھوڑوں گی۔“

یہ سن کر سنکال بہت جھنجلائی۔ سینکڑوں کنیزیں گرد جمع ہو گئیں۔ چاؤں چاؤں کر رہی ہیں۔ کوئی کہتی ہے: ”بی بی، خالہ اماں کو یوں جواب دیتی ہو! دو ہی دن میں دیدہ پھٹ گیا!“

ایک کہتی ہے: یہ تو عاشق مزاج نہ تھی، اب تو آثار حضرت عشق کے چہرے پر پائے جاتے ہیں۔۔۔“

ایک نے کہا: ”حرامزادی، چپ رہ۔ اپنی خالہ کی لاڈلی ہیں۔ لاڈلی بیٹیاں دیواریں پھاندتی ہیں۔ ہم جو کبھی سمجھاتے ہیں تو بی سنکال خفا ہوتی ہے کہ میری بچی پر طعن و تشنیع نہ کرو، میری بچی گھٹ گھٹ کے دہلی ہو جائے گی۔“

(اتنے میں شبہ کی منہ بولی بہن آہو چشم آئی ہے)

سنکال گلے سے لگا کر رونے لگی۔ کہا: ”بیٹا آہو چشم، تمہاری بہن وحشی ہو گئی، چوڑی بھولی۔ ہم کو آنکھیں دکھائی ہے۔ ساتھ والیوں سے شرماتی ہے۔“

آہو چشم نے کہا: ”خالہ اماں، میں تو اسی واسطے دوڑی آئی، ہے ہے، میری بوا کیا ہوا؟ ارے میری بھولی بہن کو کس نے بھڑکایا؟ ستیا ناس گئی، مسلمانوں میں کس واسطے گئی؟ وہ تو سب بھوت پریت ہیں، آنکھوں میں نگوڑوں کے مونہی ہے۔۔۔ مگر خالہ اماں، خفا نہ ہو تو میں کچھ عرض کروں۔ چھوٹی ہوں، بڑی بات کہوں گی۔ انصاف کے مقام پر خاموش نہ رہوں گی۔ خطا معاف، آپ کی چاؤں چاؤں، آٹھ پہر کی کاؤں کاؤں نے یہ آفت برپا کی۔ آپ کی صحبت سے بے زار ہو کر باغ میں رہیں۔ نوجوان مستانیاں نوکر رکھی گئیں۔ جب کبھی میں نے جا کر دیکھا، جھڑاسا سر کھلا ہوا ہے۔ دونوں وقت ملنے کو ہیں۔ مونی دوڑی دوڑی پھر رہی ہیں۔ وہ نگوڑیاں پچھل پائیاں ساتھ ہیں۔ آنکھ مچولا، جادو چھپولا ہو رہا ہے۔ میں ہمیشہ کھٹکتی تھی کہ دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔“

(اس دوران میں صرصر عیارہ بھی آجاتی ہے۔ سنکال اس سے بھی مشورہ

لیتی ہے)

صرصر بول اٹھی: ”بی سنکال، کیوں گھبراتی ہو؟ ... بوڑھا چونڈا ہلاتی ہو،
 ناحق کی باتیں بناتی ہو۔ صاحبزادی نے کسی کا گھر ٹوٹا یا؟ کسی کی دیوار پھانسی۔
 کسی سے نین مٹکا کر لیا؟ بی حیرت نے کلمات سخت کہے، صاحب شوکت۔
 صاحب یاقوت، بگڑ گئیں۔۔۔ کوئی صاحبان یاقوت کو جوتیاں مار کر نہیں سمجھاتا ہے۔
 بی سنکال، خفا نہ ہونا، پانی کا ہر گام نہ پر آتا ہے۔“

(جلد پنجم حصہ اول)

یہ بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

کو توانی چہ ترے کے سپاہی.... نیلی بتی سر پر، دھو تر کا انگرکھا، گاڑھے
 کا گھٹنا، چادر گاڑھے کا کمر سے بندھا ہوا، سپر کہنہ پشت پر، تلوار پرانے چمڑے
 کی نیام کی، کو تھی گر گئی ہے، پیلا نکلا ہوا۔

(جلد پنجم حصہ اول)

یہ بھی ہوتی چلی ہے آوارہ

(ضرغام اور چالاک دو عیار کلوار اور کلوارنی کے بھیس میں عیاری کرنے
 نکلتے ہیں)

ضرغام نے ایک انگوچھا سر پر باندھا، مرزئی گلے میں پہنی، دھوتی باندھی

بوتل شراب کی کمر سے لگائی۔ اور چالاک نے پٹیاں سر پر نکالیں، مانگ میں سیندر
 بھرا، بندی ماسکھے پر لگائی، مسی ہونٹوں پر جمائی۔ گلوری پان کی منہ میں لے کر سرخ
 چندری اوڑھی لہنگا گنگام کا پہنا، سوئی لہنگے پر لگائی۔۔۔ اس صورت سے تیار ہو کر
 آگے آگے کلال اور پیچھے پیچھے کلوارنی، لوٹ۔ پچھوے پاؤں میں پہنے، چھم چھم
 کرتی چلی۔

راہ میں خرغام نے چالاک سے کہا: ”میں چل کر دوہائی دوں گا کہ یہ میری زوجہ
 ہے اور مجھ سے راضی نہیں ہوتی۔ اور تو کہنا میں ہرگز اس کی زوجہ نہیں، اور رونا، مجھ
 کو باتیں سنانا۔“

اسی طرح سے سمجھا کر دونوں شکر حیرت میں آئے اور رٹنے لگے، خرغام نے
 کہا: ”رہ تو جا، مال زادی! میں تجھے شہنشاہ کے سامنے لے جا کر ذلیل کروں گا
 یہ تو یاروں کے پیچھے دیوانی ہے، تجھے خطرے میں نہیں لاتی۔ آج تیری سب حقیقت
 کھل جائے گی۔“

کلوارنی نے کہا: ”دور بھڑوے، تو کیا میری حقیقت کھوئے گا؟ پہلے اپنی
 بہنیاں کی تو خبر لے کہ جو لونڈوں پر جان دیتی ہے، اور لونڈے اسے گھیرے گھیرے
 پھرتے ہیں۔ ابھی پرسوں کا ذکر ہے کہ سلاو مدارو کبڑے کا لڑکا تیرے سامنے اس کو
 درپنی دے گیا، اور وہ اس سے ہنساکی، موتے جھڑو، تو بیٹھا دیکھا کیا، اتنا بھی نہ
 کہا، یہ تو کیا کرتی ہے اور آگے کیا کہوں، جس کا باپ اس کا باپ، لیکن کورے
 بننے سے اور پار سائی بگھارنے سے جان جل گئی۔ اس سبب سے اتنا منہ سے
 بھی نکالا، نہیں مجھے کیا مطلب کہ میں کہوں مولا سار سے تین پیٹ رکھوائے
 اور گروائے۔“

کلوار نے کہا کہ ”تو ایسی کہاں کی ڈال کی ٹوٹی ہے؟ یہ کہو کہ میں طرح
 دے جاتا ہوں، نہیں تو ایک یار تیرا صبح کو پکڑوں، ایک شام کو۔ ابھی پندرہ روز
 ادھر کا ذکر ہے کہ جن کبڑے کا لونڈا جو آیا تو اسے کوٹھڑی میں لے گئی۔
 وہ تو کہوں میں آپڑا، دونوں کوٹھڑی سے گھبرا کر نکلے۔ خیر، اس سے کیا
 مطلب ہے تو میری جو رو ہے کہ نہیں؟ تجھے میری ماں بہن کے خراب

ہونے سے کیا مطلب؟ میں تجھ کو زبردستی اپنے قبضے میں لاؤں گا۔
 کلوارنی نے کہا: ”تیری کیا طاقت جو زیادتی کر سکے، میں حلال خور
 کے پاس جاؤں گی، تیرے پاس نہ رہوں گی۔ بھڑوسے، اپنے دل میں سمجھا
 کیا ہے؟“

کلوار نے دوڑ کے جھوٹے پکڑے۔ کلوارنی نے کہا: ”دھائی ہے
 شہنشاہ کی!“

غل جو پچا، افراسیاب نے بارگاہ میں سنا، اور حکم دیا کہ ”یہ کون روتا
 ہے؟ بلاؤ۔“ کچھ ملازم آئے اور دونوں کو سامنے لے گئے۔ دونوں نے
 سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا: کہ کیوں روتے ہو؟ یہ کیا ماجرا ہے؟
 کلوار نے کہا: ”یہ میری جو روس ہے، اور مجھ سے راضی نہیں ہوتی۔“
 بادشاہ نے کلوارنی سے پوچھا کہ ”کیوں نہیں راضی ہوتی؟“

اس نے کہا کہ ”اے بادشاہ، اگر آپ غلام کے حوالے کر دیں، مجھے منظور
 ہے، اور اس کا ساتھ نہیں منظور ہے۔ یہ مؤانہ مردی دیتا ہے نہ کپڑا دیتا ہے،
 اور مار مار کے میری ہڈیاں چور کر دیں۔ جو کتا ہے رند یوں میں اڑتا ہے۔“

کلوار نے کہا: ”یہ بالکل جھوٹ کہتی ہے۔ یہ خود یار باز ہے۔“

افراسیاب نے دونوں کا حال سن کر حکم دیا کہ ”اچھا، تم دو ایک مہینے
 ہماری سرکار میں رہو۔ جس کی برائی ثابت ہوگی، اس کو سزا دی جائے گی۔“
 کلوار نے کہا: ”میں اپنی دکان رکھا جاتا ہوں۔ میں یہاں حاضر نہیں
 رہ سکتا، مگر ہاں، اس عورت کم بخت کو حضور رکھیں۔ شاید آپ کے یہاں رہ کر
 درست ہو جائے۔“

بادشاہ نے حیرت سے کہا: ”تم اس عورت کو اپنے پاس رکھو۔“
 حیرت نے اس عورت سے اشارہ کیا کہ تو میرے پیچھے اکھڑی ہو۔ وہ
 پشت پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اور کلوار دعا دے باہر بارگاہ کے نکل آیا۔
 (اب چالاک کو اپنی عیاری کا موقع مل جاتا ہے)

(جلد چہارم)

مزید اریاں

چالاک (عیار)، اس بات پر آمادہ ہوا کہ کسی طرح اس بار کا کل (ساڑی) کو قتل کر کے بیضہ عقاب (جو جادو میں کام آتا تھا) لے لوں اس عیار نے صورت اپنی ایک زن حسینہ کی ایسی بنائی ... ایک تھالی برنجی ہاتھ میں لے کر اس تھالی میں کچھ پھول رکھ کر چھم چھم کرتی جانب خیمہ مار کا کل روانہ ہوئی۔ اور جب اس کے سامنے سے یہ ماہ پیکر نکلی، سلام تو اس کو کر لیا، باقی آگے قدم اٹھایا۔

اس نے کہا: ”اے بی، تم کہاں جاتی ہو اور کہاں سے آئی ہو؟ تم تو میں سچ کہوں، ہوا کے گھوڑے پہ سوار ہو۔ یہ میں جانتی ہوں کہ کپڑے اور گہنا پہنے ہو۔ پھر میں کچھ چھین تو لوں گی نہیں؟ اے ساری، اتنی خوشگالی بھی اچھی نہیں۔ ذرا ادھر آؤ، لحظہ بھر ٹھہر کر چلی جانا۔“

وہ نازک بدن یہ سن کر پھری، اور اس کے پاس آ کر تھالی کو تو رکھ دیا، اور اس کی بلائیں لیں، گرد پھرنے لگی۔ مار کا کل خواص بھی اتنی خوشامد کرنے سے پھول گئی، اور سمجھی کہ اب تیرا ستارہ بھی ترقی پر آیا۔ غرض کہ اس زن خوب روکا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا۔ کہا: ”بس بس، زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ مجھ نگوڑی کے گرد پھر کر کیوں مجھ کو گنہگار کرتی ہو؟ لو آؤ، بیٹھ کر کچھ اپنا حال بیان کرو۔“

یہ نازنین بھی ہٹ کر بیٹھ گئی اور کہا: ”اے ملکہ!“

مار کا کل نے کہا: ”بی، میں ملکہ ملکہ نہیں ہوں۔ میری شہزادی رہے ہزار برس، وہ البتہ ملکہ ہیں۔ میں تو ان کی نوٹھی ہوں۔“

اس نازنین نے کہا: ”ہماری تو آپ شہزادی ہیں۔ ہم کسی کو کیا جانیں۔“

اچھا، اسے بیوی، اب نگوڑی کا حال سنو، کہ میرا خاوند یہاں قریب ایک گاؤں ہے۔ وہاں رہتا ہے، مگر بی بی، ایسا ظلمی نگوڑا ہے اور بدگمان کہ میں کیا کہوں۔ ایک تو اس مرتے میں یہ عادت ہے کہ کسی وقت چھوڑتا نہیں۔ پس ہر وقت اس کو یہی شغل ہے کہ بغل میں اس کی پٹری رہوں۔ میں سچ کہوں، مجھ کو ایسا مردوا جسم چھڑ برا معلوم ہوتا ہے اور ذرا کسی سے جنس کر بات کرو تو چھٹا لگتا ہے۔ کہیں آنے جانے نہیں دیتا۔ آج بڑی مشکلوں سے پوچھا کرنے کے یہاں سے چند نالاب پر جاتی تھی۔ میرے جی میں آیا کہ ذرا جنگل کی بھی سیر کرتی چلوں۔ میرا اس مردوے سے ناک میں دم ہے مگر کیا کروں، گڑ بھرا ہنسیا ہے کہ نہ اگلے بنتا ہے نہ نکلتے۔ اب یہ ٹانگ کھولتی ہوں تو لاج ہے۔ وہ ٹانگ کھولتی ہوں تو لاج ہے۔ میں باپ کے کئے کو بھرتی ہوں، میں سچ کہوں، جیسا میں بیاہ کے آئی تھی اس کی اب ادھی نہیں رہی۔ روز کے جلاپے سے لہو پٹڑے کا سوکھ گیا۔

مار کا کل نے کہا: ”بی بی، شکر کرو، تمہارا تو بڑا سہاگ ہے۔ ایسا کسی کو نصیب کہاں ہوتا ہے۔ سامری کل جہان کی سہاگونوں اور بیٹیوں کو نصیب کرے۔“

اس نے کہا: ”بھاڑ میں جائے ایسا سہاگ، آگ لگے ایسے سہاگ کو۔ آپ بھی خوب ہیں! میں درگذری ایسے سہاگ سے، میں تو مرجاؤں گی! اسے بیوی، اب میں چاہتی ہوں کہ کسی طرح مکہ حیرت پاس پہنچوں اور افراسیاب کی لازمت کر کے نوکری کروں۔ وہ مواپڑا جھاک مارا کرے۔ جب اپنی نعل سی جان گھل گھل کے تمام ہو گئی تو سہاگ کو لے کے چائیں گے۔ بس اسکے یہاں تو ردی کھانا، کپڑا ہیں تو۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ باغ کی سیر ہو، گانا روز سنوں، شراب پیوں، چین کروں، دنیا کا سیر تماشا دیکھوں۔ میں نگوڑ ماری کیا جانوں یہ! گائے بھینس کی طرح کھنی بھوسی کھائی اور کھونٹے میں بندھی رہی۔ یا تو یہ ہے یا خصم کی بغل ہے، دوسری کوئی بات ہی نہیں۔“

مار کا کل ایک تہنہ مار کر ہنسی اور کہا: ”یہ کہو، بی بی، مزا تمہارے دل میں بھرا ہے۔ نام سامری سے جیڑا آپ کا مزیدار ہے۔ پھر بھلا یہ

بہو بیٹیوں کا طرز کہاں! اور کوئی مرد آدمی کا ہے کو جائز کرے گا؟

اس عورت نے کہا: ”سامری قسم، میرے دل میں کوئی برائی نہیں میں بھی اس کم بخت کو چاہتی ہوں۔ یہ نہیں چھوڑ کر کسی اور کو کروں، یا کوئی یار کروں، لیکن میں کیا کروں، میں تو کبھی بچنے سے آج تک اکیلی رہی نہیں۔ باپ ماں کے یہاں بھی کم سے کم ہوں گے نو پچاس ساٹھ آدمی فقط گنتی کے تھے کہ ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ ہم سب مل کر باغوں کی سیر کرتے تھے۔ دن رات آپس میں ہنستے بولتے، گاتے بجاتے رہتے تھے۔“

مار کا کل نے کہا: ”اسی سے بیٹیوں کو دبا دبو کے رکھتے ہیں کہ ان کا دیدہ ہوائی نہ ہو جائے۔“

ان باتوں میں اور ساتھ والیوں نے کہا: ”بی بی، پھر تمہیں کیا ہے؟ ان کو ہو سکے تو اپنی بی بی کے پاس بھیج دو، وہ ملک حیرت کے پاس نوکر رکھا دیں گی۔“

ایک بولی: ”میری جان! اب چاہئے کہ یہ دب کر رہیں اور خصم کا گھر کریں تو یہ ہونا نہیں۔ ان کا دل اور طرف ہے۔ آپ نہ بھیجئے گا تو یہ آپ ہی نکل جائیں گی۔“

مار کا کل نے کہا: ”اور خصم تیرا جو مجھ سے دعویٰ کرے تو، اور نیک بخت کیا میں جواب دوں گی؟“

اس نے کہا: ”آپ کہہ دیجئے گا کہ جو رو تیری کوئی بھگا نہیں لے گیا، موجود ہے، جو تجھ سے راضی ہو لے جا، ورنہ اس کے باپ سے ہم سے ملاقات تھی، ہمارے لڑکیوں کی برابر ہے ناراض کر کے کیونکر بھیجیں؟ اے بی، وہ موا کیا داعیہ کرے گا بالکل جھوٹا ہے!“

ان باتوں میں اب وہ زمانہ آیا کہ چاندنی نے کھیت کیا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اس گرنے لگی جنگل میں پھول کٹورا سے کھلے نظر آنے لگے۔ چشمے لہرانے لگے، عجب لطف پر سیر گلزار کا زمانہ تھا۔ کشتی شراب کی کھینچ کر مار کا کل نے کہا: ”نو شراب پیو، آج رات کو یہاں تم رہو۔ دیکھو کہ تمہارا میاں ڈھونڈتا ہوا یہاں آتا ہے یا نہیں، اور آتا ہے تو کیا راگ

گنا ہے۔“

چالاک نے سلام کر کے جام اس کے ہاتھ سے لیا اور اس نے کہا کہ
”میں ابھی رٹنے خدا پرستوں سے جاتی ہوں۔ تم میرے ساتھ اسی طرف چلو۔
جب میں ادھر سے پھروں گی تو تم کو حیرت کے پاس لے چلوں گی۔“

اس نازنین نے کہا: ”بہتر ہے، جس طرح آپ کی مرضی۔ بلا سے، روز
کی آفت سے تو کچھ دنوں بچی رہوں گی۔ یہی نہ کوئی کہے گا کہ چور دھری کی
بہو نکل گئی۔ خیر، کہہ لے گا۔ میرا حال تو یہ سامری ہی خوب جانتے ہیں۔ اور،
اے بیوی، جب میرا میاں مجھ سے ملا کرے گا تو پھر کوئی مجھ کو کچھ نہ کہے
گا۔“

غرض وہ جام آنکھ بچا کر اس نے گریباں میں اندھیلے اور ان عورتوں نے
کہا: ”حضور، ان کو گانے بجانے سے بھی شوق ہے، بھلا آج تو اپنی گائیں
بلوا کر ان کو گانا سنوا دیجئے، سچ ہے یہ بیماری ترسی بلکی عیش و راحت
کی ہے۔“

ایک نے کہا: ”ہے ہے! ٹکڑی کی صورت تو پیاری پیاری ہے۔“
دوسری نے کہا: ”اسی لئے تو مرد و ادن رات لے پڑا رہتا ہے۔“
مار کا کل کی طبیعت بھی اس کو پیار کرنے لگی تھی، اس لئے اس نے
بھی گوارا کیا کہ اس کا میاں اُسے گا تو کیا کرے گا، اب تو افراسیاب کی پیاری
ہے، وہ سب طرح اس کے خاوند کو راضی کر دے گا۔ غرض اس نے اپنے ہاں
کی گائوں کو بلایا۔ وہ آکر بیٹھیں اور ساز ملا کر سامنے مار کا کل کے گانے لگیں۔
چالاک چپکا بیٹھا رہا، اور بعض بعض مقام پر اس نے کہا: ”اونہہ!“ تاک بھول
تیوری چڑھائی ہنہ پھیر لیا۔ ایک آدھ سے بائیں کرنے لگا۔

مار کا کل نے کہا: ”اٹھا، آپ کیسا گانا جانتی ہو کہ ان گائوں کو کہ جو اس فن
کی کسی ہیں ان کو بے سراور بے تالابتاتی ہو؟“

اس نے کہا دیکھئے، طنز و طعنے ایسے ملائے ہیں کہ پردے تک ان کے ٹھیک
نہیں۔ رکھب کی جگہ گندھارا اور گندھارا کی جگہ نیم! بھلا یہ بھی کوئی طریقہ گانے کا

ہے اور بچانے کا۔“

مار کا کل نے گائونوں سے کہا: کیوں، یہ کیا کہتی ہیں؟
انھوں نے کہا کہ ”بی بی، ہاں سچ کہتی ہیں۔ مگر ان کے ہم بھی مشتاق ہیں۔
ذرا کچھ بچا کر گائیں۔ بڑی سمجھ بوجھ ان کی معلوم دیتی ہے۔“
مار کا کل نے کہا: ”اے بی بی، پھر تمھیں کچھ شغل کرو۔“
اس نے کہا: ”حضور، یوں تو کون بشر ہے کہ جس کو گانا رونا یاد نہیں۔ بھلا
میں کیوں کر کہوں کہ میں خوب گاتی ہوں؟“

مار کا کل نے کہا کہ: ”ان باتوں سے بالکل ثابت ہو گیا کہ تم خوب گاتی ہو
اور تم کو بڑا دخل ہے۔ اور تم پہلے ہی کہہ چکیں کہ میں عیش دوست ہوں۔ جب ایسی نہیں
ہو تو کیوں تنہائی سے گھبراتی ہو؟ ہاں صاحب، معلوم دیا کہ یہ لڑکی عالی خاندان سے
ہے اب ہمارے سر کی قسم، ہماری جان کی قسم، جو انکار کرو۔ کچھ تو گاؤ اس وقت۔
چالاک نے کلنبورالے کر اس کو وقت دیکھ کر ملایا اور بچانا شروع کیا.....
ہوا بندھ گئی..... مار کا کل اور دسوں خواصوں اور گائونوں کا تو یہ حال ہوا کہ:
روتے روتے غس آگیا۔ اپنا اپنا زمانہ عاشقی جو یاد آیا، آنکھوں سے دریا آنسوؤں کا
بہا یا۔ چالاک نے پانی چھڑک کر سب کو ہوشیار کیا۔ مار کا کل نے پاس بلا کر پیشانی پر اسکی
بوسہ دیا اور ہاتھوں کو چوم لیا۔

گائونوں نے کہا: ”بی بی، بھلا ایسا گانا سات جنم میں بھی نصیب نہ ہو گا۔ یہ راجہ
اندر کے اکھاڑے کی پری ہیں۔“

مار کا کل نے کہا: ”واقعی لائق صحبت سلاطین روزگار یہ حسین ہے، جی بھی اس کا
جی خاوند سے گھبراتا ہے۔ بھلا ایسی طبیعت دار عورت کا غریب کے گھر میں گذر کہاں؟ وہ
بیچارہ مجھ کو اگر ملے گا تو سمجھا دوں گی کہ اگر اس گل بدن کا وصل ایک بار بھی مہینے میں میسر
ہو جائے تو اس کو غنیمت سمجھ۔ ارے یہ عورت نہیں لچھی ہے۔ کہیں ایسی ایسی عورتیں کسی
کے ہاتھ آتی ہیں؟ میں سچ کہوں، اس کو روٹی کی کیا پرواہ ہے؟ اتنی ہی دیر میں ہم سب کو
ایسا اس نے راضی اور اپنے اوپر مائل کیا ہے کہ اب جی چاہتا ہے کہ یہ جان تلک مانگے
تو دے دیجئے۔“

(اس کے بعد چالاک بہانے سے سب کو بیہوشی کی دوا پلاتا ہے اور قتل کر ڈالتا ہے)

(جلد چہارم)

الشرع جھکڑا

شکل بھونڈی سی وہ گھامڑ سا سر اسر نقشا
تارہ دم دار ہے یا چند کے سر کا سودا
تنگ پیشانی ہے اور بھیڑ کا سا ہے دیدہ
ناک چنٹی ہے کہو کا نگرے میں جا بنوا
کو تہ گردن ہے گلابونگا ہے اور بد آواز
رکھتی ہے گندہ بغل طبع کو اکثر ناساز
بے دبانہ جو دریدہ تو زباں سخت دراز
سب بناوٹ ہے نہ انداز نہ کچھ عشوہ و ناز
نا تراشیدہ ہے کندھا تو وہ دو ہاتھ ہیں چوب
پنجہ انگشت نما، مثل پریشاں جا روپ
بال چھاتی پہ ہیں اور سینہ ہے چپا چپا
گول محرم نہیں اور بست ہے ڈھیلا ڈھیلا
فاختہ الو کی دم کہیے، نہیں ہے چٹریا
کرتی پیڑو پہ لٹکتی ہوئی ڈھلم ڈھالا
پیٹھ ہے پیٹ کے مانند سیاٹ اور کمرخت
نافہ ابھری ہوئی گھونگھی سے زیادہ ہے سخت

کو لھے ٹیڑے، سپاٹ اور بہت ناہموار
 اور پتی کا سرینوں کے کروں کا کیا اظہار
 ذکر کرنے سے ہے اس چیز کے اب نفرت و عدا
 بن میں اثر در کے ہو جس شکل سے بانی کا غار
 مثل مزبل کے بہا کرتا ہے گندہ پانی
 تھوکتے بھی نہیں مردار یہ اب تو زانی
 ران پر گوشت نہیں اور نہ اس پر مچھلی
 ساق پر بال ہیں اور سخت ہے جیسے لکڑی
 پنجہ جتنی کی طرح کچ ہے، کڑی ہے ایڑی
 انگلیاں پیر کی بد قطع ہیں ٹیڑھی ٹیڑھی !
 پامیں پھر ہے تو مانند فلک کج رفتار
 نام پر مارے ہرجائی کے پیرا ہزار
 خاک صورت یہ ادا کا بھی نہیں نام کو نام
 ہے سراسر وہ مخنت کی طرح بد اندام
 رنڈی پن سے ہے نہ خود کام کو کچھ لوچ سی کام
 نام ہرجائی کا آوارہ ہے اب طشت از بام
 ایک پر بند نہیں، لاکھ سے انکار نہیں !
 تجھ سی بدکار جہاں میں کوئی مردار نہیں

(جلد چہارم)

آتے ہی جڑی پہلی ملاقات میں چھڑی

(ملکہ حیرت اپنی عیارہ مصر کو حکم دیتی ہے کہ مسلمانوں کے لشکر سے معمار کو پکڑ لا جو ان کے ساتھ مل گیا ہے۔)

مصر..... جو بدار کی صورت بن کر اس طرف پہونچی کہ جہاں مہرخ کی مہرئی زندیاں اتری ہوئی تھیں۔ یہاں آکر جو دیکھا تو خیمہ اور پالیں استادہ ہیں، فرش دریوں، چاندنیوں کے بچھے ہیں جو ان جوان بیٹھی ہیں، کوئی مقابہ کھولے آرائش و زیبائش میں اپنے مصروف ہے، کوئی بیٹھی تعلیم لیتی ہے۔ عاشق تن جمع ہیں، کوئی کسی یار سے تنہا رہی ہے۔ اسی طرح یہ دیکھتی ہوئی ایک زندگی سندر نام کے ڈیرے پہونچی کہ اونچی زندگی تھی، اس کا ہاتھی جو انعام میں ملا تھا، ایک طرف بندھا تھا خیمہ مثل بارگاہ کے بہت بلند اور وسیع تھا۔ نوکر خدمتگار وغیرہ سرگام کرتھے۔ دو چار خوشامدی سرور مرد آدمی وضع وہاں بیٹھے رہتے تھے۔ زندیاں یعنی نوچیاں ہر طرف بصد آرائش و زیبائش پھرتی چلتی تھیں۔ دو ایک چاہنے والے بھی ادھر ادھر لگے ہوئے تھے، بعض سے اشارے ہوتے تھے، بعض سے جگت بازی ہوتی تھی۔

مصر جو بدار تو بنی ہوئی تھی، ایک ناز میں نہایت خوبصورت گل نام کو اس نے تجویز کر کے قریب جا کر ہاتھ اس کا پکڑ لیا اور کہا۔ ”اے بی ذرا ادھر آؤ، سنو تو“ اس نے کہا: ”بھئی، ہائے اللہ، ہم سے نہ بولو“

اس نے کہا: ”واہ واہ، تم خوب ہو! ارے صاحب میں تم سے ایک بات پوچھوں گا۔“

اس نے کہا کہ: ”جو کچھ پوچھو امی جان سے پوچھو۔ میں کیا مانو؟“

اس نے کہا: ”تم سے پوچھ لیں گے تو کیا قباحت ہوگی؟ ذرا ادھر آؤ“

وہ ناز میں اس کے کہنے سے پشت خیمہ کی طرف چلی آئی۔ اس نے کہا: میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تمہارا سر ڈھانکا گیا ہے یا نہیں؟

وہ شرما کر نیچی گردن کر کے چپ ہو رہی، اس نے کہا کہ: ”شرمانے کی بات نہیں ہے۔“

یہاں ایک سردار و لاتبار معمار قدرت ہے، اس سے کئی لاکھ روپے کی یافت ہے۔“
 اس نے یہ سن کر چاہا کہ اپنا ہاتھ چھڑا کر کھلا کھلا کر ہنستی ہوئی بھاگ جائے، صرصر
 نے ہنسی سے اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا کہ وہ بیہوش ہو گئی اس نے اس کو اٹھا کر اور علیحدہ
 مقام تنہائی میں لجا کر کپڑے اس کے اتارے اور رنگ و روغن عیاری لگا کر اس کی
 ایسی صورت بنی..... اس صورت سے آراستہ ہو کر اس زندگی کو ایک گڑھے
 میں ڈال کر تلوں وغیرہ سے چھپا کر آپ اٹھلاتی ہوئی اس خیمے میں کہ جہاں سے وہ زندگی
 آتی تھی، آتی۔

نائک نے اس کو دیکھ کر پوچھا: ”اری سندر، کہاں گئی تھی؟“
 اس نے کہا: ”حضور، ادھر ہی ادھر تھی۔“

وہ خاموش ہو رہی۔ اس عرصے میں چوہدار سلطانی آیا کہ چلو، حضور میں مجری کرنے
 کو بلایا ہے۔ نائک نے کڑے سونے کے ہاتھ میں سینے، انگلیا ٹھیک، زیب تن کر کے ملل کا چٹا
 ہوا دوپٹہ اوڑھ کر پہلے میں سوار ہوئی۔ زندگی کو بھی پاس بٹھایا ایک طرف اگالہ ان
 لگایا، پانچے آگے ڈھیر کر لئے، کہا رڈولی اٹھا کر چلے، پیچھے پیچھے یہ بھی رواں ہوئے۔
 غرض یہ جا کر جلو خانے میں اتری۔ ایک طرف کو صحیحی بارگاہ ملی۔ فرش بچھ گیا۔
 اسباب و ماں رکھا گیا۔ ساز و ماں چھڑنے لگے۔ نوجی آراستہ کنگھی چوٹی سے ہو کر ناچنے
 چلی۔ نائک آکر ایک طرف بیٹھی، ملکہ اور اہل دربار کو تسلیم کی..... صرصر ناچنے لگی اور
 اس طرح گائی کہ ہر ایک محو ہو گیا۔

معمار اٹھ کر جانب جلو خانہ روانہ ہوا۔ صرصر ناچ رہی تھی۔ اس نے نائک سے
 کہا کہ یہ سردار مجھ کو اشارے سے بلا گیا ہے، شاید کچھ مجھ پر مفتوں ہوا۔ میں جاتی ہوں
 اور اس سے باہر بارگاہ کے جا کر باتیں کرتی ہوں۔“

نائک نے لالچ میں آکر اجازت دی۔ صرصر باہر بارگاہ کے گئی اور معمار کو جاکر
 دیکھ کر پکارا کہ ”اے نوجوان ذرا اٹھرنا۔“

اس آفت جان نے قریب آکر دونوں ہاتھ کمر میں ڈال دیے اور کہا:۔
 ”یا سامری، ایسا بھی بے مروت میں نے تم سا کوئی مرد و انہیں دیکھا۔ اس طوائف نے
 کے پیشے میں ہزاروں مرد دے میں نے دیکھ ڈالے لیکن تمہاری سی صورت آج تک میں

نے دیکھی نہیں۔ میں سچ کہوں، جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے میرا تو یہ حال ہوا ہے کہ۔
پیار کرتی ہوں مگر تم کو مری چاہ نہیں !

آپ اتراتے ہیں یا خیر سے آگاہ نہیں !
کھا کے سو گند کہا میں نے کہ واللہ نہیں

تم سے کیا رسم ہو خوبوں سے مری راہ نہیں
ہو گیا جان کا لیوا مجھے کمر کے مفتوں

ایڑی چوٹی پہ موئے عشق کو قربان کروں
دل ہوا تم پہ فدا تم نہیں واقف پیارے

ہو کے خوں رہ گئے آخر دل و جاں بیچارے
دن جو حسرت میں گیا شام الم کے مارے

رات بھر صبح ہوئی، حیر میں گن کر تارے
خاک میں آپ کی الفت نے ملایا جو بن

آتش عشق نے پھونکا دل و جاں کا خرمن
پس اب میں تم کو کہاں جانے دوں گی۔ سامری کی قسم ہے، جان دوں گی

اگر میری جان نظر التفات نہ کر دے گی
معمار نے جو ایسی خوبصورت، کم سن معشوقہ کو ایسا عاشق خصال پایا، دل سے

کہا کہ یہ بھی دولت لازم ال ہے جو سامری نے مجھے عنایت کی ہے، ارے نادان ہ
چاہنے والی کس کو ملتی ہے

اس کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے پس یہ سوچ کر اس نے کہا: ”ارے جانی، وائے مایہ عمر
و زندگانی، میں کیا جانوں کہ کون مجھ سے محبت کرتا ہے اور میری الفت میں آہ و نالہ

کرتا ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ تم کو مجھ سے الفت ہے۔ اچھا تم ٹھہرو میں بعد چند روز کے
پھر یہاں آؤں گا اس وقت تم کو اپنے پاس بلاؤں گا۔“

اس صنم زیبا صورت نے ایک ڈھیلا ہاتھ اس کے اوپر مارا کہ ”چل مردے
حواس میں آ۔ میرا تو حال یہ ہے کہ ایک گھڑی فرقت میں کٹنا محال ہے، اور یہ جب

آئیں گے تب مجھ کو بلائیں گے، جب تک تم مجھ کو جیتا پاؤ گے؟ ہاں قبر پر روتے ہوئے

یہ کہہ کر چپکے سے کہا کہ ”سامری کی قسم، نائیکہ روزِ پیغام سر ڈھکنے کا ہر ایک امیر سے دیتی ہے۔ میں اس نام سے بھاگتی ہوں اور کہتی ہوں کہ جس پر دل آیا ہے، سامری کرے وہ امانت آئے۔ اے میاں، تیرے صدقے، اب مجھ کو تم اپنی فرقت میں نہ رٹاؤ۔ جہاں جاتے ہو وہاں ساتھ لیتے چلو۔ مجھ کو گھر میں چھوڑ کر یہاں چلے آؤ۔“

نائیکہ اگر داد و فریاد کرے کچھ اس کو دے کر راضی کر دینا۔
معمار نے دل میں اپنے سوچا کہ یہ مال تو خوب ملا کہ یہ ناکتھا بھی ہے، پھر کسی کی جو روٹی نہیں، اچھا تو ہے اس کا محل کرے۔ بس یہ سوچ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اشارہ جو کیا ایک تخت اس کے چوتروں کے نیچے آگیا، معمار بھی اس تخت پر سوار ہو لیا اور اس کو لے کر چلا۔

ایک مقام پر..... دامن کو ہستان تھا اور دور تک سبزہ لہلہا رہا تھا، اس صحرا کو دیکھ کر صرصر نے معمار کی گردن میں بائیں ڈال دیں۔ معاذ اللہ وہ گدرا یا بدن وہ تن گرم گرم کی گرمی پہنچنا! قوت حیوانی ہیجان میں آئی، جلد اس نے بھی رخسار پر رخسار رکھ دیا۔ یا وہ فرطِ رعب حسن سے چپ بیٹھا تھا، یا اس نے ہنگامہ مستی اٹھایا، نلیان شہوت ہوا اس مادہ پارہ نے بصدِ اخلاص آنکھوں کو گردش دے کے مسکرا کر کہا کہ اے معمار ایسا سبزہ اور ایسا صحرا بھی کم دیکھنے میں آیا ہے..... اگر تمہارا جی چاہے تو اس پہاڑ کے دامن میں کسی چشمے کے کنارے اتر کر گھڑی دو گھڑی ٹھہرو، بنسو، بوٹو، عیش کرو، پھر آگے چلو۔“

معمار فرطِ مستی سے بے چین ہو گیا تھا ہی، اس بات کو غنیمت کیا، فوزِ عظیم سمجھا، اور یہ بھی خیال کیا کہ بیشک یہ کمان ابرو تجھ پر ہزار جان سے قربان ہے۔ از بسکہ لذت وصل سے ابھی آگاہ نہیں ہے اسی وجہ سے سادہ مزاج ہے جو آپ ہی خواہش کرتی ہے اگر بھولی بھالی نہ ہوتی، کئی تھپسی عورت کھلی کھائی ہوتی تو ناز و غمزہ ختاتی، اب دلبری کی راہیں، مار دھکنے کی چوٹیں اس کو سکھائیں گے اور صحرارہ عبور بنائیں گے جب اپنے گھر میں اس کو پہنچائیں گے، خوب مزے اڑائیں گے۔ بس ایسا کچھ سوچ کر.... تخت اس ایک چشمے کے کنارے اتارا، چادر کر کے کھول کر بچھائی اور بیٹھا۔

وہ نازیں پانی میں پاؤں ڈال کر خوش فعلی کرنے لگی اور کھٹنوں تک پانچے چڑھائی

معلوم ہوا کہ شمع فانوس پیرہن سے باہر نکل آئی وہ پاؤں اس کے نگاریں اور گوری گوری
 پنڈلی۔ معمار کی جان نکلنے لگی۔ جا باپٹ جاؤں۔ اس نے کہا: ”ٹھہرو، تم مجھ کو یہاں
 سناؤ گے۔ میں ذرا تم سے الگ جا کر پانی سے کھیل لوں۔ منہ ہاتھ دھو کر ابھی آتی ہوں۔“
 اس نے کہا: ”میں تجھ کو اس جنگل میں اکیلا نہ جانے دوں گا۔ شیر بھڑکے گا
 ڈرے۔“ اس نے جواب دیا کہ: ”میں دور نہ جاؤں گی۔ گرد و گزتم سے ہٹ کر منہ
 دھوؤں گی۔“ یہ کہہ کر کچھ دور اس کے پاس سے ہٹ کر کنارے چٹھے کے بیٹھی.....
 مصرصر نے ہاتھ منہ دھو کر ایک بیضہ بیہوشی اپنے پاس سے نکالا کہ وہ بیضہ کئی طرح کے
 رنگ سے رنگا ہوا نقش دار تھا۔ سبز، سرخ، زرد لکیریں اور پھول اس پر بنے ہوئے تھے
 پس وہ بیضہ لیکر اٹھلاتی ہوئی گات کا عالم ابھرے پن کا دکھاتی ہوئی معمار کے پاس آئی
 اور کہا: اے جی، اے جی۔ میں منہ دھو رہی تھی۔ یہ انڈا وہاں پڑا تھا، نہیں معلوم کس
 جانور کا ہے کہ ایسا انڈا میں نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، معلوم ہوتا ہے کہ رنگین مچھلی
 جو دریا میں نہیں ہوتی ہے وہی کنارے پر آ کے یہ انڈا دے گئی۔ ارے نہیں نہیں میں
 سمجھ گئی یہ دلایتی کھوے کا انڈا ہے۔ اور صاحب اس میں سے خوشبو بھی آتی ہے۔ سامری
 کی قسم، مجھے دل سے بھاتی ہے۔“

یہ کہتی جاتی تھی اور اس طرح کمر کو لوں کو بل دیتی تھی کہ نامرد مادر زاد کو بھی مستی
 آتی تھی۔ معمار نے اس کو کھینچا، اور کہا: ”میرے ساتھ سو رہو۔“
 اس نے کہا: ”سامری کی قسم، دیکھو میری کلانی ٹوٹ جائے گی۔ اور گھوڑا
 یہ وقت سونے کا کون ہے! رات کو سوتے ہیں یا اس وقت؟ ہوا بھی ٹھنڈی چلتی ہے،
 نیند تو خوب آئے گی! مگر میں سچ کہوں، جان بھی جائے گی۔“

معمار نے کہا: ”واہ، واہ سونا میں نہیں کہتا ہوں۔ ذرا میرے پاس بیٹھیے تو ہسی۔“
 اس نے کہا: ”اے لو، اب میں سمجھی! تم مجھ کو جو رو بناؤ گے۔ جمشید جانے،
 میں ان باتوں پر راضی نہیں۔ میں، اے صاحب، تمہاری صورت دیکھنے کی مشتاق ہوں،
 میں صاحب تمہارے ہتھے پر نہ چڑھوں گی۔“

معمار نے ایک نہ مانی، اور اس کو جب آغوش محبت میں کھینچا، اس نے کہا: اچھا
 اچھا، میں تمہاری کینز ہوں، میں جانتی ہوں کہ مردوئے اپنے مزے کے واسطے رحم نہیں کرتے

ہیں۔ دیکھو سامری کی قسم، میرا پنڈا بھی پھیکا ہے۔ کئی دن سے بخار رہتا ہے۔ اس وقت تمھاری زبردستی سے دل دھڑکنے لگا۔ مگر تم کو اپنے مزے کی سوچھی ہے۔ خیر اس انڈے کو سونگھو اور بتاؤ تو یہ کس کا انڈا ہے؟

..... اس نے سونگھا۔ سونگھتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

(اور صرا سے اٹھالے گئی)۔

(جسٹلر چہارم)

بولی ٹھولی

(ضرغام غیار ملکہ حیرت کی بارگاہ میں داخل ہونا چاہتا ہے، اور اس کی وزیر زادی یا قوت کی بارگاہ کے قریب اس فک میں کھڑی ہے)۔

ناگاہ زنائی ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا کر ایک خواص نے جھانکا اور کہا: ”اُ رے میاں، کوئی ارسام بن مرسم کا بھیجا ہوا آدمی آیا ہے؟“

ضرغام پہلے تو چپ رہا کہ دیکھوں کوئی اس کو جواب دیتا ہے یا نہیں۔ جب کسی نے جواب نہیں دیا، اس وقت دوبارہ اس کے پکارنے پر اس نے کہا: ”حضور، میں دیر سے یہاں کھڑا ہوں۔ کوئی میری خبر ہی آپ تک نہیں کرتا ہے۔“

اس نے کہا: ”تم ارسام بن مرسم کے یہاں ہو تو شک خانے کے داروغہ ہیں، انکو پہچانتے ہو اور ان کے بیٹے کو جانتے ہو؟“

اس نے کہا: ”کیا خوب! میں ان کا لڑکپن کا ملازم ہوں، اور میں ہی نہیں پہچانتا؟ حضور، میں وہ تو دن رات ایک جا رہا ہوں۔ بلکہ میں تو ایسا ہوں کہ وہ مجھ پر بڑی عنایت فرماتے ہیں اور مجھ سے سب ملازم جلتے ہیں، خاں کھاتے ہیں اور میں وہ تو ایک جان دو قالب ہوں۔“

اس عورت نے یہ باتیں سن کر کہا: ”اچھا آؤ، پردے کے پاس آؤ۔“

یہ عیار آگے بڑھاتا تھا کہ دربانوں نے کہا: ”بی سیوتی۔ کیا تمہاری بری عادت ہے کہ ہر ایک کو پردے کے پاس بلاتی ہو۔ ان کو پردے کے پاس نہ بلاؤ۔ سرکار کا غصہ جانتی ہو، اور پھر وہی بات کرتی ہو۔ ان کا حکم ہے کہ کوئی زنانی ڈیوڑھی کے پاس نہ آئے نہ کوئی عورت مرد سے وہاں بات کرے۔ بات کرنا ہے تو ہم بیٹے جاتے ہیں۔ آپ ماہر آگے بات کر لیں۔ آپ کا کچھ نہ جائے گا، ہم پر خفگی آئے گی۔ جرم نہ ہو گا یا نوکری جلائے گی۔“

اتنا کہنا تھا کہ وہ عورت خواص اپنے جانے سے باہر ہو گئی اور کہا: ”لوصاحب میں کسی بھڑوے چھنال سے دینے کی نہیں! کیا مجھ کو ان موٹے دونوں نے چھنال مقرر کیا ہے جو بات کرنے کی ممانعت کرتے ہیں؟ اپنا عہدہ مجھی پر تو جتنا ملے جس میں یہ معلوم ہو کہ ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں۔ اے موٹو، اپنے حواس درست کرو، منہ بنواؤ۔ مجھے کسی بھڑوے چھنال کا ڈر ہے جو یہاں بات نہ کروں؟ میں کسی کی ماما یا منلا منی، ایرے غیرے پچ کلیا کی نوکر نہیں ہوں اور نہ کسی کی لونڈی ہوں۔ میں ایسے کی نمک پروردہ ہوں جو حیرت کی روح و جان ہے تم سب جب چاہو آزاد کیجو۔ اپنے اپنے جی کا ارمان نکال لو، جو تمہارے جی میں ہو، نیک و بد، اچھی بری جو چاہو ٹھیرے لئے ملکہ سے کہلا بیجو، یا خود کہو، دیکھو تو کہ اس کا کیا جواب ملتا ہے، اور میرے لئے سزا، جرم نہ، گھر کی جھڑکی ہوتی ہے یا تم سب پر خفگی آتی ہے۔ کہو تو ابھی تم سب کو نکلوا دوں۔ میں نے ہزار بار کہا ہے کہ ذرا میرے منہ نہ لگنا۔ کیا تم نے مجھے کوئی دبوٹو گھسٹو مقرر کیا ہے یا دل لگی باز بنایا ہے کہ میرا صاحب اسی بہانے سے لاؤ، اس کو بکواؤ۔ اے میں بھی اپنے نام کی ہوں، رہ جاؤ، بھڑو، تمہاری ایسی کی تیسری! آج جو تمہاری گت نہ بنوائی تو نام اپنا بی سیوتی نہ پایا۔“

یہ کلمات سن کر آپس میں سب چپکے چپکے دربان کہنے لگے کہ ”ارے میاں تم نے ناحق اس جھاڑ کے کانٹے کو اپنے پیچھے لگایا۔ اس سے ڈرنا ہی چاہئے۔ اگر یہ کچھ مالک سے لگا دے اور وہ بڑی ملکہ سے نہیں تو بیشک بے عزت ہو کر ہم سب نکال دیے جائیں۔“

غرض یہ باتیں آپس میں کر کے گویا ہوئے کہ ”بی سیوتی صاحب ہم تو جیسے ملکہ

کے تابع فرمان ویسے آپ کے۔ آپ جس کو چاہیں اندر محل کے بلا لے جائیں۔ ہم نے تو ایک قاعدے کی بات کہی تھی، آپ ہی کے لئے اس میں بہتری تھی، آپ خفا نہ ہوں جو مزاج میں آئے وہ کیجئے۔“ یہ کہہ کر عیار سے کہا: میاں جاؤ، پردے کے پاس، جو بی صاحبہ فرمائیں وہ سن آؤ۔“

ضرغام فوراً سب ڈیوڑھیاں طے کر کے قریب پردے کے پہنچا۔ اس رنڈی نے پردے کے اندر اپنے پاس بلا لیا۔ اس نے وہاں جا کر دیکھا تو گھونگھٹ زناتی ڈیوڑھی کے پیچھے کے پانس عقب میں بنا ہے، اس طرف محلات کی عورتیں بول رہی ہیں، گھما گھمی کی صدا آتی ہے، اور پاس وہ نازنین عنبری موکھڑی ہے۔ یقین تھا کہ بے ہوش ہو جائے وہ اس کی سادی عادی وضع..... کانوں میں ایک ایک بال پڑا..... ناک میں کیل..... سینہ ابھرا ہوا..... کمزنازک کو لکھے قطع دار، پیڑوا بھرا ہوا، رانیں بھری بھری، گویا سانچے کی ڈھلی، پانچامہ گلبیدن کا لچھے دار پہنے، پانچے اس کے کلائی پر پڑے، مہین شبنم کا چنا ہوا دوپٹہ ہلکا پیازنی رنگا ہوا اوڑھے، موقع و مناسبت سے ہلکا ہلکا زور پہنے، نزاکت و ہر بار تیوریوں پر بال ڈالتی.....

وہ پہلی، وہ جگت اور وہ بولی ٹھولی

جست انگیا کی کٹوری تھی تو اونچی چولی

اس برق و شل نے جب دیکھا کہ ضرغام پاس اس کے آیا تو ہنس کر کہا کہ:-

”اوسام بن مرسم جادو خیمے میں اپنے جو رہتا ہے تو کیا کیا کرتا ہے؟ میں جانتی ہوں کہ دن رات رنڈی بازی کرتا ہوگا۔ ہر روز نئی رنڈی مولا بلواتا ہوگا۔“

ضرغام نے سوچا کہ یہ رنڈی معلوم ہوتی ہے اور نطفہ حرام اوسام سے آشنائی رکھتی ہے، اسی کے خیال میں دن رات رہتی ہے۔ اور اسی کا آدمی تجھ کو بلایا ہے۔ تو بھی اب ایسی باتیں کر کہ اس کو یقین اس کی ملازمت کا آجائے۔ یہ سوچ کر اس نے بناوٹ کر کے کہا کہ:- ”اے بی، جو تمھارا جی چاہے وہ تہمت اس بیچارے پر رکھو، وہ تو بس گھر میں ہی لیکر کا فقیر بنا پڑا رہتا ہے، نہ گھر سے کہیں آئے نہ جائے، نہ کسی کو بلائے۔ ہم نے آج تک کسی سے ہنس کے بھی بات کرتے نہیں دیکھا۔“

اس قتالہ عالم نے کہا: ”تم اس کی دوستی کی ایسی کہو ہی گے۔ وہ حرامی ایک ہی متفنی ہے۔ یہاں میرے پاس جب دسویں پانچویں آتا ہے تو ہر ایک خواص کو ملکہ کی دیکھ دیکھ کے سسکیاں بھرتا ہے، میری آنکھوں کے سامنے بائے جانی کہتا ہے، اور لگاؤ میں کرتا ہے۔ تم نے کہا اور میں نے مانا کہ وہ وہ دھودھا کے مصلے پر چڑھا ہے بھلا تم تو کہتے ہو کہ میں ان کا مدت کا دوست ہوں۔ یہی جانتے ہو! سچ کہو کہ وہ ہمارے یہاں کی کیا باتیں کرتا ہے؟ کبھی میرا ذکر کرتا ہے؟ مجھ کو یاد کرتا ہے؟ یا یہاں کی خواصوں کا نام لیتا ہے؟“

ضرغام نے کہا صاحب، میں کس کا نام لوں؟ اب تم میرا کہنا تو مانتی نہیں ہو اور میری طاقت نہیں جو منصل حال کہوں۔“

یہ سن کر اس نے کہا: ”تمہیں میرے سر کے قسم، تمہیں اپنے ایمان کی قسم تم جسے پیار کرتے ہو، جسے چاہتے ہو، اسی کے سر کی قسم، میرا حلوہ کھائے، میرا مردہ دیکھے، جو سچ نہ کہے، وہ یہاں کس کو پیار کرتا ہے؟ چھپاؤ نہیں۔ تمہیں ڈر کس کا ہے؟ میں تو تمہارا پاس کھڑی ہوں۔ وہ تمہارا کرے گا کیا؟ کوئی خدا ہے جو روٹی تمہیں نہ ملے گی؟ برایمان خود، جب تک میں زندہ ہوں، تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔“

ضرغام نے کہا آپ کی عنایت سے اور سامری کے فضل سے مجھے کچھ اس کا خیال نہیں، لیکن کیا کہوں ایک تو جان جاتی ہے اور آپ یہ باتیں بناتی ہیں۔“

اس نے کہا: ”اچھا جی میں اب سمجھ گئی۔ سامری کی قسم، جھوٹ، جھشید کی قسم، رتی بھر سچ نہیں! ایسی ہی کوئی مال زادی ہوگی جو اس کی دوستی کا اعتبار کرے گی۔ اگر وہ میرے گھر پر چلتا اور زندگی بازی کو آگ لگاتا تو ایسا چین کراتی وہ بھی تو یاد ہی کرتا، لالوں کا لال رہتا اس کو کس بات کی کمی رہتی۔ وہ تو اس کو عارضہ کم بخت چھنالے کا ہے، جیسے بدکار کو لپکا ہوتا ہے۔ اچھا بتاؤ، تم کو کیوں بھیجا ہے؟“

اس نے کہا: ”آج میری منتیں کیں کہ تم ذرا جا کر ادھر ادھر دیکھ بھال کے کوئی آدمی محل کا ملے تو ان کی خیریت مجھے لا دو۔“

اس آفت جاں نے یہ سن کر ایک قہقہہ مارا اور کہا: ”خوب! اب بھی ناحق مجھ نگوڑی کی یاد آئی۔ ارے کم بخت کہو کہ میرے کہے پر کیوں نہیں چلتا۔ گھر میں وہ بیٹھے تو

اس کی لونڈی بنی رہیوں، ہر وقت پاس رہیوں، کوئی دم جدا نہ ہوں۔ اچھا، تم اب جا کر یہ کہو کہ اس بارگاہ کے بھوٹے ایک آدمیوں کا باغ ہے، اس باغ سے نکل کر ایک جھیل ہے اس کے کنارے کینال کا درخت ہے، وہاں آجائے، اور مجھ سے دو باتیں کر جائے اگر میرا کہنا ماننے کا اقرار کرے تو خیر، نہیں تو میں کہاں اور وہ کہاں۔“

ضرغام نے کہا: ”نہیں، تم ایسی باتیں نہ کرو، وہ تمہارے دردِ جدائی میں مرتے ہیں۔“

وہ گل رو یہ سن کر باغ باغ ہو گئی، اور کہا: اچھا، تم جاؤ، اور اس بے وفا کو جہاں کا میں نے پتہ دیا ہے لے آؤ۔“

ضرغام نے کہا پھر تم کتنی دیر میں آؤ گی؟

اس نازنین نے کہا: ”مجھے کیا دیر ہے؟ تم گئے اور میں وہاں تمہارے جانے سے پہلے آ جاؤ گی۔“

(غرض عیار اسے گرفتار کر لیتا ہے، اور اس کے کپڑے پہن کر یا قوت کی بارگاہ میں آتا ہے)۔

دیکھا کہ ہر سمت صحنیوں میں ہر ایک علی کی عورتیں بیٹھی ہیں: کوئی اپنا سنگار کرتی ہے، کوئی سی لگاتی ہے، کوئی طوطے کو حشید جی پڑھاتی ہے، کوئی کھانا پکانے کی فکر میں ہے کسی کا مہمان آیا ہے، اس کی خاطر میں مصروف ہے۔ پلنگڑیاں بچھی، چوکے تختے کے لگے ہیں مائیں ہر ایک کے باورچی کو نے کو گرم کر رہی ہیں۔

(اس کے بعد وہ یہاں کچھ اور عیاریاں کرتا ہے)۔

(جلد چہارم)

اشرف المخلوقات

نظر اٹھا کر دیکھا تو عمر و پزنگاہ پڑی۔ ایک عجیب الخلق انسان کو دیکھا کہ

جس کا سر ناریل ایسا ہے، کلیجے سے گال ہیں، خوبانی سی ناک، نکاسی ریش ہے، موتی مرزید کے ایسے دانت، رسی سے ہاتھ پاؤں، طباق سابیٹ، زیرہ سی آنکھیں، چھ گز کا دھڑ، نیچے کا، تین گز کا اوپر کا۔

(جلد چہارم)

چھوچھکا

بیروں کو بھیٹیں ملیں اور جھٹکے کئے کئے، ڈھولے جھوٹے لگے، بنگالی ڈمرو جانے لگے، مسان کی مٹی لے کر جوت کا دیا قائم کیا، زروٹیں اڑانے لگے۔ کہیں منستروں کی جاب تھی، لونہا چھاری اور دھنستا اور جوگی جیپال کی دہائی دیتے تھے۔ کوئی منتر پڑھتا تھا کہ: "کالی کالی، جہا کالی کلکتے والی، پاتال کا پانی پیتی، دشمن کی جان لیتی، آگ لگائے، سرگ کو جاؤ، جو بیری ہو مارا جائے۔ پڑھو دیوالی میں ایسا بچا۔ جو ہمارا کام نہ کرے تو وہ دھو بی کے کندھ میں پڑے!"

(جلد چہارم)

سادہ پرکار

(ابو لفتح عیار عورت بن کر سوار سحر کو قتل کرنے نکلتا ہے، جو ایک تالاب میں رہتا ہے۔)

اس مہ پارہ اکیلے تھالی ہاتھ پر برنجی رکھی، چومکھ اس میں جلتی ہوئی اور زریور طلا کا سے جسم کو آرائش دی اور کنارے اس چشمے کے آئی دو تین پتھر بڑے بڑے اٹھا کر اس چشمے میں گھاگھا ڈالے کہ تمام پانی اس کا تلے اوپر ہو گیا۔ اور چشمے میں بڑا ظلم ہوا۔ سوار سحر

گھبرا کر باہر نکل آیا۔ اس نے اس لالہ فام، قلزم حسن کو کنارے اس چشمے کے کھڑا پایا۔
 پکارا: ”اے گوہریم خوبی و آشنائی بھر محبوبی، یہ پتھر تو نے ہی اس چشمے میں پھینکے تھے؟“
 اس نے کہا: ”تم سے کیا مطلب، تم جاؤ، ہم نے جس کے لئے پھینکے ہیں وہ آپ ہی
 وہ سوار قریب اس کے آیا اور اس کی صورت دیکھ کر بے قرار ہوا اور پھر اس صفائی اور
 ڈھٹائی پر ہر سی گیا۔ اس نے کہا: ”اے پیاری! یہ بری حرکت تم نے کی کہ اس میں ہم بیٹھے ہوئے
 تھے اور تم نے پتھر مارے۔“

اس خواص محیط خوبی نے سن کر کہا: کہ میں کیا جانوں کہ گھوڑے دریاؤں میں بھی آدمی
 رہتے ہیں، آجھا اب نہ پھینکوں گی۔ اے میاں تمہارے چوٹ تو نہیں لگی؟ اگر لگ گئی ہو تو تم مجھ کو مار لو۔
 یہ کہہ کر پکاری کہ ”یا خداوند! تو اس موئے سے بدلے کہ جس نے مجھ کو یوں خراب و خستہ کیا،“
 اس سوار نے کہا: ”اے مایہ حسن خدا داد گوہر دریا کے ضیا و صفاء، یہ تو بتلا کہ کس نے تجھ کو
 خراب کیا، اور کیوں تو اس جنگل میں آئی، اور چشمے میں سنگ زن ہوئی؟“
 اس نے ایک آہ کی اور کہا کہ

تلخ جینا ہو میں، اور مرے وہ لوٹیں
 روتے دیکھیں ہیں جب دل کے پھپھو پھوٹیں

اس سوار نے کہا: ”میں تیری آن پر نثار اور ادا پر صدقے! بتا کہ کس نے
 تجھے ستایا ہے، یہ اپنا حال تو نے کیا بنایا ہے؟“

اس نازک بدن نے کہا: اے میاں اب تم سے کیا پردہ رہا، اور چھپاؤں
 گھوڑا کہاں تک، اب تو ادارہ دشت ادبار میں ہو چکی، ذات برادری سے گئی، ماں
 باپ چھوٹے، کہیں کی نہ رہی۔ میں قلعہ عشق کوہ کی رہنے والی ہوں اور نیچ قوم نہیں، تم
 ذات کی ہوں۔ اب اپنی ذات کیا بتاؤں، خیر اس کو یہیں رہنے دو، میرے گھر میں ایک
 چھوکرانو کر تھا، کاروبار گھر کی ٹہل کرتا تھا، وہ مجھ کو دیکھ کر فریفتہ ہوا اور میں بھی اسکے
 دم میں آگئی، اس نے مجھ کو یہ سکھایا کہ یوجا کرنے کے بہانے سے سرشام تالابوں پر جایا کرو
 میں دور دراز سے اکیلی آئی اور پھر گئی۔ آج اسی سے وعدہ ہے کہ تالاب پر اتر کر طرف جانا،
 اور ڈھیلے اس چشمے میں پھینکنا، میں پہلے سے اس میں اتر کر بیٹھ رہی ہوں گا جب ڈھیلے تم
 پھینکو گی میں نکل آؤں گا، سو اسی کے لئے میں نے یہ ڈھیلے پھینکے تھے، اس کا تو کہیں پتہ نہ لگا

تم البتہ نکل آئے۔ یہ تو بتاؤ کہ تم سے بھی کیا کسی سے وعدہ اسی طرح کا تھا؟“
 اس سوار نے یہ سن کر ہنسنے مارا، اور کہا: ”یہ بھی کچھ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شنائی
 کرے وہ تالاب میں آکر بیٹھے؟“ یہ کہہ کر اس کو ہر گراں مایہ بحر حسن کو گلے سے اس کے
 لگا لیا، اور کہا: ”اے سراپا ناز، یہ آئین بھی قدرت کے کھیل میں۔ خداوند نے تیری
 آبرو بچائی۔ نیچ قوم کے ساتھ سے عزت برباد جاتی۔ وہ لونڈا نہلتوا، تو نہیں معلوم کس
 سردار کی بیٹی ہے، نہیں معلوم سوداگر زادہ کی ہے، تجھ سے بھلا اس کو کیا نسبت، خوب
 ہوا کہ تو اس تالاب میں چلی آئی۔ وہ لونڈا مارے ڈر کے جنگل میں آیا نہیں تجھ کو روبرو اس
 نے بھیجا۔ شاباش تیرے دل کو کہ تو اس کی محبت میں چلی آئی۔ اسی طرح سمجھ لے کہ ہر
 بات میں وہ نکل جائے گا اور تجھ سے دغا کرے گا۔ اے ناز میں، تیرے لئے سردار زادہ
 کوئی ہو تو زیبا ہے۔ خبردار کبھی ایسا نہ کرنا کہ نیچ سے پریت کر کے اپنی عزت دینا۔
 اب اگر تو محبت کرنا چاہے تو میں سردار طلسم ہوش ربا کا ہوں، تجھ کو مال دنیا سے
 مالا مال کر دوں گا۔“

اس ناز میں نے کہا: کہ: ”محبت تو، سچ پوچھو، یوں نہیں ہوتی کہ یکایک میں
 تم سے کرنے لگوں، تم بھی میری کچھ نون منت کرو، پاؤں سر پر دھرو، اور میرے گھر
 آیا جایا کرو، اور خاطر داری کرو، یوں ہی بڑھتے بڑھتے محبت بھی ہو جائے گی۔“
 یہ سن کر وہ سوار اس کے پاؤں پر گر اور کہا: ”اے جان جہاں، اچھا ثواب
 اپنے اس لونڈے کا خیال چھوڑ کر میرے گھر میں تو چل۔“

اس نے کہا: ”میرے گھر میں سب راہ میری دیکھیں گے۔ دیر ہوگی تو چرچ
 جائیں گے۔ ادھر کو وہ لونڈا راہ دیکھ کر کسی تالاب پر سے گھر جائیگا تو اور بھی آفت ڈھانسیگا۔
 مجھ سے خفا ہو جائے گا، میں اس پر مرتی ہوں۔ اگر وہ خفا ہوگا تو میں جان دیدوگی۔“
 اس سوار نے کہا کہ ایک لمحے بھر کے لئے کوئی خفا نہ ہوگا۔ اور ہم خداوند تھا کہ
 کہہ کر تیرے ماں باپ کو راضی کر دیں گے۔ تیری عصمت کی خداوند سے گواہی دلوں گے۔
 اس نے کہا: ”کچھ ہی کیوں نہ ہو، میں تو تیرے ساتھ نہ جاؤں گی، تو مجھ کو دبا
 لے جا کر بے عزت کرے گا، اور میں جانتی ہوں کہ جو میری گت بنائے گا۔ مردوے خواں
 میں آ، مجھ اکیلی عورت کو پا کر تو نے پاؤں پھیلانے ہیں، ایسی کیگی نہیں ہوں، مجھ سے

سب میری دانی بتلا چکی ہے کہ اس طرح مردوں کی عورتوں کو اپنے پاس بلاتے ہیں، اور اپنی جو رو بناتے ہیں۔ سن، اسے شخص، میں کسی کی جو رو نہ بنوں گی۔ جو چوری کی بٹھائی میں مزا ہے وہ کسی میں نہیں ہے، میں محبت نہ کروں گی۔“

وہ سوار بھولی بھولی باتیں سن کر اس کو گود میں اٹھا کر تالاب میں کود پڑا، ہر چند وہ تڑپی اور بیتاب ہوئی، مگر اس نے نہ مانا۔ جب اس کی آنکھ کھلی..... دیکھا کہ یہاں پانی نہیں ہے، ایک مکان بنا ہے..... وہ ساحر، آخر مسند پر بیٹھا۔ اس کو پہلو میں اپنے بسان دل کے بٹھایا اور پکارا کہ: ”اے جان جہاں، یہاں ٹھہر کر ایک جام شراب پی لے۔ پھر تجھ کو میں تیرے گھر پہنچا دوں گا۔ مگر تیرے فراق میں یقین ہے کہ زندہ نہ رہوں گا.....“

اس گل بدن نے انگوٹھا دکھایا کہ تیرے منہ کو جھلسا۔ میں تیرے کہنے پر عمل کروں یہ کبھی نہ ہوگا۔“

اب وہاں اس ماہ پیکر نے ہنگامہ گرم بازاری ناز و غمزہ کا گرم کیا..... وہ ساحر اس سے لپٹتا جاتا تھا۔ آخر اس نے کہا: ”مرے آگ لگ جائے تیری مستی پر۔ اگر میں اس دریا پر نہ آتی تو تو کس سے یہ چہ میگوئیاں کرتا ہلے اب مجھ کو گھر جانے دے، میرا مارے بھوکے کے برا حال ہے۔“

اس نے کہا: ”کھانا یہیں موجود ہے، کھا لو تو، ہمارے سر کی قسم، پھر ہم جائیں دیں گے۔“

(عیار کھانے میں ملا کے اسے بیہوشی کی دوا دیتا ہے، اور قتل کر ڈالتا ہے۔)

(جلد چہارم)

گنور دل

دیکھا ہزار ہا ساحر و غیر ساحر کوئی مرکب پر، کوئی پیادہ، کسی جانب سے تاجر

چھکڑوں پر اسباب لدا ہوا، گماشتے ہمراہ چلے جاتے ہیں۔ کسی جانب سے ابالیان تتر
 آگے آگے، زمیندار صاحب ٹوٹے پر سوار، سپر تلوار باندھے، ڈھال ٹسکا درست
 سفر پر چست، پشت پر ہزار ہا گنوردل گاڑھے کی دوہری کمر میں باندھے ہوئے،
 مرزئی اتار کے کمر میں لپیٹ لی ہے، گلے میں مالا، ایک دانہ دراج کا، ایک سونے کا
 اسی واسطے مرزئی اتار ڈالی کہ دیکھنے والے مالا کیوں کر دیکھیں۔ کاندھوں پر لٹھ، بقول
 شخصے گنوار کے لٹھ، سخت منہ بھٹ، تنے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ ایک جانب ہزار ہا
 پاسی، ننگے پیر۔ جوتا پہننے سے میر، تیر کٹھا ہاتھ میں، ایک جانب کاندھ پر تھی، ہزار
 در ہزار کاندھ پر تھی ندھوں پر، ”ہم ہم“ کی آوازیں بلند۔ ایک سے ایک پوچھتا ہوا، بھائی
 اندہ؟ ”ہزار ہا برہمن ماتھوں پر تلک لگائے ہوئے، پتھری دھوئیاں، بغل میں دبا
 پوتھیاں، ”ساعت بچا روں!“ کہتے ہوں، چمڑودھے، جوتے تیل میں ڈوبے
 ہوئے، اس پر گرد جی ہوئی، غول کے غول، غٹ کے غٹ، ڈمرو بچتے ہوئے، کسی
 جانب ہزار ہا چاریاں، گنگام کے لہنگے، گاڑھے کی چدیریاں، گاڑھے کی کرتیاں نیلی
 رنگی ہوئی تول کی گوٹ پھنسی کرتی، سینے پر چھاتیوں کی پوٹ، ایک کا ہاتھ ایک تھامے
 ہوئے، متانیاں گاتی ہوئی چلی جاتی ہیں، زمینداروں کی غورتیں گنوار نیاں، لہنگے۔
 گل بدن کے، جھوٹا گوٹا، چوڑا چوڑا، مینوں کی دلائیاں، انوٹ بھوے پاؤں میں،
 جا بجا درختوں کی چھاؤں میں، کنویں پر برہمن، لوہے کا ڈول، برنجی لٹیا گول گول،
 بیٹھا ہوا آواز دے رہا ہے: ”بھائی مسافر، جل پوٹھنڈا!“ لوہے کے کڑے سوڈول
 بچ رہا ہے، بھجن گارہے ہیں، مسافروں کو بھارہے ہیں۔ کسی جانب دیہات کے
 جوان شوقین، گلنار پگڑیاں، رنگین لباس، خوش مزاج، وضع دار، طرح دار،
 بیڑے میں کلمے میں دبے ہوئے، چالیس چاس جوان ساتھ ہتے ہوئے، ایک کے گلے میں
 ڈھول، غزل کی تانیں اڑتی ہوئی، خوشی خوشی گاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔
 اصل کیفیت یہ ہے کہ یہ سب گنواروں کا میلہ جاتا ہے۔

(جلد پنجم، حصہ اول)

کرم دم

(عمرد عیار راستے میں مسافروں کو لوٹتے کھسوٹتے چلے جا رہے ہیں۔)
ایک گاؤں کی طرف سے تاشابجنے کی آواز آئی، جا کر دیکھا، ایک زمیندار
کی برات اتری ہے۔ آموں کے باغ میں ایک بڑی سی دری بھی ہے۔ ایک طرف
لکڑی لگ رہی ہے، نائی چلیں بھر کے دیتے جاتے ہیں، شراب چل رہی ہے، ایک یہاں
بن سری تائیں اڑا رہی ہے، ٹھاکر لوگ ڈٹے بیٹھے ہیں، سپر تلوار سامنے، انگوٹھے
سر پر باندھے ہوئے، دھری مرزئی، نیچے نیوٹوں اور پرین سکھ، مارکین کی دھوتیاں
ہاتھ میں چاندی کی موٹی موٹی انگوٹھیاں، کمر میں کر دھنیاں، دولہا بیچ میں، ایک جادری
میں پیال بھر کے بجائے مسند لگا دیا ہے، دولہا کے گلے میں زرد جامہ، پچرنگا یا جامہ۔
دولہا شتاب کو اٹھا تو ڈھول تاشابجنے لگتا ہے، دیہاتن ناچنے والی بھی نشے میں شراب
کے آڑی تر چھپ تائیں لگا رہی ہے۔ بیروں کا وقت ہے، مگر بھاگ رہی ہیں۔

یہ سامان جو خواجہ نے دیکھا، منہ میں یا نی بھرا آیا، دل نے کہا دو سزا کا لوٹھکانا
ہے، اسی دم یہ سوچ کر رنگ روغن عیاری کا نکالا۔ لوجوان گویے کی شکل بن کر تیار ہوئے
گوری صورت، بھاری ٹوپی سرمہ، ایک کان میں بجلی، ایک میں انگوٹھی ہمشروع کا لکھنا
بھاری جوتا، چھوٹی سی ستاری ہاتھ میں، گنگناتے ہوئے، بوٹی بوٹی پھڑکتی ہوئی محفل
میں آکر ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ ”ٹھاکر جی کے جے رہے! اعلیٰ اعلیٰ مراتب رہیں بکشت امید
سر سبز ہو، کنبے کی بڑھتی رہے! شہر میں غلے کی ارزانی ہو، جنس عشرت کی فراوانی ہو!“
دولہا کے باپ نے پوچھا: ”میاں گویے، کیا نام ہے؟“

کہا: ”حضور ہمارے نانا پیر خاں صاحب آپ کے یہاں کے قدیم آئیو الے
غلام کو استاد بھرنگی کہتے ہیں۔ ہمیشہ دھانوں کی فصل میں آتے ہیں۔ شادی کی خبر پائی ہے
کہا، بیٹا زمیندار صاحب کے یہاں جادو، تمہارے بزرگوں کی برت ہے۔ نانا جی کا کولھا
اتر گیا، باب جوانی میں مرا۔ اب آپ لوگوں کی آس ہے۔“

ٹھاکر صاحب نے کہا: ”بھیا ایک کجل گاؤ۔ دو تین تائیں اڑاؤ۔ چار بیسریا جو

اور سو اسیر مٹھائی ملے گی۔ جب گلہ کئے کھریان پر بھی آوا کر دو۔ سیر کھانڈ لے جاوا کر دو۔
 گویتے نے جھک کر سلام کیا۔ ستاری ملائی۔ زندگی دیہاتن پاس آن بیٹھی، قدم
 چھو کر کہا: ”باں استاد آج تو کوئی پتہ خیال سناؤ۔“
 میاں بھرنگی نے جواب دیا: ”بیٹا، نئی غزل سنو۔“
 اس غزل پر جب زمیندار جھومنے لگے، دونیاں، چوٹیاں ٹینٹ سے
 نکال کر پھینکیں۔ میاں بھرنگی نے چادر ا پھیلا دیا۔

(جلد پنجم - حصہ اول)

بے طرح اور طرح دار

(شہزادہ ایرج اور ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد کی آنکھ لڑ جاتی ہے۔ دونوں اپنی
 اپنی جگہ بے قرار ہیں۔ ملکہ کا باپ اسے پریشان حال دیکھ کر اس کی طبیعت پہلانے کے لئے
 شعلہ رخسار اور لالہ عذار، دو گائیکوں کو بلواتا ہے۔)
 یکایک جشن نے آکر خبر دی کہ ”لوٹدی شعلہ رخسار اور لالہ عذار سے خبر کر آئی
 سامنے بھلی منگوائی تھی، لباس وغیرہ تبدیل کر رہی تھیں۔ حاضر ہوا چاہتی ہیں۔“
 غنچہ دہن (وزیر زادی) نے چپکے سے کہا کہ ”حرام زادی، اپنے ساتھ نہ لائی؟“
 اس نے عرض کی: ”حضور، پتھر بھر میں وہ لباس پہنتی ہیں، زیور پہننے کو تو عرض کیا
 اس کے ٹھسے سے آپ آگاہ نہیں ہیں۔ قوم کی ڈدمنیاں ہزاروں روپے پیدا کرتی
 ہیں۔ بڑے بڑے سردار زادے بلاتے ہیں۔ ان کو فرصت کہاں ملتی ہے؟ یہاں کے
 نام پر بڑ بڑاتی ہیں۔ حضور کے یہاں تو تنخواہ مقرر ہے۔ بیٹھے کھڑے چڑھتی ہے،
 مستی ان کی دن بدن بڑھتی ہے۔ بی شعلہ رخسار کا تو آجکل بازار حسن گرم ہے، نہ جیا
 ہے نہ شرم ہے۔ مردانی صحبتوں میں جاتی ہیں۔ رات رات بھر وہاں سے نہیں آتی ہیں

میں نے ابھی جا کر جگایا۔ ماں بیٹی پڑی ہوئی سو رہی تھیں۔ انھیں تو میں نے دیکھا، ملی دلی کرتی جا بجائے مسکی ہوئی۔ اب اٹھی ہیں، سامان کر رہی ہیں۔“

(ایرج کا عیار شاپور شہزادے کی معشوقہ کے کھوج میں گھر سے نکلا ہے اور تھک ہار کے جنگل میں ایک پیر کے پیچھے بیٹھا ہے)

اسی فکر میں مصروف دعا تھا کہ یکایک تیر دعا صدف مراد پر پہنچا۔ ایک جانب سے گرداڑی۔ دیکھا، ایک بھلی جوڑی نر گاؤ کی نہایت معقول، سینگوں پر بیلوں کے خول چاندی کے چڑھے ہوئے، جھولیں زر بفت کی پشت پر، گھوڑوں سے راہ روی میں تیز تر اڑے ہوئے چلے آتے ہیں، اور اس پہلی میں ایک نازنین، پری تمثال، خوش رو، انگی پشت پر دوسری کہ سن اس کا قریب چالیس برس کے ہوگا، مگر گوری رنگت، دونوں لباس عمدہ پہنے ہوئے، زیور معقول جسم پر آراستہ، طبلے سازنگی ایک سمت لکھے ہوئے جس کا سن زیادہ ہے وہ کہتی ہوئی آتی ہے کہ: ”ارے بیٹی شعلہ رخسار، یہ تیرے ناز اور تساہل ایک دن ذلیل کرائیں گے، غضب ہو ادن چڑھ گیا۔ ملکہ خفا ہوتی ہوں گی۔ کئی دن کے بعد تو آج یاد فرمایا۔ تو نے بناؤ سنگار میں اتنا عرصہ لگایا۔ دیکھے آج کیا ہوتا؟“ وہ جوان عورت ساتھ والیوں سے کہتی ہے: ”امی جان کو سودا ہوا۔ آٹھ

پہریوں ہی بڑبڑایا کرتی ہیں، کیا میں کچھ ملکہ یا سمیں عذار صنوبر قد کی لونڈی ہوں؟ خفا ہوں گی تو کیا ہوگا؟ نوکری تہ کر رکھیں، مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میرے بہت قدر دان ہیں جب جاؤں دو دن آنے نہ پاؤں، فقط امی جان کے ڈر کی وجہ سے جاتی ہوں، ورنہ میری پاپوش بھی نہ جاتی۔ اگر کچھ ملکہ یا سمیں عذار صنوبر قد مجھ سے کہیں گی تو جواب دوں گی کہ بی بی اپنی زبان سنھالو، کلمہ سخت سست مجھ کو نہ کہو۔ میں ایسی نوکری سے باز آئی۔“

یہ جو باتیں، جس کا سن زیادہ ہے، اس کے کان میں پڑیں اپنا منہ سیٹنے لگی کہ: ”ارے شعلہ رخسار، دیکھو تیری آتش خوئی کیا رنگ نکالتی ہے۔ یہ پرانی سرکار ہے۔“

اسی در دولت سے ہمارا عز و وقار ہے۔ اری ان مردوں کی چاہتیں دو دن کی ہیں۔

جب جو بن ڈھلے گا، باغ حسن میں خزاں آئے گی، یہ مستی دماغ سے اتر جائے گی، کوئی دمڑی کو نہ پوچھے گا۔ یہ جو نڈا کیا ہم نے دھوپ میں سفید کیا ہے؟ بڑے بڑے چاہنے والوں کو دیکھ لیا ہے، کبھی ہم بھی جوان تھے، حسن کی بہار تھی، گل رخسار کے سینکڑوں تیل

شمع جہاں کے ہزاروں پردانے تھے، کوئی اپنا گلا کاٹتا تھا، کوئی سنکھیا کھاتا تھا، کوئی اپنی چاہت دکھاتا تھا، کوئی صاحب کہتے تھے بی لالہ عذار، تمہاری محبت میں ہمارا دل داخل ہے، ہمیں اسی طرح ہمیشہ چاہیں گے، عمر بھر نبھائیں گے۔ اور ستانی بتلا تو اب ان میں سے کوئی بھی آتلے، بلکہ دوست سے دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں، بات کر دو جواب نہیں دیتے ہیں یہ مردوئے عاشق ہیں، اپنی غرض کے بندے ہیں، جب اپنی غرض نکل گئی، نشہ اتر گیا، ہوشیار ہوئے، بس چل دیئے۔ اری، جہاں تک ہو سکے ان لوگوں کو اشتیاق میں رکھے ہاتھ نہ لگانے دے۔ تو کچھ لپٹ ہے، ازار بند کی ڈھیلی ہے، ہمیشہ ذلیل رہے گی۔ دیکھو بنو، ہماری نصیحت گوشت ہوش سے سنو۔ اس وقت میں جہاں سے ہو سکے چار پیسے پیدا کر لو، یہ جوانی چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ جو اس وقت پیدا کر لوگی، بڑھاپے میں کام آگے گا، پیسا اپنی گانتھ کا، یا اپنے ساتھ کا، مثل مشہور ہے، ابھی ہماری باتیں بری معلوم ہوتی ہوں گی، مرچیں لگتی ہوں گی، میں دیوانوں کی طرح بک رہی ہوں، نگوڑی ٹکڑ ٹکڑ منہ دکھتی ہے۔ بات کا جواب نہیں دیتی۔ اتنا منہ سے نہیں نکلتا کہ امی جان، اب ایسا ہی کروں گی مردوں کو لوٹوں گی۔ ہماری پالوش سے! ہماری تو وہی مثل ہے، بقول شخصے، گذر گئی گذران، کیا جھوٹری کیا میدان! میرا پرانا چاہنے والا، تیرا باپ بیچارہ اسی طرح خدمت میں حاضر ہے، پانی بھرتا ہے اپنا گھر چھوڑ کے، بال بچوں سے منہ موڑ کے میرے یہاں پڑا رہتا ہے۔ کیسے کیسے ظلم سہتا ہے، اس کی جو دردور کی صورت ہے، میری خاطر سے اسے آنکھ بھر کے نہیں دیکھتا ہے۔“

..... وہ بھلی اسی نخل کے سائے میں آکر ٹھہری۔ شعلہ رخسار نے کہا:-

”امی جان، ذرا پیشاب کر لوں پ“

لالہ عذار نے کہا: ”اری مستانی، مثل ٹھیک ہے کہ شکار کے وقت کیا بگای دیکھو، صاحبو، ابھی ہم نے پہر بھر سر پھرایا ہے۔ اس کا یہ طہور ہے۔ گھر سے یا تو نکلتا دشوار تھا۔ اب چلی ہیں تو رات میں ہنگنا موتنا یاد آیا ہے۔“

شعلہ رخسار نے کہا: ”امی جان، میرا پیشاب نکلا جاتا ہے، تم تو ہر بات میں جھگڑتی ہو، ہوا سے لڑتی ہو، تمہاری کائیں کائیں نے میرا سر پھرا دیا ان کے مارے مکنی موتی بند ہوتی ہے۔“

یہ کہہ کر لٹیا ہاتھ میں لے کر پانچے سنبھال کر بہلی سے کود پڑی۔ ایک ضرعہ نخل کی جانب چلی۔ لالہ عذار نے کہا: ”مھے مھے، میں اپنا سر پیٹ لوں گی۔ اس چھو مری کی واسطے جان دوں گی، یہ جنگل کا ساٹنا! ابھی کچھ ہو جائے تو میں کیا کر دوں! بات نہیں مانتی بڑی ضدن ہے۔“

لالہ عذار بکا کی، لیکن شعلہ رخسار جنگل میں گھس گئی۔
(شاپور اسے بے ہوش کر کے الگ ڈال دیتا ہے، اور خود اس کی شکل کا بن جاتا ہے۔)

ذرا عرصہ جو ہوا، لالہ عذار بہلی سے پٹتی ہوئی کود پڑی اور یہ کہتی ہوئی چلی آ رہی ہے، ”مر گئی، مھے مھے، کچھ سایہ سکھ نہ ہو جائے، بھوت پریت نہ لیٹ جائے۔“
شاپور نے..... فوراً آواز دی: ”امی جان تم بھی یہاں آؤ۔ ایک تماشہ دیکھو۔ سانپ اور نیولا لڑ رہا ہے۔ اے لو، سانپ نے نیولے کو کاٹا۔ نیولا لڑ کھراتا ہوا بھاگا، ایک پتی کھا کر پلٹا، سانپ کو مار ڈالا۔“

لالہ عذار پٹتی ہوئی قریب پہنچی، ایک دو ہڑ مارا۔ کہا: ”آگ لگے سانپ اور نیولے کو۔ چل بہلی پر سوار ہو گی کہ نہیں؟“
شاپور نے ایک قہقہہ مارا اور کہا: ”تم اس جنگل میں آج گاؤ۔ ہم جنات کے بادشاہ ہیں۔ بہت روپیہ دیں گے۔ جانی، تم سے آشنائی کریں گے۔ یہ کہہ کر آپ بھی چٹکیاں بجا کر گن گنایا۔ پھر چپ ہو گیا۔

لالہ عذار پیٹنے لگی: ”ارے ساتھ والیو، دوڑو۔ میری بچی کو کیا ہو گیا؟“
وہ سب بدحواس ہو کر دوڑیں۔ آکے دیکھا شعلہ رخسار چپ کھڑی ہے، ماں پٹتی ہے، وہ کچھ جواب نہیں دیتی ہے۔ ساتھ والیوں نے کہا: ”بی بی عذار ہم کو تو سودا ہے، خاصی بھلی جنگی ہیں۔ ناحق گھبراتی ہو، فال بد منہ سے نکالتی ہو، کیسا نگوڑا بھوت پریت!“

لالہ عذار نے کہا: ”تم نے نہیں سنا؟ ابھی کہتی تھی کہ میں جنات کا بادشاہ ہوں، اس جنگل میں گاؤ، روپیہ بہت سا دیں گے۔“
یہ سن کے وہ بھی سب گھبرائیں۔ قریب آکے پوچھنے لگیں، ”کیوں بی بی،

کیسا مزاج ہے؟ بادشاہ جنات کا کہاں ہے، ہم گاتے ہیں، لاؤ روپیہ دو۔“
 لاکھ لاکھ سب پوچھتی ہیں، مگر وہ مثل تصویر خاموش ہے۔ نہ منہ سے بولتی
 ہے، نہ سر سے کھیلتی ہے۔ کوئی بلائیں لیتی ہے، کوئی صدقہ ہو کر جان دیتی ہے، اور
 کہتی ہے: ”ارے بی بی، ابھی کیا تھا، کیا ہو گیا ہے؟ ہزرگوں کا قول سچ ہے گھڑی
 میں گھڑیاں۔ ایک دم میں بھوچال! صے صے، اب کس کے ساتھ گائیں گے؟ مشتاق
 ترپ ترپ کے مرجائیں گے۔“

..... آکر سبھوں نے گود میں اٹھالیا، پہلی پرلاکے بٹھایا۔ یہ صلاح ہوئی
 کہ ملکہ کے پاس لے چلو، وہ پڑھی لکھی ہیں، فال تو یہ بھی یقین ہے کہ جانتی ہوں گی۔ یہ سوچ کر
 گاڑی بان سے کہا: ”ارے بھڑوے، پہلی جلد بڑھا، دیر نہ کر، تاہم دربار خجلدی
 پہونچا۔ میری چودہ برس کی کمائی برباد ہوتی ہے..... ہائے میں تو تصدق بھی اتنا
 چکی۔ ان کی سلامتی کی روزنہ در نیاز کرتی تھی۔ آج کس ساعت نخس میں گھر سے نکلی، یہ
 آفت سامنے آئی۔ اے خداوند تقار! میری بچی کو صحت دے۔ تیرا رت جگا کر دے گی
 سلامتی گاؤں کی، شہر کی سب ڈومینیاں بلاؤں گی۔“

(ان کی پہلی شکر میں پہونچی تو) کینہ دان، رسالدار کھنکارے، آوازے کئے
 لگے۔ کوئی پکارا، میاں جانے والے، ذرا جوانوں کی سمت بھی آنکھ اٹھاؤ۔ ایک
 پکارا: ”ہائے کیا آنکھڑیاں ہیں!“ ایک بولا قیامت کی جھون ہے۔“
 یہ بامیں جو لالہ عذار نے سنیں، گالیاں دینے لگی: ”ارے بھڑو، میری
 بچی کو تم لوگوں کی نظر کھا گئی۔ جن کا سایہ ہو گیا۔“

بہت جوان یہ سن کے قریب پہلی کے آگئے۔ اور پوچھنے لگے کہ: ”کیوں
 بی لالہ عذار، خیر تو ہے؟ ہم تو تمھاری صاحبزادی کے دعاگو ہیں۔ مفصل کہو، کسی
 نے آنکھ دکھائی ہو تو آنکھ نکال لیں۔“

لالہ عذار نے رد کر کہا: ”کس کو بتاؤں؟ آفت آسانی آئی ہے، پون پانی
 کا سامنا ہے!“

سب جوان تسکین دینے لگے: بی لالہ عذار، نہ گھبراؤ۔ خداوند تقار موجود
 ہیں۔ ان سے جل کے کہیں گے۔ وہ بھوت پریت، دیو جن کو ایک اشارے میں قید کر لیں گے،

لالہ عذار نے کسی کی بات کا جواب نہیں دیا، اور باغ پر اتری۔ محل دار بی بی لذت کرسی پر بیٹھی تھی۔ لالہ عذار سے بھنا یا بھگے، دودھ چاول ساتھ کھائے، میں۔ دیکھتے ہی نیکاری ”او خیل کہاں تھی؟ جب دس پیغام جائیں تب تو گھر سے نکلتی ہے ابڑی مغرور ہو گئی ہے۔ بھلا اب ہم سے کاسے کو آنکھ ملائے گی! یہاں کیوں آئے گی! دھکڑوں سے فرصت کہاں!“

لالہ عذار دوڑ کر لیٹ گئی، اور رو کر کہنے لگی کہ ”بوالذت، میں لٹ گئی! اپنی بھانجی کا حال دیکھو کہ کیا ہو گیا ہے۔ گھر سے اچھی خاصی چلی تھی۔ راہ میں فقط، پیشاب کو اتری تھی۔ نہیں معلوم، وہاں کون سی بلانا زل ہوئی۔ میری بچی چپ ہو گئی ہے“ بی لذت محل دار نے تو لالہ عذار کو چھوڑا۔ جھپٹ کر قریب شعلہ رخسار کے آئی پوچھا ”کیوں چھو کر کی، کیسی ہے؟ بات کیوں نہیں کرتی ہے؟“

شعلہ رخسار نے کہا کہ ”اب ہم جائیں گے۔ ہماری شادی ہے“ اب تو بی لذت یہ سن کر دور بھاگیں، بہت سی کنیزیں یہ غل شور سن کر باہر آ گئیں، پوچھنے لگیں کہ ”کیا ہوا، کیا ہوا؟“ لذت نے کہا: ”ارے شعلہ رخسار پر جن چڑھ بیٹھا ہے عجب عجب باتیں کرتی ہے“

کنیزیں بھدر بھدر دڑیں، باغ میں سامنے ملکہ کے آئیں... کہا حضور شعلہ رخسار کو کچھ ہو گیا۔ دروازے پر چکی کھڑی ہے۔۔۔۔۔

ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد نے کہا: ”جاؤ ہمارے سامنے لاؤ۔ بھوت پریت جن دیو کیسا، کسی رنج و ملال میں ہوگی۔ ہم پوچھ لیں گے“

کنیزیں چلیں، یہاں دروازے پر غورتوں کا ہجوم ہو گیا ہے، چاؤں چاؤں کر رہی ہیں۔ جیسے بردقت لیسے کے چڑیاں بولتی ہیں۔ ان کنیزوں نے آکر سب کو ہٹایا پکار گے کہا: ”بی بی لالہ عذار، چلو، تمہاری بیٹی کو ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد بلاتی ہیں“

لالہ عذار نے ہاتھ پکڑا کہ ”بی بی، چلو ملکہ یاد فرماتی ہیں“ شعلہ رخسار چل نکلیں۔ گردن خواصوں کا ہجوم، جدھر شعلہ رخسار نگاہ اٹھا دیتی ہے، سینکڑوں عورتیں بھد بھد بھاگتی ہیں۔ کوئی چمن میں گری، کوئی یہ کہتی ہوئی بھاگی۔۔۔

’اے بوا دیکھو مجھ کو کس نگاہ سے گھورا ہے! شیر کے تیور میں! بے شک جن کا سایہ ہوا۔
اب مجھ کو یقین آگیا۔ ہماری پڑوسن کے بھی ایک جن آتا تھا۔ غضب کی باتیں بتاتا تھا ہری
لونگی۔ ہری لالچیاں جو مانگو دیتا تھا۔ آخر چند دن میں مر گئی۔ کسی ملا سنانے سے کچھ نہ ہو سکا۔
وہی آنکھ اس کی ہے۔ چہرہ سرخ ہے بس، بوا۔ چند دن میں شعلہ رخسار کو یہ جن لچا لچکا۔
ایک نے کہا ”چپ رہ، خیلا۔ دیوانی ہے؟ اری ہم سے پوچھ کہ جنگل جنگل پھرتے

ہیں۔ نہ کسی دیو کو نہ جن کو، بھوت پریت کو دیکھا۔ یہ سب ڈٹکو سٹے ہیں۔
شعلہ رخسار نیل بان ہے۔ یہ بھی ایک بات ماں کے ڈرانے کے واسطے بنائی ہے کہ
بائے وائے ہو، صدقے چلے اتریں۔ میں خود ابے فریب کر چکی ہوں۔ میرا میاں بڑا بد مزاج
تھا، کہیں نکلنے نہ دیتا تھا، اور زمانہ میرا جوانی کا تھا، چوڑا مزے دار، جی جاتا تھا
چار گلیوں میں پھریں، چار مردوں کو دیکھیں، اپنے سنیں دکھائیں۔ جوانی کے مزے اُڑائیں
وہ گھوڑا آٹھ پہر دروازے میں قفل لگا کے جاتا تھا۔ ہوا کا بھی گذر نہ تھا۔ بس میں نے ایک
دن سر پھول کے کھیلنا شروع کیا۔ دیوار و در میں ٹکریں ماریں، دیوار انیاں، جھانپیاں،
ساس یہ کہہ کے پیٹنے لگیں کہ مے مے، میری بہو پر کوئی چڑھ بیٹھا۔ محلے والو، دوڑو،
میری داد کو ہونچو، ارے کسی ملا سنانے کو بلاؤ۔ تمام گھر عورتوں سے بھر گیا۔ میں دو تین
ٹکریں مار کے چلے ہو کے بیٹھ رہی۔ سب نے پوچھنا شروع کیا، میاں، کون صاحب؟
میں نے کہہ دیا شیخ سدو ہوں، یہ تو میری منشوقہ ہے، لیکن اس کے میاں کو مار ڈالو،
کیونکہ ہمارے قالب پر جو ر و ظلم کرتا ہے۔ اس غصے میں ہمارے میاں مور کھ بھی آگئے۔
انھوں نے ہونہنگامہ دیکھا، گھبرا گئے۔ ہاں ان کی دوڑ کر ان سے لپٹ گئی اور کہنے لگی کہ
بیٹا جو رو پر ہاتھ نہ اٹھانا، وہ حضرت شیخ سدو کا قالب ہے، ہمارے ہنرگوں کا یہ اس
کر چکے ہیں۔ بس پھر تو ساس صاحب نے بکرا دیا، کڑھائی کی، اس دن سے میاں میرے
کوڑیا غلام ہو گئے۔ جہاں ذرا ٹرائے، میں نے کہا، شیخ جی سے کہہ دوں گی۔ بس
دو ہاتھ جوڑنے لگتے تھے۔ بس، بوا اس دن سے گھر میں دھاک بندھ گئی۔ ویسا ہی اس
شعلہ رخسار نے بھی فقرہ بتایا ہوگا۔ ماں پر دباؤ ڈالنا منظور ہے۔“

کنیزوں میں تو یہ باتیں ہوتی تھیں۔ مگر شاہ پور شیر دل آکر سامنے ملکہ سیں
خدا رسنو برقد کے پہنچا۔ چپکا کھڑا رہا، سلام بھی نہ کیا۔ ملکہ نے جب دیکھا کہ

شعلہ رخسار سامنے کھڑی ہے، قبضے پہ ہاتھ ڈال کے آواز دی کہ ”کیوں، شعلہ رخسار، یہ کیا معرکہ ہے؟ بڑھیا ماں کو کیوں رلاتی ہے؟ بڑھاپے میں ماں کو ستاتی ہے؟ اور آج ہمارا ادب اور قاعدہ بھی بھولی، سلام تک نہیں کرتی؟ ہم کیا تیرے سلام کے محتاج ہیں؟ عنایت لقا سے خود صاحب تخت و تاج میں۔ خیر اسی میں ہے کہ بیٹھ جا، ورنہ ایک نیچہ مار دوں گی کہ سر کو کھاتا پھرے گا۔ تو نے مجھے بھی اور کوئی بنایا ہے؟ میں دم میں بھر میں بھڑوے دیوانے کو مویشیاں بنا دیتی ہوں۔“

شاہ پور... جلدی سے بیٹھ گیا... ملکہ نے پھر کہا: ”کیوں، شعلہ رخسار ہماری بات

کا کچھ جواب نہ دیا؟ کیا ہمیں بھی دیوانہ بنایا ہے؟ باتیں کرو، اپنے دل کا حال بیان کرو۔“

جب شعلہ رخسار اس تاکید پر بھی نہ بولی، تب لالہ عذار نے کہا کہ:-

”واری، آپ الگ رہیں۔ یہ مردانی باتیں کرتی ہے۔ جنگل میں پیشاب کو گئی تھی وہیں سے یہ خرابی ہوئی ہے۔“

ملکہ نے کہا: ”دیکھو ہم تباہ دیتے ہیں۔ چونکہ عشق میں خود مبتلا تھی، دل میں اپنے کہتی تھی کہ... مثل شیرے شاید یہ بھی نسی پر عاشق ہوئی ہے۔“ یہ سوچ کر کہا: ”لالہ عذار، تم گھر جاؤ۔ شعلہ رخسار کو یہیں چھوڑ دو۔ ہم ان کا علاج کر دیں گے۔ ملا، سیانا، طبیب، حکیم، جو مناسب ہو گا بلائیں گے یا نہ بلائیں گے۔ اس کو صحیح سالم تمہارے حوالے کر دیں گے۔ دو ایک دن یہاں رہے گی۔ اچھی ہو جائیگی۔“

لالہ عذار نے کہا: ”واری، ایسا نہ ہو کہ کچھ حضور کو خلل ہو جائے تو آپ کے والد نادار میری ناک چوٹی کاٹیں گے۔ سب صاحب کہیں گے، آسیب کو ملکہ کے پاس کیوں چھوڑا۔ ابھی آپ کا بھی نام خدا، کنورا سنا ہے۔ ابھی دنیا کا کیا دیکھتا ہے۔ ماں اتنا ہے کہ آپ پڑھتی لکھتی ہیں، آپ کی چار آنکھیں ہیں۔“

ملکہ نے جواب دیا کہ تجھے ان باتوں سے کیا مطلب ہے؟ ہم اسے سمجھ گئے ہیں۔ دوائے صحت کھلا دیں گے، جلد اچھی ہو جائے گی۔ تشخیص عارضے کی ہو گئی۔ اب اچھا ہونا اس کا کیا مشکل ہے۔ کل تجھ سے پٹر پٹریا میں نہ کرے تو ہم کو ملکہ سے عذار صنوبر قد نہ کہنا۔“

لالہ عذار کو ملکہ نے رخصت کیا۔ کنیزوں سے کہا: ”جاؤ اپنے اپنے کاموں

میں مشغول ہو۔ ہم کو کھیر کے نہ بیٹھو۔ میرا دل گھبراتا ہے۔ شعلہ رخسار کو کائیں کائیں کر کے دیوانہ بنا دیا۔ کس کس سے وہ بولے؟ کس کس کی باتوں کا جواب دے؟ ہم اپنی شعلہ رخسار سے کوٹھے پر جا کے باتیں کریں گے۔“

یہ کہہ کر شعلہ رخسار کا ماتھ بکڑ لیا، کوٹھے پر لے کر چلی..... وہاں دو کرسیاں بچھی تھیں۔ ایک پر ملکہ بیٹھی، ایک پر شعلہ رخسار کو بیٹھایا، اور مسکرا کر فرمایا کہ: ”اے شعلہ رخسار، سچ بتاؤ، یہ کیا معرکہ ہے، ہم تار گئے ہیں؟“

..... شاہپور نے..... ہاتھ باندھ کے عرض کیا کہ: ”ملکہ کچھ بھی نہیں“

ملکہ نے کہا، ”کیوں چھپاتی ہے؟ سچ کہہ، کس پر عاشق ہوئی؟ ہم خوب پہچانتے ہیں حضرت عشق کے آثار تیرے چہرے سے ہو رہے ہیں۔ اچھا، خوف کیا ہے؟ بتا دے، میں اس کے وصل کی تدبیر نکالوں گی۔ تیری ماں سے نہ کہوں گی۔ تیرے عشق تک پہنچا دوں گی۔ اری کجوت، جلد زبان کھول۔ کچھ منہ سے بول۔ بلے مارے کیا کہوں؟ میں بھی اسی آفت ناگہانی میں مبتلا ہوں۔ آٹھ پہر مجھ پر بھی تڑپے تڑپے گزرتے ہیں۔ نہ کھانے کی خواہش ہے، نہ پانی کی ہوس ہے۔ جی چاہتا ہے پیچیں مار کے روؤں، کسی سحر اے ویراں میں نکل جاؤں، بہاڑوں سے سر ٹکراؤں..... والد نامدار آئے، وہ کچھ بکا گئے۔ میں نہیں سمجھی کہ کیا کہا گئے، کبھی نور الدین کا ذکر کیا کبھی شاہزادہ ایرج نوجوان..... کی شجاعت کا حال بیان کیا۔ کچھ تجھ کو بھی معلوم ہے، ایرج نوجوان کون صاحب ہیں۔ آتنا تو سنا کہ صاحب جاہ و لشکر ہیں، بڑے بہادر ہیں۔ ہر چند کہ میں بخوبی واقف نہیں ہوں، مگر آتنا تو ہوا کہ والد نے نام نامی اس شہر یار کا بھولیا، دل تڑپنے سے ٹھہرا۔ اس وقت سے جی چاہتا ہے کہ کوئی اسی شخص کا ذکر کئے جائے، اسی کی شوکت و جرات کا حال سنائے۔“

یہ سن کر شاہپور شیر دل کے دل کو تسکین ہوئی۔ دل میں کہنے لگا کہ کیا عجیب ہے کہ یہ وہی گل ہو کہ جس کا میرا قابیل ہوا ہے۔ کہا: ”واری، کیا کہوں، عجب مصیبت میں ہوں۔ ہر چند کہ میں گھر گھر جاتی ہوں، سینکڑوں مرتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہ کیا مگر آج دوسرا دن ہے کہ صحرا سے میری ڈولی آتی تھی، ایک جوان مرکب سہ شمشیر پر سوار... بھولی بھالی صورت، صاحب شوکت و جلالت، کمان کیانی ہاتھ میں، دلربائی بات

بات میں، ایک ہرن کے تعاقب میں تھا۔ وہ ہرن بھاگا ہوا میری ڈولی کے سامنے سے گزرا۔ اس قدر انداز کا بل سے تیرا را، آہو زخمی ہوا۔ وہ تیر دل دوز میرے بھی کیلجے کو توڑ کے پار نکل گیا۔ وہ کھوڑے سے کودا۔ آہو کو ذبح کرنے لگا، وہ چھری گویا میرے کیلجے پر پھرتی تھی۔ جب اس نے اسے ذبح کر کے سراٹھایا، مجھ سے چار آنکھیں ہو گئیں۔ میں ذبح ہو چکی تھی، وہ بھی سبل ہوا۔ ”بائے جان جہاں“ کہہ کر زمین پر گر اے بے ہوش ہو گیا۔ مثل مرغ نیم سبل پھڑکنے لگا۔ کبھی آنکھیں کھولتا تھا، کبھی بند کرتا تھا، لیکن میرے رعب صحن سے بول نہ سکتا تھا۔ اس حال پر، اس کے داری جاؤں، مجھ کو بھی سکتہ تھا۔ اس وقت، داری مجھ کو رحم آگیا۔ قصد کیا، ڈولی سے اتروں، سر اس کا اٹھا کر زانو پر رکھوں، لذت ہمکناری محبوب اٹھاؤں، اتر کر ڈولی سے اس سے لیٹ جاؤں مہر اسے کہہ رہی تھی کہ ذرا ٹھہر جانا کہ ناگاہ پہلی اماں جان کی سامنے سے نمایاں ہوئی۔ آپ تو جانتی ہیں ہر وقت کائیں کائیں کرتی ہیں، نہ نیک مطلب، نہ بد سے غرض۔ وہیں سے پیچھے لگیں، ارے مہرا، ڈولی کیوں روکی ہے؟ جلد بڑھا، میرے کھانا کھانے کا وقت جاتا ہے، جلد گھر پہنچا۔ ان کی بھیانک آواز سن کر کہاں دوڑے بس، داری، ڈولی لے کر ہوا ہو گئے۔ میں پھر پھر کے دیکھتی جاتی تھی۔ مگر مجبور وناچار بے قرار و اشکبار، گھر پہنچی۔ لوگوں سے مخفی مخفی دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جوان، صاحب غزم و شان بصرہ صاحب قرآن تھا۔ پھر، اے ملکہ عالم، نہیں معلوم اس بد نصیب پر کیا گزری، جتنا ربا یا میری محبت میں مر گیا!“

یہ سن کر ملکہ سیمیں غدار صنوبر قد نے غصے سے کہا کہ ”ذرا بی شعلہ رخسار جو نخ اپنی بند کرو۔ کسی رئیس جلیل کے مرنے کا اس طرح ذکر نہ کرو۔ آخر قوم کی ڈوبنی ہے نا! ہر چند کہ تمھارے معشوق ہیں، مجھے کیا کام؟ خدا کی قدرت کہ وہ بھی تم پر مرتے ہیں۔ بواؤہ جو تم پر مرتے ہوں گے، وہ بصرہ صاحب قرآن نہ ہوں گے، کوئی گنوار سنوار ہوگا، کسی ٹوے پر سوار ہوگا۔ بھاڑ سامنے کھول دیا، جو چاہا بکنا شروع کیا، تو کیا جانے، بابا جان میرے ان کی تعریف کرتے تھے۔ وہ خداوند ز مرد شاہ باختری کے نواسے ہیں، صاحب قرآن کے پوتے۔ کیا فقرہ گرما کر مہیے، وہ بی شعلہ رخسار پر عاشق ہوئے ہیں، سچ کہوں، تو نے جو یہ کہا کہ نہیں معلوم مر گئے یا جیتے ہیں، مجھ کو

بہت ناگوار ہوا۔ میں نے بڑا تیرا پاس کیا ورنہ اس زبان درازی پر تیری زبان کاٹ لیتی۔
ایسی سزا دیتی کہ تم عمر بھر یاد کرتی ہو۔“

یہ بات سن کر شاپور شیردل باغ باغ ہو گیا۔ کھل کھلا کے ہنسا۔ یہ تو
خوب اس کے دل کو یقین ہو گیا کہ یہی میرے آقا کی مشوقہ ہے۔ اب تو گستاخ
ہو، تیوریوں کو بدل کے کہا کہ ”حضور، کاہے کو خفا ہوتی ہیں؟ ہم دو آپس میں
طالب و مطلوب ہیں۔ وہ ہمارے محبوب ہیں۔ ابھی میں نے آپ سے صاف صاف نہیں
نہیں کہا، ان کا پیغام وصل بھی میرے پاس آچکا۔ ایک کٹنی عورت آئی تھی، مجھے سمجھاتی
تھی کہ میاں ایرج تم پر مرتے ہیں، چل کے اپنے بیمار کا علاج کرو، رحم کرنا بہتر ہے،
اس قدر تغافل مناسب نہیں ہے۔ میں نے جواب صاف ازراہ ناز دیدیا کہ ابھی مجھے
فرصت نہیں ہے، بی بی، ہر چند کہ حال میرا بھی ابتر ہے، جان میری جاتی ہے، مگر
امی جان کا قول ہے کہ مردوں کو خوب دوڑائے، رند ی اپنی چاہت کو چھپائے،
اس کے فقرے میں نہ آئے۔ جب مردوے ہاتھ جوڑیں، پاؤں پر گریں، تب کم شرم
راہی ہو، یکایک ہاتھ نہ لگانے دے۔ فرمائشیں کرے، زرد جو اہر جہاں تک ہو سکے
کھینچے۔ اور ضبط کا یہ انجام ہوا ہے کہ اسی میں آنکھ کے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے خیمے
کے دن رات میں سو سو پھیرے کرتے ہیں۔ درخیمہ پر کھڑی رہتی ہوں۔ کبھی آنکھ دکھائی،
پر وہ چھوڑ لیا، کبھی غصے سے منہ کو موڑ لیا، کبھی منہ چڑھایا۔ انگوٹھا دکھایا، کبھی
ناز مشوقانہ کیا۔ کہہ دیا ہٹ جاؤ، امی جان آتی ہیں۔ بے چارہ ڈر کے مار بھاگ
جاتا ہے۔ گھڑی بھر میں دیکھا پھر موجود۔ دھوپ میں کھڑا جل رہا ہے۔“

ان باتوں کو سن کر ملکہ سیمیں غدار صنوبر قد کو غصہ آیا، چہرہ سرخ ہو گیا۔
تاب صبر نہ باقی رہی۔ نیچہ ہلائی کھینچا۔۔۔۔۔۔ آواز دی: ”ادشکہ رخسار، تیری
قضا آئی ہے؟ ایسے بیہودہ کلام ہمارے سامنے؟“

یہ کہہ کر چا بانیمچہ مارے، شاپور شیردل گہرا کے قدموں پر گر پڑا۔ ”ہاں ہاں،
حضور تامل فرمائیے۔ کیا مجال میری کہ ایسے کلمات زبان سے نکالوں؟ اصل مطلب ہے
تو آگاہ ہوئے۔ بھر قتل کا اختیار ہے۔ یہ گنہگار مجبور و ناجار ہے۔“

ملکہ کو اس وقت غصہ تھا، نیچہ گلے سے نہ ہٹایا کہا: ”بتلا کیا کہتی ہے؟“

اب کوئی عذرتیرا ہرگز قبول نہ ہوگا۔“

اب شاپور شیردل کو سوائے سچ کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوا۔ عرض کیا:-
”غلام اسی شیرنستان صاحبقران کا غیار ہے۔ میرا آقا حضور کے عشق میں بہت
بے قرار ہے۔ غلام کو تلاش کرتے ہوئے آٹھ پہر گزریں۔ بہ منسلک یہاں تک پہنچا۔“
(جلد پنجم - حصہ اول)

اک ٹیڑھ سادگی میں

(صمصام جادو، لالہ زار زگرسی چشم کے عشق میں مسلمانوں کو چھوڑ کر افراسیاب
سے آگیا ہے۔ عیار اس کی فکر میں ہیں۔ ایک دن اسے لالہ زار کا خط ملتا ہے کہ رات
کو مجھ سے باغ میں آکر ملو)

رات کا وقت، صحرا میں سناٹا، فراش مانتا بے برابر فرش چاندنی زمین
پر بچھایا ہے۔ صبح کا گمان کر کے اکثر جانور آشیانوں میں چہک اٹھتے ہیں.....
صمصام نمک حرام جوش محبت میں چھٹا ہوا جاتا ہے، چہار طرف نگاہ اٹھا اٹھانے
دیکھ رہا ہے۔ کوئی کوس بھر راستہ طے کیا ہوگا، ایک نخل کے سائے میں آکر ٹھیرا
دل سے کہتا ہے اس باغ کا کیونکر پتہ ملے، کیونکر اس سرور خراماں بوستان حسن کو
پاؤں، یا سامری حمید، جلد پہنچوں، جس وقت سامنا ہوگا، کیا کیا شکایتیں ہوں گی،
میں ان کی بات کا کیا جواب دے سکوں گا، مائے اس جان جہاں نے کیا کام کیا،
اپنے کو واسطے میرے بدنام کیا، معشوقہ گوشہ نشین کی یہ مہربانی اکیلے باغ میں مع چند
کنیزوں کے آنا صرف تقاضائے محبت کے سوا اور کیا ہے؟ مجھ کو اپنا غلام بے دام
بنالیا۔

صمصام جادو دل سے یہ مائیں کر رہا تھا کہ سامنے سے ایک ناز میں کود کھلا
بھولی بھولی صورت، دوپٹہ آب رواں کا اوڑھے ہوئے، طلس کا پابجامہ، پانچوں میں

گرہ دی ہوئی، دوڑی چلی آتی ہے، ذرا پتہ کھڑکتا ہے تو ڈرجاتی ہے ”یا خداوند
 لقاء! کہہ کر پھر قدم بڑھاتی ہے۔ کبھی کہتی ہے: ”کیا الٹا زمانہ ہے! نامہ پہونچائے
 ہوئے پہر بھر گزرا، اس نگوڑے ننگ عشق نے خبر تک بھی نہ لی۔ بی لالہ زار نہ کسی
 چشم ناخق جان دیے دیتی ہیں۔ شاید میری موت قریب ہے۔ جنگل سے کوئی شیر،
 بھیڑ یا نکل آئے گا، مجھ مردار کو کھا جائے گا، واہ، رفاقت کا کیا مزا ملا ہے؟ دوڑتے
 دوڑتے پیچھے پھری پھول گئی۔ نگوڑا صمصام ملتا تو دانتوں سے بوٹیاں کاٹتی۔“
 یہ تقریر جو اس خواص کی صمصام نے سنی، سمجھا ملکہ کی خواص ہے، مجھ کو ڈھونڈتی
 پھرتی ہے۔ حقیقت میں میں نے بڑی دیر لگائی۔ پکارا: ”اے بی بی، یہ گنہگار یہاں
 حاضر ہے۔“

دیکھتے ہی دیکھتے وہ عورت ادھر بیٹھی، قریب آکر ایک دو ہٹ مارا اور
 کہا: ”ارے تلوار تیرا ہی نام ہے؟“
 صمصام ہنسنے لگا اور کہا: ”بی بی، کسی کا تلوار بھی نام ہوتا ہے؟“
 اس نے کہا: ”میاں چاہا جیسے بایں نہ کرو، میں کچھ جاہل نہیں بغایت
 سے سامری کی کچھ تھوڑا بہت پڑھی لکھی بھی ہوں۔ ملکہ تلوار ہی تلوار کر رہی ہیں۔“
 اس نے خوش ہو کے کہا: ”نہیں بوا، صمصام جنگ آزمائے خونریز زرد پو
 کہا ہوگا۔“

اس نے کہا: ”نگوڑا بوا کس کو بناتا ہے! بوا ماما اکیل کو کہتے ہیں۔ ارے
 یہی کہا ہوگا، میری جوتی جانے! کہیں جلدی چلو، اب دیر نہ کرو۔ شام سے ٹپا
 رہی ہیں اکیلی باغ میں حرف چار کنیزیں، وہ تینوں تو نگوڑی پردے کی بو بو ہیں۔ میں کبخت
 بازدار کی پھر نے والی، شام سے دوڑتے دوڑتے پاؤں ٹوٹ گئے۔ کبھی حکم ہوتا ہے چھوٹی
 چاندنی اٹھا لاؤ۔ کبھی گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا: بوا چھو چھو، ایک گلابی بھی لیتی آنا، بچار
 تھکا ماندہ آئیگا، ایک جام پئے گا، تم کو دعا میں دے گا۔ جب یہ سامان جمع کر دیا،
 رونے لگی کہ یہ کاغذ بھی ان تک پہونچا دو۔ مگر خبردار کوئی دیکھنے نہ پائے۔ میں بد نصیب
 وہاں دوڑی گئی۔ تمھارے خدمت گار کو نہ دیا۔۔۔۔۔۔ وہی پلٹ کر پہنچی تھی، کہا پھر
 جا، شاید نامہ ان تک نہیں پہونچا۔ میں اس وقت سے پھیل پائیوں کی طرح جنگل میں

دوڑی دوڑی پھر رہی تھی۔ اب چلو گے کہ یہیں مر رہو گے؟“
صمصام نے کہا: ”ملکہ، چلو، جلد مجھ کو اس یار جادو دانی، محبوب جانی تک پہنچا دو
آج کے احسان کا جو زندہ ہوں، تو معاوضہ کروں گا۔“

چھو چھو سنسنے لگی اور کہا: اب تمہاری زندگی کہاں؟ موت کا سامنا ہے۔
کاند تمہاری زندگی کا پھاڑ ڈالا گیا۔ بے حیالی سے جیتے ہو، لوصاحب، یہ ہم کو کچھ دیں
گے، ہماری بی بی کی روٹیوں پر پڑے رہیں گے، ارے، تو بڑا خوش نصیب ہے، بی لالہ
زارنگی شتم نے صندوقچے کے صندوقچے سرکار سے ملکہ حیرت جادو کے ارٹائے ہیں۔ وہ
سب تمہارے واسطے ہیں۔ خود ملکہ ہم کو دینے والی کیا کم ہے۔ بس تمہارا بڑا احسان
یہ ہے کہ میری چھو کوری کورنج و ملال نہ دینا، کوئی زندگی بوند نہ کرنا۔ میں نے گودیوں
میں پالا ہے، بڑی ضدن ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر دن بھر کھانا نہیں کھاتی۔“
صمصام نے کہا: ”نہیں، خدمت گزار ی میں فرق نہیں ہوگا۔“

غرض ایسی باتیں باہم گزرتے ہوئے دونوں چلے..... صمصام بعد تھوڑی
دیر کے جو..... وسط باغ میں پہونچا، دیکھا، ایک چوترا سنگ مرمر کا، اس پر فرشتہ
مختصر سا بچھا ہوا، مسند ناز پر ایک طاؤس طنائہ، قریب تین کنیریں، جو پاس کھڑی
ہے وہ جھکی ہوئی ملکہ سے کچھ کہہ رہی ہے۔ صمصام چھپٹ کر چوترا سے پر آیا۔ اب قریب
سے اس ماہ تاہاں کو دیکھا، ناز نہیں، خوشخو، پری رو..... قریب تھا کہ صمصام غش
کھا کر گرے۔ لیکن بمشکل ضبط کیا، اپنے تئیں سنبھالا، مگر ”اف!“ کہہ کے ہاتھ کلیجے
پر رکھ لیا۔ وہ قاتل عالم اپنے مقام سے اٹھی، کہا: ”صاحب، آئیے، تشریف لائیے
واہ وا، خوب راہ دکھائی! اگر ایسی جستجو نہ کرتے تو آپ اپنی صورت کاٹے کو دکھاتے۔
اب بھی ناحق آئے۔ جب ہم دوسرے گھر جا لیتے، آبرو گنوا لیتے، تب آپ کو شاید
افسوس ہوتا یا نہ ہوتا۔“

صمصام یہ سنیں سن کر مثل گدھے کے پھول گیا۔ اپنے تئیں بھول گیا۔ ہیں
ہیں کر کے دانت نکال دیے، ہاتھ جوڑنے لگا، ”ملکہ عالم، مجھ کو یہ حال معلوم نہ
تھا، انرا سیاب مجھ کو فقرہ دیکر لایا۔ ابھی شام تک تو بی حیرت نے اقرار کیا
ہے کہ ملکہ لالہ زارنگی شتم کے ساتھ تمہاری شادی کر دیں گے۔“

ملکہ نے کہا: ”کیا آپ تنھے نادان ہیں، دودھ پیتے ہیں! جو جس نے کہا، مان لیا۔“
 صمصام نے کہا: ”اے ملکہ، میں نے اس وجہ سے دھوکا کھایا کہ اول تمہارے
 انکار کا نامہ میرے پاس جا چکا تھا۔ میں تمہارے وصل سے مایوس تھا۔ فراق میں رویا
 کرتا تھا۔ آخر بیمار پڑ گیا۔ اس بیتیابی میں جو افراسیاب نے مردہ وصل سنایا،
 یقین کامل ہوا کہ سچ فرماتے ہیں۔ یہ بھی تو میں بخوبی آگاہ ہوں کہ ملکہ حیرت جادو سے
 تو سلے، دوسرے، اتنے بڑے کام کا مجھ سے طالب ہوا۔ خیر بہر نوع خداوند سامری
 نے اپنا فضل کیا، مگر کیوں، ملکہ عالم، تم نے آخر ملکہ حیرت سے کیا جیلہ کیا؟ یہاں تک
 کیونکر پہنچیں؟“

لالہ زار نے کہا: ”جس وقت شام کو ملکہ حیرت نے اس بات کا چرچا کیا کہ
 اب ہم صمصام کے ہاتھ سے دختر کو کب کو (یعنی براں جو مسلمانوں کے ساتھ ہے) قتل
 کرا کر تمام طلسم نور افشاں کو درہم برہم کریں گے..... کبر و غرور دیکھو صمصام بدخجا
 کا کہ ہماری مصاحب قدیم لالہ زار زمرگی چشم کو طلب کرتا ہے۔ نگوڑا عشق کا دم بھرتا ہے۔
 اب تو وعدہ کر لیا ہے، اس کو مشتاق کر دیا ہے۔ آئندہ سمجھا جائے گا، بعد قتل براں
 ایسے کلمات ناشائستہ کی سنراپائے گا۔ صاحب سامری و جمشید بی بی چھو چھو کو سلا
 رکھیں۔ ماں بھی ایسی محبت نہ کرتی جیسا ان کو خیال ہے۔ میری خوشی سے شاد ہیں، میرے
 رنج کا مال ہے۔ اے صاحب، کیوں نہ ہو، میں چھ مہینے کی کھلی جب سے انھوں نے
 گودیوں میں پالا۔ بی امانے صرف دودھ پلایا۔ آٹھ پہرا انھیں کی گود میں رہتی تھی۔ ایسی
 باتیں سن کر ان کے دل کو کیونکر چین ہوتا۔ ذرا بلی بھی ہیں۔ روتی ہوئی میرے پاس نہیں
 اور کہا: ”اے بی بی، غضب ہوا، کاش کہ میں مر گئی ہوتی، ایسی باتیں نہ سنتی۔ بی حیرت
 تمہارا ذکر کر رہی ہیں، مجھ کو تو یہ آرزو ہے کہ گل سے چہرے پر بھاری سہرا دیکھوں،
 وہاں بھڑوے سرمائے برف انداز، کلمو، قوم کا رذیل، اس کے ساتھ بی حیرت
 تمہاری شادی کریں گی۔ صمصام جو اپنے ملک کا بادشاہ ہے، اس کے لئے شہنشاہ
 تجویز ہوتی ہے، جب اس بیچارے صاحب حسب و صاحب نسب سے اتنا بڑا کام لیں گی،
 براں کو تہ تیغ کرائیں گی، فقرے دے کر شہنشاہ کے ساتھ شادی ہوگی۔ صاحب،
 اصل تو یہ ہے کہ میں کونے کی بیٹھی والی، یہ سن کر گھبرا گئی، انگوٹھی الماس کی اتاری کہ

چبا لوں، جان دے دوں۔ بی بی چھو چھو تو بے ماں کے ہیں۔ ریٹ گئیں، انگوٹھی چھین لی، اور کہا ”کیوں بچی، ہم نے رات کو رات اور دن کو دن نہ جانا، تمہارے واسطے سارے کنبے کو چھوڑا، مرد و ہمارا رات بھر ترپا کرتا ہے۔ ایک رات گھر جانا نصیب نہ ہوا کہ میری بنو کی کون دل دہی کرے گا، اس لئے ساری مصیبتیں اٹھائیں کہ تم جان دو بہ چلو میں تم کو لے چلوں۔ تمہارے عاشق صادق صمصام سے ملاؤں، ان فریب کرنے والوں کے منہ میں لو کا لگاؤں۔ صاحب ہیں تو ان بالوں سے بالکل آگاہ نہ تھی۔ میں نے کہا چھو چھو، بھلا وہاں تک میں کیوں کر چلوں، کبھی بازار میں نکلی ہوں؟ ڈیوڑھی تک جاتی ہوں، تو میرے پاؤں کانٹے ہیں۔ انھوں نے کہا، نہیں، بی بی کیا میں تم کو شکر صمصام تک لے جاؤں گی۔ میرے گھر کے پچھلے ایک باغ ہے کہ اس کو محبوب باغ کہتے ہیں۔ مدت سے خالی پڑا ہے۔ تم چل کر وہاں بیٹھو۔ میں مردوں کے کان کاٹوں گی، تمہارے واسطے خاک چھانوں گی، ایک اشتیاق نامہ لکھ کر مجھ کو دو، اپنے چاہنے والے سے کیا شرم ہے۔ وہ شاہزادہ خود مزاج کا گرم ہے، ذرا سی سن پائے گا، آپ دوڑ آئے گا۔ صاحب، جو کچھ کیا چھو چھونے کیا۔ مجھ کو یہاں بٹھایا، تم کو بھی بلائیں، ہم نے تو اپنے دل کی کہہ سنائی، اب تم اپنے دل کا حال بتاؤ۔ تمہیں کیا منظور ہے؟ میرے سر پر نہ ماں ہے، نہ باپ۔ اب جو کچھ ہیں وہ آپ ہیں۔ میں اپنی جان دوں گی مگر سر ملے گھر نہ جاؤں گی۔“

صمصام ان باتوں کو سن کر پھول گیا، کہا: ”ملکہ، اب کیوں جان دو گی؟ جب تک نہ آیا تھا، مقام تردد تھا۔ ابھی تخت پر سوار ہو، میرے ساتھ چل، میں شکر کا بھی بند و بست کرا آیا ہوں..... اب کیا دسواں ہے؟ میری تو یہ رائے ہے کہ تم کو ساتھ لے کر دربار و خدمت میں کوکب کی (جو مسلمانوں کے ساتھ ہے) چلوں۔ وہ میرا بادشاہ قدیم ہے۔ اس کے قدموں پر گر پڑوں۔ وہ رحم دل ہے، فوراً خطا معاف کر دے گا۔ دو باتوں میں مقدمہ صاف کر دے گا۔“

یہ سن کر چھو چھو ترپ کر سامنے آئی، کہا: ”صھے صھے، بچی، تو بھی بیوقوف ہے۔ لونڈیاں بھی احمق، صمصام بھی گدھا ہی ہے، مجھے کیسے بیوقوف سے پالا پڑا ہے! تابہ کوکب اپنی چھو کری کو نہ جانے دوں گی۔ ایک تو وہ بد نظر ہے، دوسرے تم نے

کیا خوب اس کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس کی بیٹی کے قتل پر آمادہ ہو کر آئے ہو.... اور شاید اس نے خطا بھی معاف کر دی تو اس ماہ رخسار کو چھوڑے گا؟ فوراً جو رو بنا کر گھر میں ڈال لے گا۔ میں دیکھا کرتی ہوں۔ جب بھڑوا افراسیاب گھر میں آتا ہے۔ میری سچی کو آنکھوں میں کھائے جاتا ہے۔ کئی مرتبہ مجھ سے پیغام کر چکا ہے کہ اپنی صاحبزادی کو ہم سے راضی کرادو۔ ایک ملک تم کو انعام میں دیں گے۔ بیٹیا خوبصورت کے سب طالب ہوتے ہیں.....“

ان باتوں میں ملکہ نے چھو چھو سے اشارہ کیا۔ چھو چھو نے اپنا منہ پیٹ لیا کہ بچی، دیکھئے تیرا کہاں گزارا ہو گا! اس بھولے بھالے شوہر کی جان لے گی۔ کیونکر عمر کاٹے گی؟“

ملکہ سر جھکا کر رونے لگی۔ صمصام نے کہا: ”بی بی چھو چھو خیر تو ہے؟“
چھو چھو نے کہا: ”کیا بتاؤں! یہاں تو آفت درپیش ہے، جان بچنے کا پس و پیش ہے۔ صاحبزادی کو عیش سوجھا ہے! فرماتی ہیں ایک جام شراب چلاؤ صحت میں ملکہ حیرت کی آٹھ پہرہیں چرچا ہو۔ وہ، صاحب، افراسیاب کی جو رو میں جو طلسم ہوش ربا کا مالک ہے، ان کو یہ باتیں نہیں چاہئے۔ اگر نشے پانی کا وقت آئے، صبر کریں، وقت کو ٹالیں، پرانے ملک میں جا کے رہنا ہو گا، ہر طرح کی جفائیں سہنا ہو گی۔“
صمصام نے کہا: ”بی بی چھو چھو، تم ناحق خفا ہوتی ہو۔ میں ابھی جا کر شراب لاؤں، ملکہ کو بلاؤں؟“

چھو چھو نے کہا: ”نہیں بیٹا۔ تمہارے جانے کی کیا احتیاج ہے؟ میں آٹھ پہرہ ان کے آرام کی فکر میں مبتلا رہتی ہوں۔ مثل دل کے ایک گلابی بغل میں دبائے لائی ہوں جانتی تھی یہ ضدن ہے۔ دم بھر میں ادھم مچائے گی، شراب کے واسطے بے قرار ہو جائے گی۔“
صمصام نے کہا: ”لایئے، نکالئے، غصہ نہ کیجئے۔“

چھو چھو نے بغل سے گلابی نکال کر سامنے رکھی۔ کہا: ”میاں بیوی کو اختیار ہے یہ تو میں خوب جانتی ہوں کہ میاں بیوی ایک ہو جائیں گے، ہم غیر کے غیر رہ جائیں گے۔“
..... ملکہ نے اشارہ کیا، ”پہلے صاحب تم پیو۔“ صمصام نے کہا: ”ذرا منہ تو لگا دو۔ چھوٹی شراب کا طالب ہوں۔“

ملکہ نے بہ ناز و کرم شمع گلاس ہاتھ سے صمصام کے لیے لیا، مسکرا کر ہونٹوں سے لگایا۔ شاید کوئی قطرہ منہ میں گیا یا نہیں، منہ بنا کر گلاس رکھ دیا، اور کہا: ”واہ!“
 بی چھو چھو، کہاں سے گلابی اٹھا لائیں۔ میری الماری نہ کھولی۔ یہ تو زہر قاتل ہے۔“
 پھو چھو نے گلاس اٹھا کر کہا: ”بیٹا صمصام، تم بیوان کے تو یوں ہی نخرے سے رہتے ہیں۔ بی حیرت کی بڑی مصاحب ہیں۔ اسی برائڈی کی طالب ہیں جو بی حیرت بیٹی ہیں۔ نہیں معلوم یہ گلابی میں کیوں کر لائی۔ شہر سے نکل جانے کی تدبیر ہے یہاں ذرا ذرا سی بات میں یہ تقریر ہے۔“

(صمصام نے جیسے ہی شراب پی، فوراً بے ہوش ہو گیا)

(جلد پنجم - حصہ اول)

جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا

ایک جانب دکانیں بھنگڑنوں کی۔ تخت بلند، پالیں دل پسند، صورتیں بھولی بھولی..... پہلوؤں میں جوان جوان جلیس۔ جوڑے ترچھے، ادائیں بانگی گڑ گڑیاں سنہری۔ سرخ نیچے شان و شوکت سے اپنے اپنے مقام پر جلوہ فرما رہیں۔ جوان نشے باز، معشوقوں کے دم ساز، نشیلی آنکھیں۔ طرے چڑھ رہے ہیں۔ دم جو پڑے نشے تیز ہوئے۔ اشعار پڑھتے لگے، پکار اٹھے۔

نہ آزاد کے دم میں کھینچ دم چرسوں کے رندوں میں

کہ پیارے دم ہی کا تو فرق ہے مردوں میں زندوں میں

دوسرے نے جھوم کے جواب دیا: ”کیا فقرہ کہا چھو انوں کا تو اعتقاد

ہے، کسی کامل کا ایک شعر یاد ہے نہ

نہ آزاد کے دم میں تو اگر کچھ دھن کا پکا ہے ۔۔۔ !
 بہشت اک باغ ہے دوزخ کا بھی اک شرعی دھڑکا ہے
 بھائی دنیا میں چار پیغمبر آئے۔ چاروں آپس میں بھائی ہیں۔ دو کے مقتدر
 زایدان خانہ خراب و شیخ بدلیاقت، دو کے مقتدر ہم لوگ جوان، بے باک ہمت
 و چالاک۔ بھائیو، سمجھ لو، وہ کون ہیں: نماز، روزہ، بھنگ، کوزہ۔ سر جھکانا،
 غل مچانا، ان کو مبارک۔

قاصی پر آفت آئے بلا کو تو ال پر
 اللہ کا کرم رہے زندوں کے حال پر

تلوار لے کے ہاتھ میں اکڑو پھراے بتو
 عاشق ہوئے ہیں ہم تو اسی چال ڈھال پر
 بھائیو، ہم لوگ خدا کے پیارے ہیں۔ نشہ باز، بھولے بھالے، مزاج نرالے۔ رنگیلے
 طرحدار!

دم مارنے والوں میں تو یہ ہنگامے ہیں۔ بھنگڑن معشوق مزاج، عاشقوں کی
 سرتاج، جو روز کے پینے والے ہیں، وہ تخت پر آ بیٹھے۔ ساقی سے ساقی مل گئے! اس
 گل عذار نے مسکرا کہا بات کی، نہاں ہو گئے، غنیمت آرزو کھل گئے۔ گنڈا نکال کر کھینکا،
 کہا: ”جانی، آج تو چور کر دو۔ پیڑوں کی پلواؤ ایک دم لگواؤ۔ نشے کا اتار دے،
 فصل بارش کی بہا رہے، سینے پر کیا ابھار ہے۔“ دم لگا کر اور زیادہ اکڑے تعریفیں
 سراپا کی ہونے لگیں۔ ”ہماری بھنگڑن حسن میں بے نظیر ہے، چہرہ رشک ماہ منیر ہے۔
 ابروئے خم دار ذبح کرتے ہیں۔ ان نشیلی آنکھوں پر ہم مرتے ہیں۔ اے محبوب جانی،
 یار جاودانی، گھر بار، جان و مال سب تجھ پر نثار کریں۔ خوب نشہ ہوا، کیا دم پڑا!
 کہو تو سرکاٹ کے قدموں پر رکھ دیں۔ دوسرا گنڈا لو اور حلیم بھرو۔“

اس نے مسکرا کر پیسے اٹھائے، نیچے نیگاریں سے چہرے جمانے لگی۔ دم مارنے
 والے بول اٹھے ”کشمیر نہ پلانا، سال جہاں کا ٹرا جمانا!“

زیر تخت ڈھانک کے بکل جل رہے ہیں۔ نوکر غرقی باندھے، وہ بھی اگلا
 چاہنے والا، نشے میں چور، ہاتھ بڑھا کر حلیم لی، بکل کی آگ چھوٹی چھوٹی جمائی، میاں

کے سامنے حاضر کی۔ میاں نے کڑکڑا کے دم لگایا، بالشت بھر لو اٹھی۔ طرف نوکر کے متوجہ ہوئے۔ کہا: ”لے بھائی میسے، تو بھی دم لگالے۔ نشہ جھالے۔“

اس نے پھر حقہ منہ پر رکھا۔ یہ فقرہ ہنس کر کہا: ”بھائیو، چرس کہتی ہے، کھانسی کروں، کھرا کروں، اس پر بھی پینے والا نہ مرے تو میں کیا کروں!“

اس بازار میں بڑے ہنگامے ہیں..... عجب جلسہ ہے، ڈھولک بج رہی ہے۔ شعر خوانی کا ہنگامہ، مطلع، اشعار، خمسے، رباعیات پڑھ رہے ہیں، بعض جل کر کہتے ہیں: ”میاں، کیا خاموش ہو؟ میاں آتش صاحب کا واسوخت پڑھو۔ شعر سے شعر لڑے۔ اب کی چودھویں کو مشاعرہ ہوگا۔ استاد مٹرو مدار بخش آئیں گے۔ جسو خاں فیض آبادی سے تکرار پڑی ہے۔ بڑی یاد کر کے آیا ہے، بارہ بارہ پھر پڑھتا ہے۔ ہمیں چاروں کی یاد ہے۔ شیخ گھسیٹا ہمارا استاد ہے۔“

اب اس وقت تمام میلہ جوش و خروش پر ہے۔ اٹھارہ صولک کا آدمی جمع ہے۔

میلہ ہے یہ اک نئے فشن کا
کیا کیا خوش رو و گل بدن ہیں
ہنے ہوئے سب لباس پر زور
کھائے ہوئے پان کی گلو ری
ہونٹوں پر کوئی مستی لگائے
اک سمت کو جانڈو پینے والے
چسکی کوئی بیٹھا گھولتا ہے
مغلی کہیں چائے بن رہی ہے
اک سمت میں ساقنوں کی پالیں
چلوں یہ چرس کی پڑتے ہیں دم
دم مارا کسی نے دے کے گنڈا
دو کانیں تنبولنوں کی اک سو
عیاش کمال کھیلی کھائی
ہنس ہنس کے اگال اک پہ پھینکا

جس میں کہ سماں ہے سب چین کا
ریشک نسرین دیا سمن ہیں
ترجہی رکھے، کلاہ سر پر
ہر غنچہ دہن کے منہ پر سرخ
سوسن کو بھی جس سے شرم آئے
بانہو ہاتھوں میں ہیں سنبھالے
کانٹے میں نگہ کے تولتا ہے
کشمیری کہیں پہ چھن رہی ہے
دم دے کے نگاہ جن پہ ڈالیں
مشعل سے نہیں ہے جس کی لو کم
گاڑا نشے کا اپنے جھنڈا
بانگی ترجمہ حسین و خوش رو
ہنے ہوئے، زیور طلائی
دکھلایا کسی کو مڑ کے ٹھینکا!

چونا کسی یار کے لگایا
 کہتی ہیں کسی سے کہہ کے یہ چال
 بڑا کوئی لے کے کھا رہا ہے
 تھیٹر کا کوئی جمائے ہے رنگ
 ہے لاگ کہیں یہ سر کٹے کی
 اک سمت ہیں زندگیوں کے ڈیرے
 بایاں کسی جاگمگ رہا ہے
 خالی کوئی گنگنا رہی ہے
 ہنس ہنس کے کسی کاغذوں بہایا
 ”بڑا اب کھالے میرے مکھ لال“
 رنگ اپنا کوئی جمارہا ہے
 بجتا ہے کہیں رہا باب مرچنگ
 حیراں ہوا تشکل جس نے دیکھی
 عیاش کھڑے ہوئے ہیں گھرے
 سازگی کا سرچک رہا ہے
 سر ساز سے اک ملا رہی ہے

تماش میں جمع ہیں مجرا ہو رہا ہے۔ نازنینان مہ جہیں، شوخ و شنگ
 طرار فرار، ناز و کرشمہ میں چتون ڈوبی ہوئی مست ہیں۔ ان کے بلکے جانے والے
 قریب بیٹھے ہیں، فرمائش ہو رہی ہے۔ ”بی لذت بخش، کوئی ٹھمری، کوئی غزل گاد، تکینی
 دکھاؤ۔ ہم تو مدت تک مشتری کے خریدار رہے۔ جس دن سے وہ خانہ نشین ہوئیں،
 لطف غزل کا اٹھ گیا، گانے کا مزہ جاتا رہا۔ ان کی نصاحت و بلاغت کی کیا تعریف
 کریں! خود صاحب تصنیف موزوں مزاج، گانوں کے سرکاٹاج۔“

نائیکہ نے جھلا کر جواب دیا۔ ”جناب رسالدار صاحب، خطا معاف اس
 چھوکری کے شہرے ہیں۔ یہ بھی شعر نظم کرتی ہیں۔ بتانے میں طاق، شہرہ آفاق۔ ہاں
 چھوکری، جو کل غزل یاد کی ہے، بھاگ کی دھن میں سنا دے، برق چمکا دے۔
 رسالدار صاحب بڑی دور سے آئے ہیں۔ ہمیشہ خط آیا کرتا تھا۔ اشتیاق نامے آپ کے
 رکھے ہیں۔ ہم تو انھیں کی تحریر پر آئے..... یہاں تو اک ہنگامہ ہے، میلہ کا ہے کو
 جھیلہ ہے۔ میاں دار و غمہ ار باب نشاط نے کل سے صرف ایک مرتبہ دو خوان کھانے کے
 پہونچائے۔ یہاں پچاس آدمی ساتھ ہیں، ٹٹو، گھوڑے، بہلیاں، اپنا صرف ہو رہا ہے۔
 یہ سن کر رسالدار صاحب پھول گئے۔ ساری شہسواری بھول گئے۔ کمرے نوٹ
 سو روپیہ کا نکالا، پیش کیا۔ کہا۔ ”بی لذت بخش صاحب، آپ تو ہماری مہمان ہیں۔ اس
 جلسے میں تشریف لانے کے ہم پر احسان ہیں۔“

نائیکہ نوچی دونوں خوش ہوئیں۔ سازندوں نے کہا۔ ”رسالدار صاحب،

سامری جمشید سلامت رکھیں۔ بی لذت بخش گاد، ہم رسالدار صاحب کو مدت سے جانتے ہیں، بہت کچھ دیں گے۔ خوش کر کے یہاں سے بھیجیں گے۔“

روپیہ ملنے سے بی لذت بخش کو بھی مزا ملا۔ غنچہ آرزو کھلا، چہرہ مثل گل کے سرخ ہو گیا۔ مسکرا کر گنگنائیں، غزل شروع کی.....

اس غزل پر تو اس قاتل عالم نے کبھی مارا، کبھی جلایا، ایک ایک شعر کو سو سو طرح بتایا۔ بتانے میں کبھی جنگل۔ کبھی باغ، کبھی دیوانہ پن۔ کبھی نقشہ محبوب، کبھی صورت مطلوب، کبھی سینے پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں بھرنا، کبھی سامنے مشتاقوں کے مچلنا، کبھی دل عاشق پائے نگاریں سے ملنا۔ اب تو روپیہ اشرفی پر سننے لگا، بیل پڑنے لگی، کہیں ایک بنیا مہاجن بے چارہ آفت کا مارا اس جلسے میں آپھنسا۔ رسالدار نے پانچ دیئے۔ اسے دس پھینکے۔ رسالدار بیچارے دس کاتے ہیں، پچاس اٹھاتے ہیں۔ آج جلسے کے خرچ کے واسطے سو دو سو روپیہ خرچ لے کر چلے تھے۔ وہ دے چکے کچھ بازار میں صرف ہوا۔

مہاجن نے جب ٹینٹ ٹٹولا یہ گہرائے۔ جا پا ڈاب میں سے نکال کر تھوڑے دیئے۔ نانکے نے چٹکی لی۔ مٹھی روپیوں کی پہلو میں رکھ دی۔ اشارہ کیا ہم سے لیتے جاؤ، بی لذت بخش کو دیتے جاؤ، بنے کو لٹنے دو، ہمارا نفع اس کا نقصان، تمہارا ہم پر احسان، رسالدار صاحب تو بد لگامی کرنے کو تھے، قدم تھم گئے، اب تو بیل دینے پر جم گئے۔ بنیا دم بھر میں لٹ گیا۔ آخر چوتڑ بھاڑ کے ”بی امیر بخش سلام! کہہ کر اٹھ بھاگا۔

بعد اس کے جانے کے ہنسی دل لگی ہونے لگی۔ اسی طرح دس آتے ہیں، پانچ جاتے ہیں۔ سازندے ساز کر کے تماش بینوں کو لگا کے لاتے ہیں۔ جو بانس کا تر چھاملا، مسکرا کر ہاتھ پکڑ لیا۔ کہا: ”حضور، دکھن سے ایک بائی آئی ہے۔ کیا خوب گاتی ہے! چل کر دو چیزیں سنئے۔“

اس کوچے میں جو آیا لٹا، ہنستا ہوا آیا روتا ہوا گیا۔ بعض تو خرجی چکارے میں ساتھ کے یاروں سے کہہ رہے ہیں، ”بھائی یاراں ہم ہمیشہ یہی کھیل کھیلتے ہیں۔ ایک شب سے زیادہ دوسری شب رنڈی کے یہاں نہیں آتے، تین سو کسبیوں کے نام فرد پر لکھے ہیں۔ گھر پر روز خانگیوں کی ڈولیاں آتی ہیں۔ او باس گرہستوں کو لگا لاکھیں۔ ہر خیمے میں رنڈیوں کے یہی تنگامہ ہے کہیں سوز، کہیں ساز، کہیں راز،

کہیں نیاز..... ایک مقام پر..... ایک خیمہ کلاں استادہ ہے۔ آئیں
نوجوان نوجوان جمع ہیں، دف بج رہا ہے۔ خیال میر شوکت حسین صاحب سحر کے آواز
بلند گائے جاتے ہیں

بجٹا ہے رت باب اور مرجنگ وارے کا جما ہوا ہے اک رنگ
کچھ بیٹھے ہیں اس میں کلفی والے طرے والے ہیں کچھ زلے
کچھ دارا بجاکے گار رہے ہیں کچھ جھوم کے تان اڑا رہے ہیں

خیال تلامذہ بسنت، چوک پہلا :-

بسنت آیا ہے، شور ہر سو ہے بلبلوں کا ہر اک چمن میں
وہ پھولا ٹیسو، لگی ہے آتش، پتار جلتے ہیں سارے بن میں
سمایا ہے رنگ زعفرانی ہر ایک تسرین و نستران میں
خدا کی قدرت کا ہے تراشہ کہ زردی آئی ہے یا سمن میں
ہے بیلا البیلا پن دکھاتا کہ زرد پوشاک ہے بدن میں
چنبیلی کیا گل گھلا رہی ہے، چٹک ہے غنچے کی ہر سخن میں
نہیں ہیں پھولے سمانے غنچے، خوشی کے مارے خود اپنے تن میں
بھرے ہیں گلچیں کے جھولیوں میں، وہ پھول بھرے جو تھے چمن میں

قطعہ

دی ہے خبر بہار کی لا کر نسیم نے
ہکا دیا چمن کو گلوں کی شمیم نے
صیاد کو ڈرایا ہے امید و بیم نے
شادی رچائی بلبلوں کے دل دو نیم نے
شگفتگی کا بھرا ہے پانی ہر ایک تھالی کے بھی لگن میں
چوک دوسرا :-

مثال یرقاں ہے چشم ز گس، ابھی ہے البیلی بالے پن میں
کہ ٹٹکشی بھی لگی ہوئی ہے، گلوں پہ حسرت ہے انجمن میں

اشارے چھپا سے ہو رہے ہیں کہ آئی تو بھئی اس وطن میں
 بسنتی پوشاک ہے جو پہنے بہار کیا آگئی چہن میں
 نہیں ہے جو ہی کا کام یاں کچھ سمائے گا موتیا نہ من میں
 بہار گیندے کی آج کل ہے بسنت آیا ہے ہر چمن میں

قطعہ

اجڑا ہوا چمن یہ پھر آباد ہو گیا استادہ پیشوائی کو شمشاد ہو گیا
 شاداں ہر ایک بلبل ناشاد ہو گیا پڑمردہ غم سے اب دل سیاد ہو گیا
 خوشی سے سنبل کو وجد یہ ہے اکڑ رہا ہے وہ بانگین میں

چوک تیسرا:

بسنت کا رنگ جم گیا ہے حلب میں تاتار میں ختن میں
 ہر ایک دشت و جبال و بر میں ہر ایک دریا میں اوچن میں
 بسنتی سبزہ ہے یوں روش پر عشق ہیں یازرد ہیں مین میں
 یہ زعفرانی ہے فرشِ مخمل گلوں کی خاطر ہر ایک چمن میں
 کہیں پہ ہے شورِ فاختہ کا کہیں پہ قمری ہے ہر سخن میں
 کھلا ہوا پھول یا کہ غنچہ کہیں پہ بلبل کے ہے دہن میں

قطعہ

دیکھو ہزار رنگ پہ گلزار آج ہے
 مرغانِ خوش نوا کا فلک پر مزاج ہے
 اب تخت زعفرانی کی بھی احتیاج ہے
 ہر گل بدن کے سر پہ بسنتی جو تاج ہے
 نہیں ہے کھوٹا، کھرا ہے ہر گل، ہر ایک ثابت قدم چمن میں

چوک چوتھا مع تخلص استادان خیال :-

رسال گر کا بھی زعفرانی لباس نو عمدہ ہے بدن میں
 نداری کپڑے بسنتی پہنے ہوئے ہیں داخل اس انجن میں
 اگر ہے میرا، کالال چہرہ، یہ زرد پوشاک ہے بدن میں
 وہ ٹھاٹھ عاشق علی کے دیکھو اگڑتے آتے ہیں بانگین میں
 گئی خزاں اور بہار آئی، سحر ہمارے بھی اب چمن میں
 اسی سے شہرہ ہے لکھنؤ کا میں میں، جس میں، حلب ختن میں

قطعہ

چر چار ہے گا چنگ و سرود و باب کا
 دھڑپت کی تان، راگ خیال و جناب کا
 دورہ وہ ہر طرف کو شباب و کباب کا
 پیری میں آج اٹھے گا مزہ کچھ شباب کا
 یہ رات گزرے گی عیش میں سب بسیں گے پہوئے گل بدن میں
 اس جلسے کو دیکھ کر جوان بزم سن، پیر، عقیل، شہیم ادھان میں مصروف ہیں
 کہ کسی کا دل نے یہ رنگ جمایا ہے، کیا کیا خیال ہیں، غزل کا بھی لطف ہے، ٹھمری کا مزہ
 ہے، مصنف نے کیا کام کیا ہے، بڑا خون جگر کھایا ہے، کس کس مضمون کے خیال نظم
 فرمائے ہیں، باغ پر بہار سامنے بنا کر دکھائے ہیں، کیا فصل بسنت کے مضامین
 دل نشین ہیں، پڑھنے والے بھی جوانان فصاحت آئین ہیں۔ جی چاہتا ہے صبح تک
 میاں سحر کے خیال سنیں، یہاں سے قدم نہ اٹھائیں۔۔۔۔۔
 ایک جانب تو بڑے جھگڑے دیکھے۔ جوانان شیر دل کی آواز آرہی ہے،
 باہو کے نعرہوں سے زمین تھرا رہی ہے، کسی سے پوچھا ”اس مقام پر کیا جلسہ ہے؟“
 ایک نے کہا۔ ”بھائی اسی مقام پر تو سارا میلہ ہے اول صاحبان آبرو،

پیروان حضرت خضر و الیاس، حق شناس، نیک اساس، دریا دل، پاک از رشتی، شہر
 ناموساں کے سارے بہشتی، حق نیوش، مشک بدوش، بچوش و خروش آکر جمع ہوئے ہیں۔
 ایک جانب ظاہر کے میلے، دل کے اجلے، جن کی ذات سے تمام وسیع و شریف سفید پوش
 ہوتے ہیں، کثافت لباس کو دھوتے ہیں، صاحبان شست و شو، خوش خو، صاحب حسن
 خوبی، سارے شہر کے دھوبی آکر ڈٹے ہیں۔ دونوں فرقوں میں معرکے پڑ گئے ہیں کیا
 کیا عمدہ عمدہ کھنڈ گاتے ہیں۔ جو نہیں سمجھتے ہیں وہ اس کو پا کھنڈ بناتے ہیں۔ اگر ٹھہر کر
 سنیں، صاحب فراست سردھنیں۔ مثنویاں دلچسپ، مضامین عمدہ، شاعران نامی
 نے اس طور میں نظم کیا ہے، ان صاحبوں کو یاد کرادیا ہے، یہی سب جوان گاتے ہیں،
 ہر میلے میں آتے ہیں۔“

..... بڑی بڑی اینٹیں بجائے فرش رکھی ہوئی ہیں ایک جانب ستے کھارو
 کی لنگیاں دہری مرزئی، پگڑیاں سردوں پر، نری کے جوتے، ڈٹے ہوئے ہیں۔ دوسری
 جانب دھوبیوں کا پیراجا ہوا ہے۔ انگرکھے جامدانی کے اجلے صاف شفاف، بالکا
 نین سکھ کے مگر میلے، ایک پانچہ چڑھا ہوا، ایک اترا ہوا، تیوریوں پر بل پڑا ہوا، ہاتھوں
 میں چاندی کے کڑے، گلے میں تقرنی زنجیریں، گلو ریاں کھائے ہوئے، کنٹھے دار جوتی
 چڑھائے ہوئے۔ دونوں فرقے ڈٹے ہوئے ہیں، بڑے لطف سے یہ کھنڈ تصنیف
 میر شوکت حسین صاحب سحر کے گارہے ہیں۔

دھوبی سقوں کے ہیں مقابل	سب کھنڈ کے گانے پر ہیں مائل
اجلے میلے ہیں دھوبی سارے	سر سے وہ منڈا سے ہیں آثارے
گاتے ہیں یہ کھنڈ ہاتھ پھیلا	دیتے ہیں جواب دھوبی چھیلا

کھنڈ اول، سوال سقوں کا:-

ایک کامل ان میں آگے بڑھا، اپنے کان پر ہاتھ رکھ کر پکارا:-

ہاں ہاں او میرے میاں

سنو بھائی دو چار سقوں کے نعرے
 اب عاشق کے دل میں بہت بقیارے
 صبا نے کئے جو چمن میں اشارے
 تو غنچے چٹک کر یکا یک پکارے
 چلو بلبلو، آئی ہے اب بہارے

جواب دھوبیوں کا:-

ایک دھوبی بھی آگے بڑھا، اور یہ نعرہ مارا:-
 ماں ماں، او میرے پیارے
 خوشی سے نہیں گل جو پھولے سماتے
 تو مرغان گلشن ہیں اتراتے آتے
 اکڑ کر ہیں شمشاد جو بن دکھاتے
 خبر لا کے پیک چمن ہیں سناتے
 کہو باغیاں کے گلشن سنوارے

دوسرا سوال سقوں کا:-

صنم آج گروصل ہو تو مزا ہے
 گٹا بھائی ہے اور چمن پر فضا ہے
 مئے لالہ گوں بادل پر صفا ہے
 بھرے جام ساقی یہی کہہ رہا ہے
 کہ پہلے 'سحر' اب تو کچھ ہو خمارے
 ارے او میرے میاں

تو میرا ہے دلدار میں تیرا بچپن کا یار
 پیاری جلدی آؤ عاشق کے گلے لگ جاؤ

جواب دھوبیوں کا۔

فلک نے مرے حال پر رحم کھایا
کہ وہ ماہِ رومیہ گھر آج آیا
مجھے سادہ پن یا ر جانی کا بھایا
کہ آتے ہی مجھ کو گلے سے لگایا
دھڑکا دماغ اب فلک پر ہے بارے
اد میرے میاں

تو میرا ہے پیارا میں نے تجھ پر جی اپنا دارا
دل تیرے نذر کیا حسن تیرا مول لیا
سامعین میں چرچے ہو رہے ہیں کہ آج تیسرا دن ہے، سقے دھوبیوں کی
جہان کو کلب رہے ہیں، پیرا کرنے پر آمادہ ہیں۔ کہتے ہیں خوب کنڈی کر میں گے، ان کی
استری لیں گے، دھوبی پائا کریں گے، جب تو پیچ میں آئیں گے۔
ایک کہتا ہے۔ ”بھائی دھوبی کا کتا، گھر کا نہ گھاٹ کا۔“
ادھر دھوبی بھی جوش میں کہتے ہیں۔ ”ہم بھشتیوں کو سوندن میں ڈالیں گے،
ڈول شک چھوڑ کر بھاگیں گے۔ خاک پھانکتے ہیں، ابھی سے کنویں جھانکتے ہیں۔ اب
آبرو پر بنے گی، ہمارے ان کے خوب چھنے گی۔ پناہ پانی شکل ہوگی، ہمارے ان کے
تکرار لب ساحل ہوگی۔“

..... ایک طرف بازار میں دیکھا بڑا ہنگامہ ہے۔ مریڑے چاقو ہاتھ میں،
سر پر چرکے لگے ہوئے، خون بہا کر پیسہ لیتے ہیں، بڑا کمال حاصل کیا ہے، ایک پیسہ انکا
خون بہا ہے، ایک جانب گرز مار۔ دوسری لگائیں، پیسہ لیا، ایک طرف شیدی بھینچنے
ہاتھ میں، شلنگیں لگا رہے ہیں جہاں اڑے گنڈا لیکر ٹلے۔ ایک مقام پر سترے شاہی
فقیر پر واہی سے ڈنڈے چلکے یہ بانی کہہ رہے ہیں:-

آٹھ پیر چونسٹھ گھڑی تکھ پر برسے نور
صدقہ نانک شاہ کا بھنڈا رے بھر پور

جگ جگ جئے لالڑی بڑھتی ہر دم چاہی
شاد ہو روح سامری کہتے سترے شاہی
(جلد پنجم، حصہ اول)

کمر کی خیر

ایک سمت مرزا پیٹو صاحب کا رسالہ، حسین حسین جوان، کھجوری چوٹیاں گندھی
ہوئی پشت پر پڑی ہیں۔ رنگین ڈوپٹے گلوں میں، مہندی ہاتھوں میں، سونے چاندی کے
چھلے پور، پور دودو تھان کے پابجائے، کفش پاؤں میں، اس واسطے کہ قدم نہ تھکے ہیں۔
غیولی ٹوپیاں سر پر، سرمہ دنبالہ دار آنکھوں میں، دلہن بنے ہوئے۔ ”اوی“ کہہ کر
سر پر ہاتھ مارتے ہیں، مگر نیچے ان جوانوں کے چمک کر گرتے ہیں، مع مرکب و راکب چار کھڑے،
زمین میں دو دو ہاتھ نیچے اتر جاتے ہیں۔ آگے ان سب جوانوں کے ان کے رسالہ دار مرزا
پیٹو صاحب اس ہنگامہ جنگ میں لڑتے ہوئے۔ چونکہ مزاج مزیدار ہے، اشعار پڑھتے ہوئے
گویا ان کے نزدیک میدان رزم صحبت بزم ہے۔

(جلد پنجم، حصہ اول)

تکلف برطرف

برق فرنگی بازار میں ایک دکان پر مہاجن کی ہلڑ کر رہا ہے، یعنی بصورت اکھڑی
ایک کھو پڑی ہاتھ میں لے لی ہے۔ اس میں کھلی بھری ہوئی، لوگوں پر پھینک رہا ہے۔ لوگ
جانتے ہیں گو ہے۔ بھلگتے پھرتے ہیں۔ کبھی پیشاب کر کے چلو میں لیتا ہے، لوگوں پر دوڑتا
ہے۔ آدمی پر آدمی گر رہے ہیں، بازار میں ہنگامہ ہے

(جلد پنجم، حصہ اول)

چل پوں، ہم ترح

خواجہ (عمر دغیار) کلیم ادڑھے کنج باغ میں کھڑے ہیں۔ اس فکر میں ہیں کہ کوئی کینز اس طرف آئے، اس کی صورت بن کر جاؤں۔ چونکہ صبح کا وقت ہے ہر ایک مرہ پارہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی ہے، کوئی حوض پر منہ دھو رہی ہے، کوئی کسی کو پکارتی ہے کہ ”ارے سنبل کس پیچ میں ہے؟ رات بھر تو غائب رہی، اب صبح کو کبھی آئے گی یا نہیں، یا اندھیر مچائے گی۔“ ایک پکارتی ہے ”بوانرگس، اٹھو، آنکھیں کھولو۔ نرگس نے انگریزانی لے کر کہا۔“ خدا کرے تیرے دیدے پھر ہو جائیں! سونے نہیں دیتی، تڑکے سے دم مچایا ہے۔ شبہم کا جا کر منہ دھلا شمشاد اکر ٹپتی ہوگی۔ اس کو بلا۔“

(اتنے میں ایک کینز درختوں میں پیشاب کرنے آتی ہے۔ خواجہ اسے بیہوش کر کے اس کی صورت بنتے ہیں)

جب صحن میں آئے، دیکھا ہر چنچنی کے آگے ایک ایک پلنگڑی سجھی ہے۔ کوئی خالی ہے، کسی پر ناز نہیں مر جیئیں لوٹ رہی ہے، کوئی اٹھ کے بیٹھی ہے، ڈلی کتر رہی ہے، لٹیا اٹھا کے کل کی، گلوری کلمے میں رکھ لی ہے۔ یعنی گھبرا کے اٹھی، لوٹا ماتھ میں لیا، طرف بیت اسخلاء کے بھاگی۔ اب حیران ہیں میری صحنچی کون سی ہے، نام میرا کیا ہے کہ ایک نے پکارا ”اے گل رو، جلدی فراغت کر لے، چل، ملکہ بیدار ہوئی ہیں۔“

عمر نے گھبرا کر کہا ”بوا، ابھی تڑکے تڑکے ہوش بھی درست نہیں ہوئے تو نے کاؤں کاؤں کر کے اور پریشان کیا!“ یہ تو بخوبی سمجھ گئے کہ میں گلرو خواہ خاص کی صورت پر ہوں۔ پکار کر کہا ”یہ تو بتا، ارے میری صحنچی کون سی ہے؟“

ایک نے کہا ”ایسے ادھر آ۔ تیرے مرنے گڑنے کی یہ جگہ ہے۔ جو کچھ رات کو کھاتی ہو، وہ بھی بھول جاتی ہو؟ مستانی ابل پڑی ہے، اپنے رہنے کی جگہ بھول گئی ہے!“

ایک نے کہا: ”بی گلرو، تو شے خانے کی مالک ہیں، ساری مندرس انہیں

کو ملتی ہے۔ ان کی نانی ڈھڈو قرن روز صبح کو دوپٹے پانچاے لے گدڑی بازار میں
 جاتی ہے، پرانے کپڑے بیچ لاتی ہے۔ دھکڑوں کو جامدانی کے انگرکھے بنا کر پہناتی
 ہے۔ اپنی آج سچھی قبول گئی! آنکھوں میں چربی چھالی ہے۔ بی گلو بھول گئیں؟“
 خواجہ بھی تڑاق تڑاق جواب دیتے ہوئے، کسی کا گال نوچ لیا، کسی پر گلوڑی
 کا اگال پھینک دیا۔ ”ہائے ظالم!“ کہہ کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا، کسی کے مارنے کو پاؤں
 سے جوتی اتاری، کسی پر پیک تھوک دی، لڑتے بھڑتے اپنی سچھی میں آکر بیٹھے۔

(جلد خیم، حصہ اول)

آؤ پردس لڑیں

شکر لند صور میں جو انان ہندی، وسیع و شریف، بانگے ترچھے، لڑے بھڑے
 کلوں پر زخموں کے نشان، ایک باغ بے خزاں، معلوم ہوتا ہے، پلٹیں رسالے سلف
 سے آراستہ ہیں۔ صبح کا وقت ہے، وروی بج رہی ہے، جو انان تماشا میں زبڈوں
 کے خیموں سے نکلے ہیں جمیل میں جا کر غوطہ مارا، نماز کا وقت جاتا تھا، جلدی
 آکر نماز چند فقرات میں ادا کی، چونکہ نشے باز ہیں، ڈیڑھ سی بغل میں دبائے دکان
 پر بھینگرٹن کے پہونچے، جوتی اٹھنی پھینکی، دم مارا۔ ادھر سے کیس دان آئے، ادھر
 سے رسالدار پہنچے، ایک کھسکارا، ایک نے مونچھوں پر تاؤ پھیرا۔
 کیدان نے کہا: ”میاں کیا مونچھوں پر تاؤ پھیرا کرتے ہو؟ آؤ، دودو ہاتھ
 لڑو۔“

تلواریں کھنچ گئیں۔ ایک کے وار پر دوسرا تعریف کرتا ہے کہ ”بھئی واہ
 جوان، کیا سا کھے کا ہاتھ مارا ہے! بھئی سپر تو پھینکو۔ مردان عالم کہیں گھونگھٹ میں
 میں رہتے ہیں!“

غصے میں دونوں نے سپر پھینک دیں اب دونوں کے سینے پر ہوئے

اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہوگا

ایک کینز نے کہا: ”واری، مجھ کو ایک ٹوٹکا یاد ہے۔ دیوال کی کلیسا میں جو لٹے کی راکھ بھر کے دیوار میں گاڑ دی جائے۔ سب دشمنوں کا منہ بند ہو جائے گا۔ پیر دیا کا کوٹہ امانے، بی تر ت پھرت کی پڑیا، بی ٹپک کی سپیاری، پیر پٹو کی جوتیاں۔ یہ سب ٹوٹے آزمائے ہوئے ہیں۔“

(جلد پنجم، حصہ اول)

”عورتیں بڑی چلتر باز ہوتی ہیں، مردوں کو دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ میرے شوہر کی مجھ سے لڑائی رہا کرتی تھی۔ پڑوسن نے مجھ کو ایک ٹوٹکا بتلادیا کہ بوا، جوتی سے آٹا تول کے ٹکیا پکاؤ۔ اندھیرے یا کھ میں میاں کو کھلاؤ۔ ہمیشہ جوتی کے نیچے رہیں گے۔ میں نے یہی کیا۔ اب کبھی سر نہ ہنس اٹھاتے، بھگو بھگو کے جوتیاں مارتی ہوں۔ حضور، ایسی باتوں کا ڈر ہے۔ بعض ٹوٹکا پٹ پڑتا ہے، مرد کی جان جاتی ہے..... میں جاؤں (ملکہ کی سوت کو) ہاتھ پکڑ کے کھینچ لاؤں؟..... اگر بولیں تو سوسلواتیں سناؤں گی۔ صاف کہہ دوں گی، ہماری بی بی بیاتنا ہیں، تم اڑھری ہو، میاں سلامت رہیں۔ ایسے ایسے معللے بہت سے ہوں گے، رہتا پانی رہ جائے گا، بہتا پانی بہہ جائے گا۔“

(جلد پنجم، حصہ دوم)

مشفقہ

سرخیل مرنے سے جو رو کے بدحواس ہو گیا، سر پٹنے لگا۔ چختا ہے، ”ہے،“ میری جو رو کو مار ڈالا! اب کون میرے ناز اٹھائے گا، پہلو میں سلائے گا؟ مثل ماں کے مہربانی تھی۔ نکھیاں جھل کر کھانا کھلاتی تھی، جاڑے میں قوت باہ کی گولیاں بناتی

تھی۔ اب شفقت سے کون سر پر ہاتھ رکھے گا؟ گھر میرا برباد ہوا۔ اے بی بی کچھ جواب دے دو۔ سامری حبشہ کی خدائی میں آگ لگے! تمھاری جوانی پر رحم نہ آیا! تمھاری وضع داری کو یاد کروں، کس بات پر فریاد کروں؟ سینکڑوں آشنا کئے، کبھی مجھ پر ظاہر نہ ہوا۔ میری دلہی سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ گھر میں جارنگہ پر دے پڑے رستے تھے، ہم جائے فراق نہ سہتے تھے۔ ایسی بی بی ہر بان کہاں پاؤں گا؟ کھلی ہوئی بات ہے اوروں سے سروٹھکو ایسا نام میرا کیا۔ میری مردانگی مشہور کرتی تھیں، میرے نام پر مرتی تھیں۔ عورتوں میں بیٹھ کر کہتی تھیں ”میرا شوہر بڑا تماش بن ہے“ جب کسی غیر کو بلایا، مجھ سے کہہ دیا، میری خالہ کا بیٹا آیا ہے۔ پردے میں سب کچھ کیا، کسی پر حال روشن نہ کیا!“

(جلد پنجم، حصہ دوم)

بے لگام

(توسن جا دو نے عمر و عیار کو گزرتا کر لیا ہے۔ عمر و اے گالیاں دیر ہے)
 ”..... قید میری یہاں بے وجہ نہیں آئی ہے۔ میاں توسن پر ضرور سواری کاٹھوں گا۔ دھانہ خاردار چڑھاؤں گا۔ تہازی بات ہے کہ منہ زور بھول جائیں گے، قدم نہ اٹھا سکیں گے۔ بگٹٹ بھاگیں گے۔ پوئی پران کو لگاؤں گا۔ دانہ گھاس کھلاؤں گا۔ تھان کے ٹرے ہیں..... اور توسن ٹوٹے، تجھ میں سب طرح کا عیب ہے، حشری، کمری، کہنہ لنگ، شب کو رہستارہ چشم، ایسے جانور کو میں رانوں میں پس کر مارتا ہوں!“

(جلد ششم)

فطرت

برق فرنگی عیاری کرنے کے لئے ظاہر میں ساحروں سے مل جاتا ہے، اور کوتوال کو لے کر عمر و عیار کو گرفتار کر لے پھرتا ہے۔
 برق فرنگی نے دیکھتے ہی ڈانٹا اور کہا: ”اوسا زبان زادے، منم برق فرنگی رفیق شہنشاہ شہاب گلگوں پوش! ارے ہم قوم کے انگریز ہیں، بڑے قندہ انگیز ہیں، مل کر مارتے ہیں۔ اسی واسطے بدلوں تیرے پاس رہے، اب قابو پایا۔“
 (جلد ششم)

دارالاسلام

(صاحبقران کے لشکر کو جادوگروں نے بری طرح گھیر لیا ہے۔ شکست یقینی نظر آتی ہے۔ عیار مستورات کو روانہ کر دیتے ہیں)
 بادشاہ سے بڑھ کر عیاروں نے عرض کی ”ناموس کو غلام روانہ کر چکے۔“
 بادشاہ نے خوش ہو کے فرمایا ”یہ بڑا کام کیا۔ ہمارا گرفتار ہونا یا مارا جانا کچھ عجب نہیں ہے۔ ناموس کو نکل جانا چاہئے۔“
 عیاروں نے عرض کی: ”ہم نے نگہبانوں سے کہہ دیا اگر سن لینا کہ ہم لوگوں کی شکست ہوئی، یا طرف خانہ کعبہ کے یا طرف ہندوستان یا طرف ذوالامان کے لیجاؤ۔“
 (بقیہ طلسم ہوش ربا، جلد دوم)

چھٹکی

ایک دختر نیک اختر..... پانچ سو کینراں مہ جمال اور انیسان مہر تمال کے بیچ میں جیسے جواہر معدن میں یا نور کے ہلے میں قمر ہوتا ہے، قریب آئی۔ کوئی پانچ

برس کا سن رکھتی ہوگی، مگر حسن متاع خوبی و گور گنجینہ حسن و محبوبی تھی۔ گھیتلا جوتا پہنے، گلے میں کرتا آب رواں کا، پائے کے پائے چھوڑے، رومال ناک پونچھنے کا کرتے کے بندے بندھا، بالوں کی مینڈھیاں گنڈھیں، ناک میں بلاق پڑا، آنکھوں میں کاجل گہرا گہرا لگا۔ گالوں تک بہا ہوا، ایک موتی کی تھنی پہنے، امی جان، امی جان پکارتی ہوئی..... آئی۔

(جلد دوم)

روکھی سوکھی

(۱)

دور تک قناتیں کھنچی ہیں، دیگیں گولوں پر چڑھیں ہیں۔ باورچی صافیاں ہاتھوں میں لپیٹے دیگوں کا ٹنگ ڈوے سے نکال کر چمک رہے ہیں۔ ایک طرف تخت بچھے ہیں۔ اس پر ترکاری چھل رہی ہے۔ صافیوں کو پکڑے چادروں کو لپیٹ دیتے ہیں۔ پلاؤ کی بعض دیگیں دم پر لگی ہیں، کھیر گھٹ رہی ہے۔ گرم مصالحہ پستا ہے، ہاون دستے میں ملدی وغیرہ کٹ رہی ہے، دہی پیلیوں میں رکھا ہے۔ ایک طرف اسی حصار میں ایک خیمہ چھوٹا سا ستادہ ہے، دہاں فرش بچھا ہے۔ درخیمہ پر کرسی بکھی ہے۔ داروغہ باورچی خانہ بیٹھا ہے۔ سامنے اس کے پٹریاں ٹونگ لالچی، زعفران، مشک وغیرہ کی بانگنی کے لئے رکھی ہیں۔ خوان ایک طرف چنے ہیں، ظروف طلائی، نقرئی، مسی چینی وغیرہ کے دھوئے جاتے ہیں۔ طاس بڑے اور لکڑی پالی سے لب زیر رکھے ہیں۔

(جلد چہارم)

(۲)

جب دو پہر رات کے قریب زمانہ گزرا، ملکہ براں نے خوان پر الوان نعتہائے گونا گوں سے ملبور دانہ کئے، اس کھل سے کہ روشن چوکی آگے بکھتی، سقے چھڑکاؤ کرتے کہ گرد و غبار کھانے پر نہ پڑے، تو رے پوش کشنیوں پر پڑے، کئے خوانوں پر کسے، یسادل و چوبدار

آگے آگے اہتمام کرتے کہ نظربد سے طعام محفوظ رہے۔ ملکہ کی مہر ہر خوان پر لگی ہوئی، آب خاصے کی سرائیک صراحی برف کی جھلی۔ اسی اہتمام و انتظام سے بکا دل ساتھ، ہنگوں پر منقلہائے آتشیں لدی، تیلیاں دم پر لگائے، جواہر کے ظروف بار کرائے باغ میں لائے دسترخوان زیبائے رومی کا گسترہ کیا، میرزا (وزیر) نے دست بستہ ہو کر خواجہ کو لا کر بٹھایا۔ عرض کیا کہ ملکہ نے کہا ہے، یہ کھانا گو آپ کے لائق نہیں، اور کچھ تکلف بھی نہیں کیا گیا، چچہ آتش تیار تھا وہی نان خشک کے ہمراہ بھیجے۔ اگر نوازش کیجئے گا، باعث میرے فخر کا ہو گا۔ اور آج تو تنہا نوش فرمائیے۔ کل اس میرزا نے غریب سے جو نان جویں ممکن ہوئی، قبول کیجئے گا، آپ کو قسم ہے خدا کی کچھ تکلف کو راہ نہ دیجئے گا۔

عمر نے کہا کہ: ”مجھ کو بناتی ہیں! میں بے چارہ مرد غریب اس لائق کب ہوں، یہ سب ان کی مسافر نوازی ہے:

از جسر تو خاک زمیں قدر عمل یافت
بیچارہ ماکہ پیش تو از خاک کستیرم
بلکہ میری طرف سے عرض کر دینا کہ بموجب

بازائے ساقیا کہ ہوا خواہ خد متم
مشتاق بندگی و دعا گوئے دولتم
من کز وطن سفر نہ گزیم بعر خویش
در عشق دیدن تو ہوا خواہ خویشتم

حاصل مرام، بعد سفر گسری طعام لذیذ و خوشگوار چنا گیا۔ وزیر نے آفتاب اٹھا کر طشت زریں و ابرق جواہریں سے ہاتھ دھلایا، آپ سر پر مروجہ جنبانی کرت لگا اور خواجہ نے خاصہ نوش فرمایا۔ بکا دل اور داروغہ باور چی خانے کو بعد کھانا کھانے کے کئی ہزار روپیہ زمبیل سے نکال کر انعام دیا۔

(۳)

وزیر نے دست بستہ عرض کیا کہ خاصہ تیار ہے۔ حکم ہوا کہ لاؤ۔ اول کینران مہر دیدار سردے کر روانہ ہوئیں، اور مطبخ خانے سے خان کسواگر مہر سے وزیر داروغہ کے جب خاصہ چلا، سردیجئے لگا۔ اور تعریف ملکہ میں گانا شروع ہوا۔ مروجہ جنبانی

سہر خوان پر ہونے لگی کہ پشہ و مگس سے محفوظ رہے۔ غرض کہ بڑے تھیل سے کھانا آیا، اور دسترخوان دیا واطلس کا بچھا، پھر اغذیہ لطیف و گونا گوں کو ہر توڑ کڑ نکالا پہلے نمکچی کے کئی خوان سب کھانے سے نکالے۔ اور دسترخوان چنا گیا۔ پھر ہاتھ دھوا کر خواجہ اور ملکہ نے کھانا تناول فرمایا۔

(جلد دوم)

پر دے میں زردے

شہزادہ قاسم کنارے نہر کے بیٹھا تھا، دنیا و مافیہ سب فراموش، سیرطسم میں بیہوش تھا کہ اور دنیا ماجرہ نظر آیا۔ دیوانہ بننے کا زیادہ سامان پایا، یعنی اس نہر میں پشت قلعہ کی طرف سے ایک مورچہ بھی بہتی ہوئی نظر آئی۔ کئی سو قندیل اس پر روشن بہرا رہاں جو بن تھی، گل رنوں کے مجمع سے وہ مورچہ بھی رشک گلشن تھی۔ جل ترنگ اس پر بھی تھی۔ مورچہ بھی کے مورمنہ میں موتیوں کے ہار لے تھے۔ مسند زنگار اندر اس کے کچھ بھی تھی جب وہ لشتی طاؤس پیکر کے قریب آئی..... ایک نازیں کم سن مسند پر جلوہ گر پائی..... کئی سو کینز گرداس کے حلقہ فگن اور بیچ میں وہ گل بدن..... عجب اس کی زیبا طلعت تھی..... چہرہ روشن جو کبھی بے نقاب ہو تو آفتاب کی آنکھ جھپک جائے، ایسا اس کو حجاب۔ سر پر تعویذ مرصع کار لگا تھا، چاند سورج اس میں بنے تھے..... گات اس کی گول بھری ابھری، سخت نیکی چھاتیاں، پردے پردے میں دل چرا لے جاتیاں..... شہزادہ اس نیم خوبی کو دیکھ کر آئینہ نمط حیران ہوا، اور دل مضطر پر قابو نہ رہا۔ بیتاب ہو کر پکارا:-

”دقہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو !
کاش کہ تم مرے لئے ہوتے“

اس قلزم حسن نے جو صدا اپنے عاشق مضطر کی سنی، نظر الفت اس کے چہرہ پر کی..... وہ گوہر محیط حسن اس صورت زیبا کو دیکھ کر غش کر گئی..... ایک بڑھیا، ابلیس کی نانی، تلبیس میں آفت زمانہ، ساحرہ مکارہ اسی نازیں

کی دایہ پاس بیٹھی تھی۔ نیلا قصا بہ سر پر باندھے تھی۔ اس نے گلاب منہ پر چھڑکا کہ وہ گلبدن ہو شیار ہوئی، اس ضعیفہ نے مورچہ بھی جلد کنارے پر پہنچائی اور شہزادے سے آنکھ ملا کر گویا ہوئی کہ ”اے شہزادے، اگر آپ مشتاق ملاقات بلکہ خوش صفات ہیں تو یہاں تشریف لائیے۔ سیر دریا فرمائیے۔ باتیں کیجئے، اپنی کہنے اور کی سنئے، پھر چلے جائیے گا۔“...

شہزادے نے جست کر کے اپنے تئیں کشتی پر پہنچایا، اور پاس اس بحر خوبی کے آکر مسند پر پہلو میں بیٹھا۔ دل مضطر کو قرار آیا۔ وہ مورچہ بھی اس کو ہر خوبی کو یا کر مثل باد صرصر کے سن سن روانہ ہوئی..... یہاں تک کہ بیچ دریا میں پہنچ کر مورچہ بھی نے چکر کھایا۔ قاسم ایسا محو نظارہ جمال یا تھا کہ کچھ دھیان نہ آیا۔ وہ مورچہ بھی چکر کھا کر دریا میں آخر بیٹھ گئی۔

(یہ شہزادی بنفشہ جادو ہے۔ اس کی دایہ بادشاہ طلسم کی طرف سے اس کام پر مامور ہے کہ جو کوئی دریا پر آئے اسے ملکہ کے حسن و جمال پر لبھائے اور گرفتار کر کے لے آئے چنانچہ وہ قاسم کو قید کر کے اطلاع دینے جاتی ہے۔ بنفشہ قاسم پر عاشق ہو چکی ہے۔ وہ اپنی کینزوں کی مدد سے اسے چھڑا لاتی ہے، اور دونوں رنگ رنیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دایہ واپس آ کے یہ ماجرا دیکھتی ہے تو فوراً جا کے شہزادی کے باپ کو ہر شاہ سے شکایت کرتی ہے)

ملکہ و شہزادہ اسی طرح گرم سخن تھے کہ یکایک آواز مہیب آئی، اور ہر سمت تاریکی چھائی۔ ملکہ گھبرا کر پکاری کہ ”خداوند، خیر کرنا“ شہزادہ قاسم گھبرا کر دست بقبضہ ہوا اور اٹھا تھا کہ زمین ٹھرائی، زلزلہ آیا، پھسل کر گرا، بے ہوش ہو گیا، اور یہی کیفیت بنفشہ جادو اور تمام کینزوں کی ہوئی۔ جب یہ سب بے ہوش ہو گئے، ملک کو ہر شاہ اور دایہ روئے ہوا سے نیچے اترے، اور شاہ نے دایہ سے کہا کہ: ”ان دونوں مجرموں کو تخت سحر پر بٹھا کر بارگاہ میں لا کر سران کے جدا کر کے وصال روحانی سے دونوں کو شاد کرو۔“ یہ حکم دیکر آپ جانب دربار روانہ ہوا۔ دایہ نے زنجیر ہائے سحر سے گرفتاران سلسلہ عشق کو باندھا، اور سحر پڑھ کر کینزوں کو ہوشیار کر دیا، ان دونوں کو تخت سحر پر ڈال کر لے چلی۔ کینزوں نے جو یہ ماجرا دیکھا، سراور سینہ سٹنے لگیں اور دانی کو برا بھلا کہتی تھیں اور عازم ہوئیں کہ سحر سے لڑ کر دایہ کو قتل کریں اور ملکہ کو چھین لیں۔ لیکن خوف شاہ طلسم ایسا غالب تھا کہ جسارت نہ کر سکیں، اور کبھی جھکتی ملکہ کی ماں پاس چلیں۔ راہ میں باہم

کہتی جاتی تھیں کہ ”لوگو، یہ نگوڑی دائی کیا ہاتھ دھو کر ہماری ملکہ کے سچھے ٹر گئی۔ خدا کی مار اس کی صورت کو، سات اتوار آٹھوں منگل کی جھاڑ واس کو، ڈھائی گھڑی کی موت آئے۔ بی اس دائی کو دودھ پلانے کی بھی کچھ محبت نہیں، دائی کاہے کوہے بھائی ہے۔ ہے ہوا، میرا پلایا تھا، پھر میں اپنی جان نثار کرتی تھی۔“

ایک ان میں سے بولی کہ ”تمہارا تو پلایا تھا، میں نے تو فقط مرزا کے لڑکے کو منہ سے بیٹا ہی کہا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ بغیر دیکھے اس کے قرار نہیں آتا۔“

اسی طرح کی باتیں یہ کنیزیں باہم بناتی بہت جلد محل میں آئیں، یہاں ہزار ہا کنیزیں اور ماما اخیل، مغلانی، پیش خدمت حاضر تھیں..... ان عورتوں کو روئے ہوئے دیکھ کر سب عورات پوچھنے لگیں کہ ”ارے، کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟“

انہوں نے کہا: ”اے بی بی، دائی نافرمان کی جان کو رو دتے ہیں۔ جلد ملکہ کی امی جان کو بتاؤ، ارے لوگو، بڑی حضور کہاں ہیں؟ ان سے کہو کہ چھوٹی حضور کو یہ موٹی انا پکڑے لئے جاتی ہے۔“

یہ سننا تھا کہ سب انیسیں، مصاحبیں دوڑیں، بارہ دری میں ملکہ ماہ سپریری تماشال جا دو بیٹھی ہوئی چوسر کھیل رہی تھی کہ ان سب نے کہا: حضور، صاحبزادی کے نوکر آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے دشمن، کہنے والی بندی قید ہو گئی۔“

یہ سنتے ہی بڑی حضور کے بھی جھکے چھوٹے۔ چوسر الٹ کر بارہ دری کے باہر آئی۔ نبفشہ کی کنیزیں سب دوڑ دوڑ کے قدموں پر گریں، اور چیخ مار کر روئیں اور سب حال بیان کر کے کہا: اے بیوی، ملکہ فقط اتنی گنہگار ہیں کہ اس مردوے کو دائی کے گھر سے جا کے لے آئیں، سو وہ بھی اس واسطے کہ اس کو قبریں قتل ہوؤں کی دکھائیں تاکہ وہ عبرت پذیر ہو۔ اس برہم پر اس قظامہ دائی نے نہیں معلوم کیا کیا ان کے باپ سے جا کے لگایا کہ بادشاہ خود تشریف لائے اور ملکہ کو اب دائی پکڑے لئے جاتی ہے۔“

ان باتوں کو جو ماہ سپریری نے سنا، فوراً اپنے یہاں کے خد متسکار، چوہدار، خواجہ سرا اور علی کے سرداروں کو حکم دیا کہ ”جاؤ اور دائی کے جوتیاں مار کے میری بجی کو چھین لاؤ۔ اگر وہ فحشہ دائی دربار شاہی میں پہنچ گئی ہو تو اندر دارالامارت کے گھس کر چھین لانا، کچھ بادشاہ کا خوف دلکا نہ کرنا۔ اس بھڑوے کو تو سودا ہو گیا ہے۔ پہلے تو امان نافرمان سے کہا

کہ لڑکی مردوں کے رجھانے کے لئے لیجا یا کرے، اب بڑی غیرت مولے کو آئی! اے کوری پیٹھ پھٹنے لگے۔ میں سچ کہوں، میری بچی ہر بار مرد کو دیکھتی ہے اور ترس کے رہ جاتی ہے۔ آخر، لوگو، وہ بھی جوان ہے۔ اس کے بھی جی ہے کہ نہیں؟“

یہ بات سن کر کنیزوں اور محل کی عورتوں نے تائید کلام کی کہ ”اے ملکہ، آپ سچ فرماتی ہیں۔ جس بات کا خیال نہ کرو تو برسوں نہ کرو، اور جو ہر بار اس کا سامنا ہو تو، حضور، خطا معاف، بڑی بڑی پارساؤں سے نہیں رہا جاتا ہے۔“

ایک ان میں سے بولی کہ: ”اے بیوی، ہماری صاحبزادی کو تو سیدھی بات نہ کرنا آتی تھی، اب تک نہ دکر، نام خدا سے روٹی مانگتی ہیں۔ اسی دانی مال زادی نے دریا پہ لے جا جا کے دیدہ دلیر بنایا۔ وہ تو ملکہ ہی سی نیک کوکھ کی بیٹی تھیں جو دبی دہانی میں ابھی دوسری ہوتی تو آسمان میں تھکلی لگاتی۔“

غرض کہ یہاں تو عورتیں غوغا کر رہی ہیں، ادھر کئی سو ملازم بڑی ملکہ کے چودے، دانی راستے ہی میں تھکی کہ یہ جا پہنچے، اور پکارے ”رہ تو جا، ادھیانی، مارے جوتیوں کے جو تجھ کو فرش نہ کیا تو کچھ کام ہی نہ کیا۔“

دانی یہ کلام سن کر گھبرائی، اور اس نے پہچانا کہ یہ سب ملازم ملکہ کی ماں کے ہیں، ملکہ کو لینے آئے ہیں، اگر تو نے ذرا بھی انکار دینے میں کیا تو یہ بہت بری گت بنا دیں گے، خیر پھر تجھے کیا مطلب ہے جو اپنی آبرو گنوائے اور نوکروں کی مار کھائے۔ یہ معلوم کر کے گویا ہوئی کہ: ”صاحبو، میں تو آپ ہی ملکہ کو ان کی ماں کے پاس لائی تھی۔ میرا کیا قصور ہے؟ تم صاحبزادی کو لے جاؤ۔ بھلا میں ان کے دشمنوں کو رنج پہنچاؤں گی؟ مجھ سے کب ہو گا کہ کوئی ان کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے؟“

جب ان نوکروں نے یہ باتیں عذر آمیز سنیں، ملکہ کو اس سے لے کر تخت سحر پر بٹھا کر محل کی طرف لے گئے، اور دانی شہزادہ قاسم کو لے کر جانب دربار بادشاہ گئی۔ ملازماں مادر ملکہ نے ملکہ کو محل میں لا کر پہنچایا اور سحر اس پر سے برطرف کیا اور اس کو ہوش آیا۔ اپنے تئیں محل میں اپنی ماں کے پایا اور ماں کو سامنے دیکھا۔ فراق یارے دم گھٹنے لگا، لیکن ضبط کر کے ماں کو سلام کیا اور دل تو بھرا تھا ہی، بدنام ہونے کا جلد کر کے روئی لگی۔ ماں نے اٹھ کر براہ چشم نمائی اور تیبہ دو طمانچے مارے، اور کہا، ”اومردار،

بڑا غضب کیا تو نے، کہ حرمت مٹادی۔ غیر مرد کو پہلو میں لے کر بیٹھی،

ملکہ یہ باتیں سن کر ایسا روئی کہ بچی بندھ گئی۔ اس وقت ماں نے اٹھ کر گلے سے لگایا، پیار کیا، ملکہ نے کہا: ”آپ نے بھی بے تحقیق کئے، امی جان، مجھ کو الزام دیا۔ آپ دریافت کر لیجئے جو کوئی بے حرمتی ہوئی ہو۔ میں نے تو ترس کھا کر اس قیدی کو اپنے باغ میں بلایا تھا۔ دایہ اماں نے مجھ پر یہ غضب ڈھایا کہ چھناں بنایا۔“

اس وقت سب محل والیاں صدقے قربان ملکہ پر سے ہوتی تھیں۔ اور کہتی تھیں ”ہے ہے، ہماری صاحبزادی کا لہو پانی مردار دانی نے ایک کر دیا۔ اے لوگو! ابھی یہ سن یاری آشنائی کرنے کے قابل ہے؟ ابھی چھوٹی حضور میں کیا؟ میں ایڑی دیکھ کے کہتی ہوں اس سال سے تو ذرا اتنا بھی ہوئی ہیں کہ جوان معلوم دیتی ہیں، کیوں، بڑی کھلائی، ابھی ان کو میٹھا برس کہاں لگا ہے؟“

بڑی کھلائی نے کچھ پوروں پر انگلیوں سے حساب کر کے کہا: ”اس مہینے کی پندرھویں کو، میرے منہ میں خاک، ہونستی نہیں ہوں، تیرھواں برس بھر کے چودھواں شروع ہوا ہے۔“

یہ سن کر ایک مغلائی نے ہاتھ کاٹ لیا۔ حیرت زدہ ہو کر کہا: ”اوی بیوی، یہ اتنی سی چھو کمری کو دانی نے چھنا لال لگایا۔ لوگو، میرے تو سن کے حواس جلتے رہے۔“

حاصل الامراں نے بیٹی کا منہ ہاتھ دھلوا یا، کچھ کھانا کھلایا۔ اس کو یاد شہزادہ نامدار تھی، کھانے سے طبیعت کو نفرت، دل میں محبت یار تھی۔ زوئی رہی، کچھ کھا لیا اور منہ لپیٹ کے چھپر کھٹ پر پڑ رہی۔

ماں نے کہا: ”دیکھو صاحبو، میری بچی کو بخار چڑھ آیا ہے۔ اگر اس کا ایک بال بھی بیکا ہوگا تو میں آگ لگا کے اس گھر کو نکل جاؤں گی۔ کیسی سلطنت؟ میں خاک میں ملاؤں ایسی حکومت کو جہاں میری بچی بھی کڑھے۔ اس وادی کو وہاں صدقے اتاروں جہاں ملکہ کی دانی نے ہاتھ دھوئے ہوں۔“

سب امیسیں یہ سن کر بسورنے لگیں، اور پانگ کے پاس جا کر ملکہ کے پنڈے کو دیکھتی تھیں اور سرد آہیں بھرتی تھیں۔

(ادھر دایہ شہزادے کو لے کر گوہر شاہ کے دربار میں پہنچتی ہے)

بادشاہ نے دایہ سے فرمایا کہ ”تو اس کیسو بریدہ و شوخ دیدہ کو گرفتار کر کے
کیوں نہ لائی؟“

اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ”میں لاتی تھی، آپ کی بیوی کے ملازم کے
مجھ سے چھین لے گئے۔“

یہ سنتے ہی بادشاہ اٹھا، اور اندر محل کے چلا۔ نواب ناظر اور خواجہ سراؤں
نے دوڑ کر خبر تشریف آوری بادشاہ بانوئے شاہ کو پہنچائی۔ اس نے سب اپنی
کنیزوں انیسویں وغیرہ کو بلا کر ایک جا استادہ کیا، اور فرمایا کہ ”تم سب آگاہ
ہو کہ اس وقت بادشاہ اس دایہ قحبہ کی لگائی بھائی سے یہاں آتے ہیں اور میری لڑکی
کو بچہ لیجانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور وہ نگوڑی ابھی روتے روتے ذرا سوئی ہے۔ تم
سب کو میری جان کی قسم بادشاہ ہوں سے تو کرے تو سب ان کے پیٹ جانا اور خوب
مارنا۔ اگر تم نے کچھ اس کام میں قصور کیا تو میں ابھی سر پٹی سر بسجرا نکل جاؤں گی۔“
کنیزوں نے عرض کیا: ”ہم سب آپ کے تابع ہیں۔ اگر آپ خداوند سامری
و جمشید سے لڑنے کو کہیں تو ہم ان سے بھی لڑیں۔“

یہ عرض کر کے وہ سب آمادہ جنگ ہوئیں، اور لاٹھی، پیھر وغیرہ بعض نے لئے
اور بعض نے دستینا، بھکنی، پرانی ہانڈی، جلتی ہوئی لکڑی، سوختے وغیرہ سنبھالے اور
زوجہ بادشاہ بیچ صحن میں فرش خاک پر پاؤں پھیلا کر، یا نیچے چڑھا کر، بال سر کے پر شا
کر کے بیٹھی اور سب عورتیں گاتیاں باندھ کر، پانچوں میں گزہ دے کر ملکہ کے گرد گھڑتی
ہوئیں۔ اس عرصے میں بادشاہ داخل شہستان ہوا۔ کنیزوں نے تسلیم نہ کی۔ بادشاہ یہ
حال محل کا دیکھ کر پریشان ہوا۔ بی بی کو اپنی زمین پر بیٹھے دیکھ کر دل سے کہتا تھا کہ یہ کون
سی آفت گھر میں آئی۔ غرض زوجہ کے قریب آ کر بیٹھ گیا، اور گویا ہوا کہ ”صاحب، کچھ
تم نے اپنی بیٹی کا بھی کر توت سنا؟ اور یہ اپنا حال یوں تم نے اتر کیا ہے، شاید اس
خیال سے کہ میں بیٹی کے عوض تم سے کچھ کہوں، تو ایسا نہیں ہے۔ تم اس کیسو بریدہ کو میرے
حوالے کر دیتے ہو کچھ واسطہ نہیں ہے۔“

یہ کلام سن کر ملکہ نے جواب دیا کہ ”بیٹھا ادھر، موئے بوبک، تجھ کو صدقے
اتاروں اپنی بچی پر سے کہ تو نے اس قحبہ کے کہنے سے میری لڑکی کو مار اتارا اور ابھی

تک بھڑوے تجھ کو چین نہیں!“

بادشاہ نے یہ جواب نامعقول جو سنا، فرط غضب سے آگ ہو گیا، اور پکارا کہ: ”مال زادی، کچھ تیری قضا تو نہیں آئی ہے؟“

ملکہ نے یہ سن کر ایک دو حاضر زمین پر مارا کہ ”ارے تجھ مال زادی کہنے والے کو خاک میں ملاؤں، گہری گور میں توپوں، تجھ کو ہے کمرہ، تیرا حلوہ پکاؤں، ابو مونڈی کلٹے نے مجھ کو بے وارٹی سمجھا ہے۔ اپنی حکومت پر دھمکتا ہے۔ ابھی طلسم ہو شرابا آباد ہے۔ میرے مال باپ بھی جیتے ہیں۔ شاہ افراسیاب کو سامری سلا رکھیں۔ وہ شاہ تو میرا حال سن کے ان کے چھلی ٹھوک دے گا۔ یہ جاننا کہ میں ایسی دیسی ہوں، میں بھی ملک احمر سبز پوش کی بیٹی ہوں جو بھائی ہے ملک اخضر سبز پوش کا، اور ملک اخضر باپ ہے ملکہ لعل سخن داں کا جو شہنشاہ افراسیاب کی منگیتری۔ میرے چچا نے حیرت کو گھر میں ڈال لینے سے آج تک بادشاہ کے ساتھ شادی نہیں کی“ ملک گوہر شاہ نے یہ باتیں جوبی بی سے سنیں، غصے میں تو بھرا تھا ہی، ایک طمانچہ اس کے رخسار پر لگایا: ”غیبانی ٹرائے جاتی ہے! کیا کرے گا وہ افراسیاب مسیرا؟“

کس طلبے کا مارنا تھا کہ آفت آگئی۔ بی بی نے اور زیادہ پیٹنا شروع کیا: ”ہے، وہ بندری رانڈ ہو گئی! گوہر مر گیا، اس کی لاش نکلی!“

ادھر تو بی بی پیٹنے لگی، ادھر کنیزیں وغیرہ محل کی سب عورتیں دوڑیں اور کہتی تھیں، ”واہ واہ میاں تم نے تو ماں باپ کی بیٹی نہ بنایا، کوئی نوڈی بنائی کہ جیب پایا دھن کٹی کر لیا۔“

ایک بولی: ”موئے کے ہاتھ ٹوٹیں گے، جیسا پٹ سے ہماری بی بی کو مار بیٹھا دوسری نے کہا کہ“ اسی طرح سامری کہے اس کی بھی ٹنڈیاں کسی جائیں،“

تیسری نے کہا: ”نا صاحب، ہماری بی بی کا ایسے جلا دموائے قصائی کے یہاں گذر کہاں؟ آگ لگا کے نکل بھی جائیں۔“

پھر ایک اور ان میں سے بولی کہ ”ہاں بی بی سچ تو ہے، جس شہزادی کے کبھی ماں باپ نے پھول کی چھڑی نہ چھوئی ہو اس پر یہ مار پڑے۔ یہ تو کہو ملکہ ہی ایسی نیک ساعت کی پیدا اور نیک کوکھ کی جتنی تھیں جو اتنے دن ایسے ظلمی سے نباہ بھی کر گئیں۔“

دوسری نے جواب دیا کہ: ”پھر آخر کہاں تک کیلجے پر پھیر رکھ لیں، اور چپ بیٹھی رہیں؟ وہ بھی آدمی ہی ہیں۔ نہ رہا گیا بول اٹھیں پھر بولیں تو آفت آئی۔“

بادشاہ نے چار طرف سے جو یہ کائیں کائیں سنی، ہر ایک کو گھڑ کا کہ ”چپ رہو، مال زاد یو، یہ کیا غوغا مچا رکھا ہے؟“

عورتوں نے کہا: ”لو ایک تو چوری، دوسرے سینہ زوری۔ غدر کرنے سے گئے اور اٹے آنکھیں نکالنے لگے! تو یہاں کوئی دینے والا نہیں۔ جب سے ہماری ملکہ کو مارا ہے ہماری آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔ جی میں آتا ہے کہ چھاتی پر چڑھ کے ڈھائی چلو لہو پی جائیں۔“

بادشاہ یہ سن کر ان سب کو مارنے چلا۔ وہاں تو صلاح کر کے جنگ سب آمادہ ہو رہی تھیں۔ بادشاہ کے بڑھتے ہی چار سمت سے عورتیں ٹوٹ پڑیں، اور لاکھی، پتھر، پھکنیاں، دپٹے پڑنے لگے۔ اور چونکہ یہ سب عورتیں ملکہ مذکور کے میکے میں ہیں، اور شاہ افراسیاب سے تعلق رکھتی ہیں، ان کو بڑا غرور ہے، کچھ خوف اس بادشاہ کی حکومت کا ان کو نہیں۔ بے محابا بادشاہ پر حملہ آور ہوئیں، اب تو ”ہائیں ہائیں! لگے، لگے! ماروئے کو، لینا، گھیرنا!“ کی صدا بلند ہوئی۔ اور ترتر، اتر، چٹاق، پٹاق، دھوون دھوون، کیوں اور؟ کی آواز آنے لگی، بادشاہ از بس کہ مرد میدان نبرد تھا، ان کے حملے کو روکنے کے قریب نہ پہنچا، اور دو تین کولات سے، تین چار کو ہاتھ سے دھکا دے کر گرا دیتا اور کہنیاں مارتا۔ اس وقت کہ ایک لونڈی کہ ٹھگنے قد کی، گول بدن، سیاہ رنگ، سیاہی کی گانٹھ بنی ہوئی، کڑوا تیل سر میں ڈالے، ڈو پٹے کی گاتی باندھے تھی، اس نے چمک کر ٹانگوں میں بادشاہ کے اپنے تئیں پہنچایا، اور انہیں دونوں ہاتھ سے منسوبوٹ تھامے۔ بادشاہ یکراں: ”اری مال زاد ی، یہ کیا کرتی ہے؟ اری چھوڑ، ادھجہ، میری جان گئی۔“ ادھر تو وہ کینز پکڑ کر لوٹ گئی، ادھر بادشاہ گر کر تڑپنے لگا اور اوپر سے عورتوں نے بری گت بنادی۔ تاج کہیں گرا، قبائے فرمانروائی ٹکڑے ٹکڑے ہوئی۔ کسی عورت نے منہ میں توے کی سیاہی بھر دی، کسی نے جوتیوں کا بار بنا کر گلے میں پہنا دیا، کسی نے ہانڈی کا گھیرا گلے میں ڈالا، کسی نے ڈاڑھی نوچ لی اور خوب مارا۔ جب دیکھا کہ بادشاہ کی جان پر بن گئی ہے، اس وقت ملکہ نے اس کینز سے کہا کہ ”انہیں چھوڑ دے۔ اس نے چھوڑ دیے۔ سب عورتیں سامنے سے بھاگ گئیں۔“

بادشاہ بھی جان چھڑا کے اٹھ کے بھاگا اور اسی حال سے باہر دارالامارت کے جو آیا،
 سب اہل دربار ہنسنے لگے، اور بعض مقربین نے دست بستہ استفسار حال کیا۔
 اس نے جھلا کر کہا: ”کیا بیان کروں؟ میں نے بار بار کہا ہے کہ بیگم کا مزاج بہت
 برا ہے، ان کا غصہ، سامری کی پناہ! نہ کچھ سمجھتی ہیں نہ بو جھتی ہیں۔ بو چھاڑ کرنے لگتی ہیں۔“
 یہ کلام سن کر ایک درباری لطیفہ گو نے چپکے سے دوسرے سے کہا: ”آج ساری
 حکومت اس میں مل گئی۔“

یہ تو براہ ادب چپکے چپکے باتیں کرنے لگے، اور بادشاہ نے ہاتھ منہ دھو کر
 لباس تبدیل کیا۔

(بادشاہ غصے کے مارے شہزادہ قاسم کے قتل کا حکم دیتا ہے، اتنے میں سکندر
 بن سامری آجاتا ہے۔ جسے یہاں کے لوگ خدا سمجھتے ہیں۔ اس کے کہنے سے قاسم کو قتل
 کرنے کے بجائے صحرائے طلسم میں پھینکوا دیا جاتا ہے اور بنفشہ کی خطا معاف ہو جاتی ہے)
 بادشاہ نے بیٹی کو اپنے گلے سے لگایا، اور بہت کچھ نشیب و فراز عالم سمجھایا۔
 بنفشہ نے رو کر کہا ”اگر اجازت اپنے باغ میں رہنے کی نہ پاؤں گی، اس طرح
 رو رو کر جان دوں گی۔ نہ پانی پیوں گی، نہ کھانا کھاؤں گی۔“

خداوند نے یہ سن کر فرمایا کہ ”اے بادشاہ باغ میں اس کو جلنے کیوں نہیں دیتا؟
 وہ مسلمان بیابان حیرت سے کیا نکل آئے گا؟“
 بادشاہ نے جواب دیا کہ ”ممکن نہیں جو وہ زندہ رہے۔“ یہ کہہ کر بیٹی سے کہا:
 ”اچھا، اے فرزند، تم اپنے باغ میں جانا۔“

ملکہ یہ سن کر ہنسی، اور باپ کے گلے سے لیٹ گئی۔ آخر سب شاد و خرم ہوئے
 اور خداوند اٹھ کر محل سے اپنے گھر گئے۔ بادشاہ داخل دارالامارت ہوا۔ ملکہ بنفشہ نے
 اپنی ماں کی بلائیں لیں، اور کہا: میری اچھی امی جان، مجھ کو باغ میں جانے دیجئے۔“
 ماں نے کہا: ”اچھا جاؤ۔ گل و غنچہ سے اپنا دل بہلاؤ۔ لیکن اب کوئی ایسا امر نہ
 کرنا جس میں مجھ کو بولنا پڑے، اور تم بھی بدنام ہو۔“

اس نے کہا: ”جی نہیں، اب ایسا نہ ہوگا۔“

(مگر وعدے کے برخلاف وہ شہزادے کو بیابان سے اٹھوا منگواتی ہے اور

باغ سے بھاگ نکلتی ہے۔ لیکن بادشاہ کا ایک ملازم دونوں کو گرفتار کر کے پھر بادشاہ کے پاس لے آتا ہے۔ انھیں قتل کرنے سے پہلے بادشاہ مشورے کے لئے خداوند اسکندر بن سامری کو بلاتا ہے۔

اس عرصے میں خبر گرفتاری ملکہ محل میں بھی پہنچی، ملکہ کی انا، دائیاں، کھلایاں چھو چھو وغیرہ سر و سینہ پیٹنے لگیں۔ کوئی کہتی تھی: ”افسوس، میری گود کی پالی!“ کسی نے کہا: ”ہے، بچی، تیری جوانی!“ کوئی پکاری: ”یا سامری، میری فریاد کو پہنچو، میری صاحبزادی پر سے یہ بلا دور کرو!“ کسی نے کہا: ”ارے لوگو، میں کدھر جاؤں!“ ایک بوٹی میں اپنی پلائی کی الا بلالے کر مر جاؤں۔“

یہ حالت مادر ملکہ نے جوان سب کی دیکھی، چادر سر سے پھینک، بال پیشا کر کے یہ کہتی ہوئی شہستان سے باہر چلی کہ ”میں اب اس گھر کو چھوڑنا دے کے سر بھرا جاتی ہوں، اپنی بچی کا مرنا آنکھ سے نہ دیکھوں گی۔“

جب بادشاہ بیگم اس ہیئت سے باہر چلی، سب عورتیں محل کی روتی پڑتی ساتھ ہوئیں۔ کہرام مچ گیا: ”بائے یہ لیسا غضب ہے؟ اے صاحبو، یہ کیوں چھری بے گناہ پر پھرتے ہو؟“

اس طرح کے کلمات کہتی ہوئی جلو خانہ ایوان شاہی میں سب کی سب آئیں۔ خواجہ سراؤں نے دوڑ کر بادشاہ کو خبر دی کہ بیگم صاحبہ روتی ہوئی دربار میں آتی ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بادشاہ نے خداوند کی جانب دیکھا۔ اس مردود بارگاہ ایزدی نے حکم دیا کہ ”ملکہ کو مع اس کی کینروں کے قید سے رہا کر کے اس کی ماں کے پاس پہنچا دو۔ ہم اس کا ایسا علاج کر دیں گے کہ وہ نام بھی اس مسلمان کا اب نہ لے گی۔ اور اس گنہگار کو بھی فی الحال قتل کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ شہزادی اس کی عاشق ہے، وہ فرط غم سے ہلاک ہو جائے گی۔ جب میں اس کا علاج کر دوں اس وقت اس کو قتل کرنا۔“

(ملکہ قید سے چھوٹ کی آتی ہے، اور ماں سے پیٹ کے روتے لگتی ہے)

ماں نے کہا: ”ادی چھو کمری، تیرے غم نے مجھ کو جیتے جی مارا ہے۔ تو نے خوب پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں۔ شاباش بچی کیا کہنا! خوب باوا کا نام روشن کیا، اور اماں

نگوڑی کا سر مونڈا۔ اری میرے یہاں کی لونڈیاں بھی نہیں بھاگیں اور حیفنا لیں مشہور نہیں ہوئیں، نہ کہ بیبیاں۔ خیر شکر ہے سامری کا، یہ بھی نصیبوں ہمارے کا لکھا تھا۔“ یہ کہتی ہوئی بیٹی کو لے کر انہی جگہ پر آئی۔ اور باسالتش رہنے کو جگہ دی۔ ادھر شہزادے کو ساحروں نے ایجا کر ایک زندان تنگ و تاریک میں قید کر دیا۔۔۔۔۔ شہزادہ یاد میں ملکہ کی بے قراریاں کرتا، کبھی درگاہ خدا میں اپنے چھوٹنے کے لئے گریہ زاریاں کرتا۔ ادھر ملکہ دل ہی دل میں اس گرفتار زنجیر ستم کا غم کرتی، ارمالوں کا اپنے دل میں ماتم کرتی۔

(جب قاسم دریا میں غائب ہو گیا تھا تو سیارہ بن عمرو عیار اس کی تلاش میں نکلا تھا۔ اب وہ ایک بیابان میں پہنچا ہے۔)

زمین بھی تابش آفتاب سے سیاہ تھی۔۔۔۔۔ غار ہر ایک تنور گرم تھا، پتھر حرارت سے موم کی طرح نرم تھا۔ ہوائے گرم کے جھونکے ہوائے خاطر مفلساں سے کہیں بڑھے چڑھے، دل و جگر جلاتے۔۔۔۔۔ پانی نام کو نہیں۔۔۔۔۔ سناٹے چیل میدان، انسان نہ حیوان، کف دست کی طرح منبر لوں کا بیابان۔ بگوتے اڑتے، دزد بے بھوکے پیلے پھرتے، طائر ہوش سرگرم پرواز، ہر سمت سائیں سائیں کی آواز، پس آفتاب سے تمام بیابان پیتا، ریت کا ہر ذرہ آفتاب سے ہمسری کرتا۔ کہیں کہیں جانور جو نظر آتا، لختا تا پانی کی تلاش میں پھڑپھڑاتا، زبان باہر نکالے تڑپتا۔ کسی جگہ جو ایک دو درخت تھے، جلے ہوئے سوکھے ڈنڈ کھڑے تھے، ان پر دو تین چلیں پوٹے ٹیکے، آنکھیں بند کئے بیٹھی تھیں اور بانہ ہی تھیں۔۔۔۔۔ دل روزگار جلتا تھا، زمین کے قلب سے شعلہ نکلتا تھا، ٹھیک دوپہر کو تو وہ جنگل آگ کی ٹھیک بن جاتا، دانہ گرتا تو بھن جاتا۔۔۔۔۔

جب دن ڈھلا۔۔۔۔۔ اس میدان گرم سے یہ بھی بکل کر ایک ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں کچھ درخت بسر لگے تھے، گھاس بھی ہری تھی، چشمہ آب بھی جاری تھا۔۔۔۔۔ دیکھا دور تک درختان سرسبز کے ضرغے ہیں، ان کے نیچے ہزار در ہزار جانور چرتے پھرتے ہیں۔ نیل گائے، بھین، پاڑھے وغیرہ بے شمار ہر سمت دوڑتے ہیں۔ لیکن طرفہ ماجرا ہے کہ وہ جانور کبھی کلیں کرتے ہیں اور خوش ہوتے، ہنستے ہیں، اور کبھی ایک مقام پر سب اکٹھا ہو کر شاخیں ایک دوسرے سے ملا کر اس طرح روتے ہیں کہ دل سنگ بھی ان کے رونے

پر آب ہوتا ہے ۔

(سیارہ اسے جادو کا کرشمہ سمجھ کر ہرن کا بھیس بھر لیتا ہے ۔ اتنے میں ایک ساحر آ کے جانوروں کو کھانا دیتا ہے ۔ جب وہ واپس ہوتا ہے تو سیارہ بھی پیچھے لگ لیتا ہے)

یہ جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے اس کے پیچھے رواں تھا، صحرا میں چاندنی کی کیفیت تھی۔ کوسوں تک چادر نور بھی تھی، کوڑیا لاکھلا تھا۔ سبز سبز گھاس پر سبزم پڑی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ دانہ لے مروا دیدر شیم سبز میں پروئے ہیں۔ جانور آواز دے کے چپ ہو رہتے ہیں، تالاب اور جھیلیں برنگ آئینہ مصفا ہیں۔ بگلے ایک پاؤں سے نخلوں میں چونچ دابے کھڑے ہیں، مرغابیوں کے غول کے غول کنارے اور ڈاپوؤں پر بیٹھے ہیں۔ قرقرے ایک جگہ پیروں میں سر ڈالے کھڑے ہیں۔ جنگل سے ایک آدمہ ہرن بھی نکل آتا ہے۔ مینڈک جھیل چشمے میں ٹراتا ہے جھینگر جھیں جھیں کرتے ہیں، ٹیسری ٹراتی ہے.....

آخر وہ جادوگر پر سدا کر کے اڑا، یہ عیار تھم گیا..... سیارہ..... ہرن کی کھال جسم پر سے اتار کر ساحر کی صورت بنا۔ پھر کچھ دور چل کر ایک درخت کے نیچے ٹھہرا..... اور باقی رات اسی مقام پر بسر کی۔

جب تارے ڈوب گئے، بڑے بڑے تارے نظر آنے لگے، ہوا سرد چلنے لگی۔ درختوں کی کھڑکھڑاہٹ سے ہرنوں کی ڈاریں دامن کوہ اور بیڑے نکلیں۔ جا بجا سورسو پچاس پچاس کے غول پھرنے لگے۔ کسی طرف سے پاڑھے، کسی طرف سے نیل گائیں ظاہر ہوئیں، کچھار میں شیر ڈکارا، ہاتھی چنگھاڑا، درختوں پر مرغ جھنڈ کے جھنڈ بولنے لگے۔ دھنیر جھکار، جھیلوں پر بگلوں نے پھریری لی۔ مچھلیاں دم مارنے لگیں، مرغابیوں نے گردنیں بلند کیں، قرقرہ نے پر جھاڑے، چڑیاں غول باندھ کر اڑیں۔ آفتاب بلند ہوا، درختوں کے پتے چمکنے لگے۔

(اتنے میں ایک ساحر کا ادھر گزر ہوا جس سے سیارہ کو اس طلسم کا حال معلوم

ہوا، اور وہ ساحر کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا)

عجب شہر عظیم الشان آباد دیکھا..... بٹرکیں پختہ و ہموار بنیں..... رعایا وہاں کی جوان حسین..... دکانیں اشیائے عمدہ سے مملو، دکان والی ہر ایک خوب رو

ہر سمت مہ جبینوں کی طرح داری، ناز و غمزہ کی گرم بازاری، زلف کا سودا ارزاں، نظارہ اپنے
 اوپر نازاں، کہیں صرافہ کھلا، اس کے جواب میں دوسری طرف بزازہ..... یہ عیار سیر کرتا
 جب چوک میں آیا، ہر قسم کا اسباب عمدہ پایا۔ کہیں حلوائی کہیں نانوائی، کسی جانب کٹرنی،
 سنکرنی سرمایہ حسن و ناز جمع کئے سب بیٹھے ہوئے۔ حلوائیوں کی مٹھائی پر شیریں کا
 سامان، جہاں کی رال پکتی۔ نان بائیوں کے کھانوں کو دیکھ کر نان ہوس سینوں کے تنور میں
 پکتی، کپڑوں کی ترکاریوں پر سبز رنگان عالم کا دل بزرنگ سبزہ پامال ہوتا، ہر اسرا سا
 سبزہ خلد سے مقابلہ کرنے پر تیار تھا.....

(ساحر نے سیارہ کو اپنے گھر ٹھیرایا، اور کھانے کے بعد قاسم کی قید کا پورا قصہ
 سنایا۔ اگلے دن خداوند کے دیدار کا میلہ ہوا، یہ دونوں بھی سیر کرنے چلے)

ایک میدان کو سوں تک کا نظر آیا کہ اس میں ہزار ہا درخت سایہ دار نہایت
 بلند لگے تھے، سایہ زمین پر چھایا تھا، اس سے آگے بڑھ کر ایک جھیل پانی سے بھری تھی، اس
 میدان میں خلقت کا جماؤ ہوتا جاتا تھا۔ دکاندار، حلوائی، بزاز، صراف، خوائے دلے،
 کھلونے والے آتے جاتے تھے۔ نیچے استادہ ہو رہے تھے۔ بازار میں آراستہ تھیں۔
 سینکڑوں بارگاہیں مٹھی اور بانائی نصب تھیں۔ چوبیس ان کی الماس نگار سب تھیں۔ کلس
 ان پر بزرگ بزرگ کے چڑھے تھے جو سونے چاندی کے تھے۔ ساحر ان نامی سردار ان
 گرامی فوج فوج قشوں قشوں آتے جاتے تھے، بیلدار لگے تھے، چوتھرے بنتے تھے۔ دکاندار
 دکان جاتے تھے، بے چوہے، پالیں، راڈیاں، کندے، بنگلے کھڑے ہوتے تھے، نشان
 بازاروں میں سر بلندی دکھاتے، ترسوں ان پر چڑھے، پرچم اڑتے۔ ہر پرچم پر تعریف
 سکندر بن سامری کی تحریر، پونے دو سو خداوندان باطل کا وصف تسطیر جھیل کے کنارے
 چوتھرہ زمر دیں بنا، اور اس میدان سے آگے بڑھ کر ایک گنبد بہت بڑا سنگ سبز کا بنا تھا،
 آگے اس گنبد کے باغ لگا تھا، گرد باغ کے کٹرہ کھینچا تھا، وہ بھی طلائے احمر کا تھا۔ اندر
 باغ کے طرف بہار تھی..... دروازہ اس گنبد کا بند تھا۔ دروازے پر رہبان دمن و
 کشیشان بیٹھے تھے۔ یاد خداوند سامری و سکندر کرتے تھے، جہاں جھ و نفیر و ناقوس رکھے تھے،
 گھنٹے ٹنگے تھے۔

میلہ جمتا جاتا تھا۔ یہ سیر دیکھنے لگے۔ حسن چمن کا پیش نظر ہوا۔ یہ رنگ دیکھا کہ

جادوگر نیاں کم سن ساریاں پر زراوریش قیمت باندھے کہ جس سے جسم نازک نظر آتا۔ سیاق کی شمع فانوس پیرہن میں روشن، پیڑوا بھرے، چھاتیاں تنیں ان پر ہزاروں جوہن، ہاتھوں پر تھالیاں برنجی رکھے، چوٹھیں ان میں جلانے، مونہن بھوگ اور پھول رکھے، سر سے پانک آپ جڑاؤ گھنا پہنے، جھم جھم کرتی جھیل کے کنارے آئیں اور مع پیرہن نہائیں۔ جب خطہ مار کر ابھرتیں، مہرتاباں برج آبی سے باہر آتا۔ پیرہن جو بدن میں لپٹ جاتا، تو زیر ناف برج حوت نظر آتا۔.....

ایک طرف تو ان قمر پیکروں کا مجمع تھا، دکانداروں کی پالیں آئی تھیں۔ دکانیں ہر رنگ کے اسباب و اجناس کی آراستہ اور سجی تھیں۔ حلوئی تھالوں میں مٹھائی لگائے بیٹھے، تھال آفتاب و ماہ کی تھالیوں کو شرماتے تھے..... ایک طرف ہر قسم کی ترکاری ڈھیر لگی کنجڑن اپنا جوہن دکھاتی، سیب ذقن اس کا دیکھ کر آسیب دور ہوتا، انار پستان کا جو دیکھتا، سینے میں جوش محبت ضرور ہوتا۔ شفقالبوسہ شفتین کی رغبت دلاتے، جامن کو دیکھ کر لب مسی آلود اس کے ہمیشہ یاد آتے۔ ایک جگہ بھنگیرن اپنا جلسہ جمائے تھیں۔ دکانیں لگائے تھیں۔ پال کے اندر میزوں پر حقے رکھے تھے۔ نیچے لگن میں بھیکتے تھے، تپائیوں میں چلیں گھری تھیں، چرس پر دم پڑتے تھے۔ سابلحمان کا سارا جہان شیدا، کشمیرے پر چرسوں کا دم فدا، یار قند کے گھونٹ ٹویار، قند کے گھونٹ بھگتے، ساقیوں کے شربت وصل پینے پر دم نکلتے۔ دف اور دائرہ بجاتا مقابہ سلنے کھلا، آئینہ لگا۔ شعر خوانی ہوتی، ڈھولک بجتی، عاشق تن سلنے ان کے ٹہلتے۔ عشق کی آگ میں جلتے۔ کہیں تنبولنیں اپنا رنگ جاری تھیں، سرخروئی جتا رہی تھیں۔ عاشقان بے ساز و برگ کو جاں پساری کا خیال، ان سبزہ رنگوں کے وصف میں زبان لال اکال ان کے منہ کا یا قوت رنگ، بہر عاشقاں قوت ہرنی لب ان کی ایسی خوشنما کہ بموجب شعرے

سرخ لب کے وصف میں جس نے ایک مصرع کہا تو خون تھو کا
دکانداروں کا کیا وصف کیا جلے۔ ہر سمت عجب آرائش تھی، عمدہ زیبائش تھی، مکان کے سگے نٹیاں آکر ناپتیں، ہیچڑے ڈھولک بجا کر گاتے، دکان پر اڑ جاتے۔ راستے کے کنارے فقیر چادریں بچھائے بیٹھے، لوگ کوڑیاں پیسے بھینکتے شعبدہ باز تخت پر مونڈھے بچھائے بیٹھے تھے، تخت کہاں ہر سمت اٹھائے پھرتے۔ ڈفلی، بانسری بجتی۔ ترسول، پیسول وہ ننگلتے

لاگیں دکھاتے، چاندی سونے کا کہنا پہنے استاد کی جے بولتے۔ ایک طرف گلفروش ”مار
بیلے کے“! پکارتے، ساقی حقہ پلانے والے کہلاتے، ہر ایک کے سامنے حقہ لے جاتے۔

ہر سمت دھوم دھام خلقت کا اثر دہام۔ ٹمگیے جا بجاتے، بنے نہیں بنے ہوئے
بیٹھے نریل اڑاتے، چلوں پر دم لگاتے۔ اندر سجھا، بھگت پیرا، گرو چیلے وغیرہ کا ناچ ہوتا۔
آپس کی دل لگی، بیسروں کا کھانا، نئی کیفیت، عیش کا زمانہ، بہت سا خرچہ کیا کرتے جاتے،
گنبد کی طرف زمین ناپ کر قدم اٹھاتے۔ امرائے عظامہ پالکیوں پر آتے۔ آگے لڑکوں کو
بٹھاتے، کھلونے سامنے خرید کر کے رکھے، بہت ہاتھیوں پر سوار پھرتے۔ ہر مقام بلند
پر فرش بچھا۔ ہندوؤں کا دہاں مجمع، بعض مقام پر ایونی بیٹھے، گھولا چلتا داستان ہوتی،
گنے چھلے، بازار میں کو تو ال پیادے گشت کرتے، چور بد معاش گھرتے۔

(شام کے قریب بادشاہ مندر میں سکندر کو سجدہ کرنے گیا)

بادشاہ نے..... سجدہ کیا۔ سچاریوں نے سکھ اور نفیر اور گھنٹے بجائے بجے جے
کا شور ہر سمت سے بلند ہوا۔ بادشاہ گنبد سے باہر آیا۔ اب ہر شخص میلے کا آنے والا اندر
گنبد کے جانے لگا۔ پوجا کرنا شروع ہوا، نذرین چڑھنے لگیں۔ ہزار ہا روپیہ اور دونے
مٹھائی کے چڑھ گئے۔ بار بھول کی وہ کثرت ہوئی کہ تمام باغ کے درختوں میں صد ہا بار
لٹکتے تھے اور گنبد کے آگے بھولوں کا انبار لگا تھا۔ بکرے بھیڑ وغیرہ ہزاروں چڑھائے تھے۔
ہر سچاری کے آگے دونوں کے ڈھیر لگے، روپیہ اشرفی بے شمار پڑے تھے۔ گنبد کے ایک
طرف سے پرشاد یعنی تبرک تقسیم ہو رہا تھا۔ عورتیں ہاتھ باندھے گنبد کے در سے دور تک
استادہ تھیں۔ بعض ڈنڈوت کرتیں، بعض آنکھ بند کئے خداوند کے دھیان میں تھیں۔ وہی
پوجا پاٹ میں وہ دن آخر ہوا.....

شام کو بادشاہ مذکور تو اپنی بارگاہ میں بیٹھ کر میلے کی سیر کرنے لگا، اور تمام میدان
میں چراغوں کی روشنی ہوئی، طلبوں کی آواز دور تک ٹھیکا کھانے لگی۔ غوغائے مردماں سے
سارا طلسم پر ہو گیا۔ کچھ لوگ پھر کر گھر جانے لگے، کچھ اس طرف سے آگے لگے، کوئی ہمراہی اپنے
کو پکارتا تھا، ”ارے میاں کس طرف ہو؟“ کوئی اپنے لڑکے کو ڈھونڈ رہا تھا۔ زندیوں کے
ڈھروں پر تاش بینوں کا جھاؤ تھا۔ واد عیش دیتے تھے۔ جھیل میں کھنول جلا کر چھوڑ دیتے
تھے، تیرتے پھرتے تھے، بھنگیڑوں کا دکانوں کے سامنے مہتابیاں چھوڑتی تھیں۔ کسی کا کچھ

گزر گیا تھا، ڈھونڈ رہا تھا۔ کہیں جھگڑا قفسیہ ہوا تھا، لوگ دوڑتے جاتے تھے سرکاری ملازم پھر رہے تھے.....

سیارہ عیار نے..... ایک گوشے میں ٹھہر کر موم پیچ روشن کیا اور آئینہ سامنے رکھ کر ایک عورت نہایت شکیلہ کی ایسی صورت بنائی..... ساری در و دوزی باندھ کر ڈوٹے شبنم کا اڈرٹھا، سر آنکھوں میں سرمہ دیا، لبوں کو مٹی آلود کیا، مانگ میں سید در بھراؤست ویا کو ہندی سے رنگین کیا، مرصع کا رزیور کانوں میں اور باقی موقع و مناسبت سے طلائی و نقرئی پہنا۔ برنجی تھال میں چوکھ آٹے کی جلا کر رکھی، مٹھائی اور کچھ روپے رکھ کر تھالی اٹھا کر تھیم تھیم چلا.....

اسی طرح میلے میں پہنچ کر جہاں مجمع نو جوانوں کا دیکھتا انھیں میں سے ہو کر نکلتا۔ اکیلی عورت رات کے وقت ایسی سینہ، یاروں نے جو اس کو دیکھا، لگاؤ میں کرتے ہوئے ساتھ ہوئے۔ کوئی کہتا، ”واہ، اتنا غرور نہ جائے۔“ کسی نے کہا: ”یہ مرادوں کی گٹھری کہاں دیکھنے کھلتی ہے؟“ ایک نے آواز نہ کسا کہ: ”دیکھا جائے یہ نقد القدرال، یہ دولت کس کو ملتی ہے!“ دوسرا پکارا: ”ذرا ایک نگاہ ادھر بھی!“ تیسرا بولا: ”یہ دل حاضر ہے اور جگر بھی!“ کسی نے کہا: ”ذرا منہ پھیر کر ہنس دینا!“ پھر ایک قریب آ کر گویا ہوا ”ارے او ظالم، نگاہ محبت سے ہاں دیکھ لینا!“ بعض جو مغرزہ شریف کے لڑکے نئے بگڑے ہوئے تھے، وہ معقول گفتگو سے پیش آئے۔ کسی نے کہا: ”اے دولت بیدار، کیا گنجینہ شرم و حیا تو نہ لٹائے گی، اور نقد دل ہمارا ہی لے جائے گی؟ ایک بھی تیری بہت اچھی ہوگی۔ ذرا ٹھہر جا، میری پیاری مجھ رسیا کو اپنا مزا چکھا!“ کوئی دو ہا پڑھنے لگا۔ کوئی شعر عاشقانہ زبان پر لایا کہ:-

”نہ جیا تیری چشم کا مارا نہ تیری زلف کا بندھا چھوٹا“

ایک نے بہ حسرت دیاس کہا کہ:-

”نہ تھی توفیق اگر بو سے کی تو اتنا ہی کہہ دیتے

جو آیا ہے تو خالی تو نہ پھر دشنام لیتا جا“

اس ناز میں نے جب یہ کلمات عاشقانہ سنے، ناز و غمزہ کے شکر کو ان جوانوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا..... ان جوانوں کو جلو میں لئے یہ شہریار ملک حسن و جمال قریب

گنبد خدادند پہنچی۔ وہ مجمع عشاق وہاں اس امید پر تھم گیا کہ جب یہ بت رعنہ پرستش
خداوند کی کر کے باہر آئے گی اس وقت اس کو رام کریں گے۔۔۔

جب یہ عیار دروازے کے پاس آیا، بجا ریوں نے کہا: ”پھر جا کہ یہ وقت
خداوند کے آرام کرنے کا ہے، اور عرش اعلیٰ پر جانے کا ہے۔“
اس نے کہا: میں شب کو یہاں نہیں ٹھیر سکتی، اسی وقت گھر جاؤں گی۔ تم دروازہ
کھول دو، خداوند میری آواز سن کر عرش پر سے فرش پر اتر آئیں گے، مجھ کو بلا کر آپ کیا فلک
اعظم پر چلے جائیں گے؟“

بجا ریوں نے کہا: تم کو کیا خداوند نے بلایا ہے؟“
اس نے جواب دیا: میں لٹی ہوئی تھی کہ یکایک آپ ہنستے ہوئے گئے اور کہا، جلد
ہمارے پاس آ کہ تجھ بغیر بے چین ہیں۔ یہ سن کر میں حاضر ہوئی ہوں۔ تم نہ جانے دو گے تو
میں شکایت تمھاری خداوند سے کروں گی۔“

بجاری یہ کلام سن کر ڈبے اور ایک ان میں سے اندر گنبد کے گیا۔ سکندر گنبد
کے ایک مقام عمدہ میں جواہر نگار پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور جاگتا تھا۔۔۔۔۔ اس بجاری
نے۔۔۔۔۔ آہستہ سے عرض کیا کہ ”یا خداوند، آپ جلگتے ہیں؟“

خداوند نے اس کو پاس بلایا۔ اس نے جلد حال زن باحسن و جمال کے آنے کا
عرض کیا۔ خداوند نے اپنی کرامت ظاہر کرنے کو فرمایا کہ ”وہ بندی قدرت کی سچ فرماتی ہے۔
ہاں، ہمیں نے اس کو یاد کیا ہے۔ جا جلد اس کو بھیج دے۔“

(بجاری سیارہ کو اندر پہنچا دیتا ہے)

اس عیار نے گرد پلنگ کے آکر پھرنا شروع کیا، اور دو پٹے رخ پر سے ہٹا کر
روئے منور اپنا خداوند کو دکھایا۔ ایسی صورت یہ بنا تھا کہ اس گہرے ہر چند کہ ہزاروں
پری پیکروں کو دیکھا تھا، لیکن ایسا حسن و لطیف اس کی نظر سے نہ گزرا تھا۔ شکل دیکھتے
ہی بیتاب دبے قرار ہو گیا، اور پلنگ سے اٹھ کر ہاتھ اس کا پکڑ لیا، کھینچ کر پاس بٹھایا۔ اس نے
ایسی تشلی ننگاہ سے چہرہ خداوند کا دیکھا، اور اس + دل سے شرمناک سر جھکایا کہ خدائی کو
خداوند کی خاک میں ملایا۔ میخانہ چشم سے وہ ساغر بے خودی چلایا کہ اس پیر فرقت کو نوجوانی
کا مزادل میں سمایا۔ پاس بیٹھاتے ہی لپٹنے لگا۔ خرمستی کرنے لگا۔

اس صنم نے اپنے خم ابرو کی محراب کا ساجد بنالیا۔ اس کے پلٹنے سے اس نے سسکی بھر کر کہا: ”یا خداوند مجھ کو اور بات یاد کر کے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ میرا بھی سن کیا ہے؟“ خداوند نے کہا: ”اے مایہ ناز،

مجھے بن یاد تیرے دم گذرتا ہو تو کافر ہوں
سحر سے شام تک میں ورد تیرا نام کرتا ہوں“
اس شعلہ رو نے منس کے اٹے ہاتھ سے ایک طمانچہ منہ پر خداوند کے مارا، اور کہا:
”عبث تو سر کی مرے ہر گھڑی قسم مت کھا!
قسم خدا کی ترے دل میں اب وہ پیار نہیں“

خداوند نے اس بات کو سن کر منہ بڑھایا، اور بوسہ لب شیریں لینا چاہا، اس غنچہ دہن نے منہ ہاتھ سے سر کا دیا، اور آہ سرد بھر کر کہا: ”ہر چند اس وقت خداوند کی منظور نظر ہوں، مگر میری قسمت ایسی ہے کہ آپ بھی کچھ دیر میں خوار و بے اعتبار کر کے نکال دیں گے۔“

خداوند کو اس کا رنج کب گوارا تھا، گویا ہوا کہ ”اے باعث خدائی و زندگی، سن، گو میں تمام عالم کا خدا ہوں، لیکن تجھ ایسے بت کا بندہ ہوں.....“
یہ کہ اس ماہ رو سے لپٹ گیا۔ وہ بسان حوصلہ و مانند شعلہ جوالہ خاطر آغوش سے تڑپ کر نکلی۔ اب ہنگامہ اختلاط جانبین سے گرم ہوا۔ کبھی معشوقہ سے عاشق ہم بغل خیال ہجر سے دل میں خلل۔ گاہ نازک بدن باہیں گردن میں حائل کرتی، کبھی خنجر ابرو سے غصہ جتا کر گھائل کرتی، کبھی عاشق منت کرتا، پاؤں پر سرد دھرتا، معشوقہ کبھی سچی آنکھیں کر کے شرماتی، نیزنگی چشم فتاں گردش دوران کارنگ دکھاتی، عاشق زانو سے زانو مسل پستان پر ہاتھ بڑھتا، یہ سسکی بھر کر رہ جاتی۔ اسی اختلاط میں جملہ کیفیت خدائی کرنے کی اس معشوقہ پر فریب نے اس دغا باز سے دریافت کی۔ اور انگیا سے عطربے ہوشی کی شیشی نکالی، اور گھول کر اپنے جسم میں عطر ملنے لگی۔

خداوند نے کہا: ”بہیں نہیں؟“

اس نے انگوٹھا دکھایا۔ وہ بے تابانہ لپٹ گیا۔ اس نے بھی گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اس نے خوب سینہ و رخ و شکم پر منہ اپنا رکھا۔ خوشبوئے عطر نے دماغ میں اثر کیا۔ سرو پا

کی کچھ خبر نہ رہی، بے ہوش ہو گیا۔

(سیارہ نے سکندر کو صندوق میں چھپا کے اپنی شکل اس جیسی بنالی، اور صبح کو بادشاہ سے کہہ کر شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کل شہزادہ قاسم کو قتل کیا جائے گا)۔
یہ خبر وحشت اثر اس کشتہ ابروئے دلبر ملکہ بنفشہ نیک سیر کو بھی پہونچی کہ شہزادہ والا گھر کل تہ خنجر ہوگا۔ اس خبر کو اس کی مادر خستہ جگر نے بہت چھپایا کہ ایسا نہ ہو کہ میری دختر فرط محبت و حق الفت سے اس سرایا مصیبت کے قتل سے باہر ہو کر اپنے تئیں جوہر کرے۔ لیکن اس خبر کا چھپنا بہت دشوار تھا..... کینزروں میں جدا، انیسوں میں علیحدہ چرچا ہو رہا تھا۔

ملکہ مضطر نے چپکے سے ایک کو بلا کر پوچھا کہ ”یہ کیا تم باہم باتیں کرتی ہو اور روتی ہو؟“ اس نے بلائیں لے کر کہا: ”بی بی کیا کہوں، ڈیوڑھی پر کاہر کا رہ کتا تھا کہ کل شہزادے کے دشمن کہنے والی بندی کو وہ مواخداوند بوبک قتل کرائے گا۔“
یہ سننا تھا کہ ملکہ پہلے تو بے ہوش ہو گئی، پھر جو غش سے فرصت ملی، گریبان صبر چاک کیا، بے تابی دل سے چلا چلا کر رونے لگی۔ ماں نے بھی اس کی چشم پوشی کی، اس ایوان سے دوسرے قصر میں چلی گئی، اور مخفی ملازموں کو مقرر کر گئی کہ یہ کہیں جانے نہ پائے۔
یہاں تنہائی جو ہوئی، ملکہ شوریدہ سر نے حال اپنا تباہہ کیا۔ فرش پر جا بیٹھی اور خاک اڑانے لگی..... بے ہوش ہو گئی۔ کینزریں گود میں اٹھا کر والان میں لائیں پلنگ پر مردے کی طرح ڈال دیا، تلوے سہلانے لگیں۔ بعض رونے لگیں، اور کلمات افسوس زبان پر لائیں۔

ایک نے کہا: ”ہائے، اس ناشاد کی تقدیر جو اس پر مائل ہوا۔ تیغ اجل کے گھاٹل ہوا، نامراد تہ خاک کیا۔“

دوسری نے کہا: ”بھلا اور تو اتنا ہی داغ دیتے تھے کہ مر کر معشوقہ کو فراغ دیتے تھے۔ اس شہزادے کے ساتھ تو ملکہ بیکس نے کیا کیا پاپڑ نہیں بیٹے۔“

تیسری نے کہا: ”سچ تو ہے، چھناں اتنے سے سن میں یہ مشہور ہوئیں۔ تھو تھو، اب سے زور، تھکاریاں اسی تھکی سی جان نے پہنیں۔ خون خرابے ہوتے، ہزاروں کی جان جاتے تھوں نے دکھی۔ وائے مقدر کہ وہ پھر ہاتھ نہ آیا۔ فلک نے یوں دونوں کو ترسایا۔“

ایک شب چین گزری، کوئی حسرت بھی نہ نکلی۔“

ایک اور بولی کہ ”اب اس پر ارمان کا بچنا مشکل ہے۔ درمیں صبح ہی شام عدم کی منزل ہے۔“

دوسری گویا ہوئی: ”ہائے، یہ چاند خاک میں مل جائے گا۔ ارے لوگو سکندر بھڑوا کیا پائے گا جو ان دونوں کی جان لے گا؟“

ایک اور گویا ہوئی کہ: ”اے بی، ایسے تماشے میری آنکھوں نے بہت دیکھے ہیں۔ گھر سینکڑوں بگڑ جاتے دیکھے ہیں۔ اس محبت پر خدا کی مار۔ اس نے ہزاروں باغ پھلے پھولے برباد کئے، کیا کیا نہ داغ دیئے؟ کون کون سے خانہ آجرے؟ کس کس کے گھر نہ بے چراغ کئے؟ کوئی دشت مصیبت میں آوارہ ہوا، کوئی شہر بہ شہر مارا مارا پھرا.....“
(ادھر سیارہ نے شہزادے کو ہوشیار کر کے سارا حال سنایا۔ پھر شہزادے کی شکل سکندر کی سی بنائی اور سکندر کو نکال کے اس کی شکل شہزادے کی سی بنادی۔ اس کے بعد بنفسہ کو اطلاع دینے چلا۔ محل کے باہر ایک کہاری ملی۔ عطر سے اسے بیہوش کر کے اس کے کپڑے پہنے اور اندر داخل ہوا)

ہر سمت محل والیوں کا ہجوم دیکھا..... ہر سمت شاہدان طناز پائے کلاہوں پر ڈالے، ڈوپٹے کاندھوں پر ڈھلکائے ہوئے، ہزاروں انداز و ناز سے پھرتے، دم خرم فخر بیا کرتے۔ رات کا وقت، شمع و چراغ روشن، صحن میں چوکالگا، پلنگوں پر جوین، کوئی نیند میں غافل، کوئی اکل و شرب میں، کوئی لہو و لعب کا شائق، کہیں چوسر کہیں گنجیفہ، کہیں ستار بجاتا، بائیں کاٹھیکا، کہیں کہانی ہو رہی، کہیں شعر خوانی ہو رہی، کہیں پردے پڑے ہوئے، چاہنے والے در پردہ مزے اڑاتے شام ہی سے پہنچے ہوئے۔ کہیں ”اوی“ آہ!“ کی صدا، کسی جا قہقہے اڑتے، پھبتیاں کہنے کی آواز برپا، قلماقنیاں داغہ مانیوں کا ندھے پر رکھے پہرے پر، حسین باری واریاں ادٹوں کے قریب جاگ رہیں، مسہریاں پھولوں سے آراستہ، پلنگوں پر اوجھوں کا چاندی میں تڑپنا۔ لڑکیاں محل کے نوکروں کی گڑیا کا بیاہ رہ جائے ہوئے، صحن میں کڑھائی چڑھ رہی ہوئی، کچھ عورتوں کا وہاں مجمع۔ بعض کم سنیں چھلی چھلیاں گھیلیں غنچہ دہن نازنینان زیبا، کسی جالونڈیاں لڑ رہیں۔ عیب و ثواب آپس میں انگشتیں، یار دگرڑے فیے جاتے۔ کسی طرف سے آواز آتی، ”ہمارے ہر مری“ وہ جوا

دیتی، ”جی باجی جان، آئی، حاضر ہوئی۔“ کوئی اپنی کنیز کو پکارتی ”اری نرگس، تو کہ صبر کر گئی؟“ کہیں آواز آتی کہ ”جلد آ، حضور چوکی پر گئی ہیں۔“ کہیں جتنے یہ صدا پیدا کہ ”ذرا ڈیوڑھی پر دیکھ آ مغلانی کے گھر سے مرزا آئے ہیں۔“

غرض یہ عیار بھی اٹھلاتا، آپ ہی آپ کچھ بکتا، کسی کو دھکا دیتا چلتا تھا، وہ کہتی تھی کہ بی مہری، آج کیا تم نے بھنگ پی ہے جو دھکے دیتے چلتی ہو؟“

یہ کہتا: ”یہ تمہیں ہو کہ ہر وقت بوتلیں چڑھاتی ہو اور ایک ایک کو گالیاں سناتی ہو۔“ لوصاحب میں نے ہزار دفعہ کہا ہے تم میرے منہ نہ لگا کر دیکھلا میں دھکے دیتی ہوں۔ یا تم ہر ایک پر گرتی پھرتی ہو؟“

یہ کہہ کر چپکتی ہوئی لہنگا پھڑکاتی آگے بڑھ گئی اور کہا: ”صاحبو، آج چھوٹی حضور کی کوئی خبر نہیں لیتا؟“

یہ جو اس نے کہا، ایک مس عورت نے اس کو بلایا کہ ”مہری ذرا ادھر آؤ۔“ اس نے دیکھا کہ چو کا تخت کا بچھا ہے، اس پر ایک عورت بہ کمال زیب و زینت تکیہ لگائے بیٹھی ہے، یہ سمجھا کہ عورت کا عہدہ کوئی ہے۔ یہ سمجھ کر اس نے قریب جا کر تسلیم کی۔ اس نے کہا: ”بی مہری، بیٹھو، یہ سلام کر کے تخت کے کونے پر بیٹھا۔“

اس عورت نے اس کے نزدیک آکر کہا: ”بی مہری، چھوٹی حضور نے جیسے اس شہزادے کا قتل ہونا سنا ہے اپنا حال تباہ کیا ہے۔ بھاڑ میں جلے ایسی عاشقی جس سے اپنی لعل سی جان جلے۔ آیا کہے چھناں، گیا کہے چھناں۔ میں تو آگ لگاتی اس محبت کو۔ اب چھوٹی تویلی میں مردہ سی پڑی ہیں۔ نہ کھاتی ہیں، نہ کچھ بات کرتی ہیں۔ تم دیکھ لینا یہ لڑکی اپنی جان دے گی۔“

مہری نے کہا: ”آپ سچ کہتی ہیں۔ لیکن حضور مصافحہ، کبھی حضور نے بھی یہ کھیل کھیلا تھا؟“

اس نے کہا: ”اُدنی نوج، چھائیں پھوئیں، مجھ کو یہ مرض کبھی نہیں ہوا۔“ کہاری ٹٹک کر اٹھی کہ ”بی بیٹھو! ایسا کوئی چہیتا چہیتی نہیں! وہ کون ایسی کشمش ہے جس میں لکڑی نہیں۔ اچھا آپ اس سرے سے آگاہ ہی نہیں تو میں آپ سے کیا بیان کروں؟“

یہ کہہ کر وہاں سے سنستی ہوئی چلی۔ پتہ تو معلوم ہو چکا تھا، چھوٹی حویلی میں آئی۔ یہاں ملکہ پلنگ پر مردے کی طرح پڑی تھیں، کنیزیں رو رہی تھیں کہ اس نے آتے ہی کہا: ”میں اپنی شہزادی کے صدقے، قربان، نشانہ، جی کیسا ہے میری حضور کا بٹا“

یہ کہہ کر پلنگ پاس آ کر پاؤں دابنے لگا۔ ملکہ نے آنکھ کھول دی، اور آہ کی۔ اس نے بلائیں لینے کے بہانے سے جھک کر چپکے سے کہا: ”میں شہزادے کی خبر لے کر آئی ہوں۔ تنہائی پاؤں تو کچھ عرض کروں۔“

ملکہ یہ کلمہ سن کر جلد اٹھ بیٹھی، اور گویا ہوئی کہ ”ارے لوگو، یہ ہجوم کیسا کر رکھا ہے؟ کاؤں کاؤں سے اور بھی دل اڑا جاتا ہے۔ جاؤ سب اپنے اپنے مقام پر۔ مجھ کو کیوں گھیرا ہے؟“

کنیزیں یہ سن کر چرچ گئیں کہ یہ کہاری کچھ پیام لائی ہے پس تخلیہ اس مقام پر کر دیا۔

(سیارہ نے ملکہ کو پورا حال سنایا۔ ملکہ کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ میری تسلی کو ٹھنپتی ہے۔ تو پھر سیارہ نے اپنا اگلی چہرہ دکھا دیا اور ملکہ کو تسکین دے کر رخصت ہوا۔)

ادھر بعد کچھ عرصے کے وہ کہاری جس کو عیار بے ہوش کر آیا تھا، ہوشیار ہوئی، اور ننگا اپنے تنیں دیکھ کر سمجھی کہ وہ ٹھنک تھا جو عطر دینے آیا تھا، خیریت گذری کہ تیری جان بچ گئی مگر اب اسی ہیئت سے بادشاہ بیگم کے سامنے چل، ورنہ سونے کی مچھلی اور تمغہ جو تیرے سر پر لگا تھا اس کے جانے کا کسی کو یقین نہ آئے گا۔ سب کہیں گے اسی نے بیچ لیا ہوگا۔ غرض وہاں سے درددلت پر آ کر رونے پینے لگی کہ فریاد ہے میں لوٹی گئی۔

سیاہیوں نے قریب آ کر پہچانا اور حال پوچھا۔ اس نے کیفیت بیان کی۔ وہ سب خائف ہوئے کہ اس کے لوٹنے کا ہمیں لوگوں پر انزام عائد ہو گا۔ کہاری سے کہا: ”جا محل میں حضور سے اپنا ماجرا بیان کر۔“

یہ اندر محل کے آئی، بادشاہ بیگم سے آکر سب کیفیت عرض کی، اس اثنا میں وہ عورت جس کے پاس سیارہ تخت پر بیٹھا تھا آئی اور اس نے بیگم سے کہا: ”ابھی کچھ دیر ہوئی جو یہ کہاری چھوٹی حضور کا حال مجھ سے پوچھتی تھی۔“

کہاری نے کہا: ”میں واقف بھی نہیں کہ آپ کیا کہتی ہیں۔“

بادشاہ بیگم عاقلہ ہے، سمجھ گئی، کہ یہ کچھ میری لڑکی ہی کا بھید ہے۔ بس اس کہاری کو زرقہ لباس و تمغہ کے عوض عنایت فرما کے حکم دیا کہ اب کچھ منہ سے نہ نکالنا، ہم تحقیق کر کے ٹھگ کو سزا دیں گے۔

(اگلے دن شہزادہ قاسم نے سکندر کو سب کے سامنے قتل کیا۔ پھر بادشاہ سے کہا کہ اپنی بیٹی کو علاج کے لئے لاؤ)

یہاں سے جب سیارہ ملکہ کو مردہ وصل دلدار سنا آیا تھا، ملکہ کا فرطِ عشرت سے یہ حال تھا کہ رات انتظار میں بہاڑ ہو گئی تھی۔ نیند نہ آتی تھی۔ ہاتھ پاؤں دھنتی تھی، گردنیں بدلتی، دل سے منصوبے کاٹھکتی تھی کہ کل گھر دن یار میں باہیں حائل ہوں گی، وہ ہم کو چھڑیں گے، ہم خفا ہو کر روٹھیں گے۔ انھیں رلا میں گے پھر منہ سے بلا میں گے، گدگد کر سنسائیں گے، ناگاہ دل کو یہ خیال آتا کہ بادشاہ نے شہزادے کے دشمنوں کو روئے بد دکھایا ہو، میری تسکین کے لئے کسی کو عیار بنا کر جو کچھ تو سن چکی ہے وہ کہلا بھجوا یا ہو جب یہ دھیان آتا تو وہ گلبدن مرجھا جاتی، ساری خوشی بھول جاتی۔ پھر دل مضطر کو اس بات پر قرار آتا کہ ایسا سانحہ ہوتا تو اس دل کی تڑپ زیادہ ہوتی، آج تو فرطِ غم سے خانہ گور میں سوئی۔ کبھی کہتی خداوند! کہیں جلد سحر آشکار ہو، نصیب وصل یار ہو!.....

سحر کو اس مضطر نے بھی ہزار بار منجبر خبر کو بھیجے، یہاں تک کہ اب اس کی مادر نے آکر بلا میں لیں، اور کہا ”ابے راحت جاں جام کرو، اور بہر دیدار خداوند چلو۔ شاید تمھارا دل سنبھل جائے، میری قیمت کا بل جائے۔“

یہ ناکام مادر کے دکھانے کو زار نزار بن گئی۔ کنیزیں سمجھا کر حمام میں لائیں۔ یہ نہادھو کر باہر آئی، اور لباس و زیور سے خوب آرائش و تزئین کی، وصل یار کی خوشی میں بنی سنوری..... جب یہ آراستہ و پیراستہ ہو چکی، مادر نے اس کی صورت دیکھ کر اپنی اٹری دکھی، سر سے پانک چٹ چٹ بلا میں لیں۔

ایک انیس بولی: ”میری آنکھوں میں خاک، آج چھوٹی حضور کی طبیعت بحال

ہے۔“

مادر ملکہ نے کہا: ”یہ خداوند کے یہاں جانے کا اثر ہے ان کے نام کے صدقے

ان کے قربان، میرے دل کو یقین ہے کہ بچی میری اچھی ہو جائے گی۔

(غرض اس طرح قائم اور بنفشہ پھر ایک دوسرے سے آئے۔ قائم سکندر کے بھیس میں تو ہے ہی، اس نے بادشاہ سے کہہ کر شہزادی کو علاج کے بہانے اپنے پاس رکھ لیا)

وہ مکان اور باغ بالکل جب خالی ہو گیا، خلوت آرائی اور انجمن پیرائی کا شہزاد نے سامان کیا۔ ملکہ کو اصلی صورت اپنی بنا کر دکھائی، وہ نہایت خوشنود ہوئی۔ سیارہ عیار نے فرش عمدہ لب نہر بچھوا کر کشتیاں شراب کی، ڈالیاں میوں کی وہاں چن دیں۔ کینران محرم راز ساز لے کر گانے بجانے پر آمادہ ہوئیں۔ ملکہ کا یہ عالم ہے کہ بوجہ مثل، سیاں بھٹے کو تو ال اب ڈر کل ہے کا، فرط عشرت سے پھولوں نہ سما تھی کہ یہ خواب ہے بیداری ہے....